

درسِ مختاری



ذوالقادر
مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ



درس بخاری

صحیح بخاری کی جامع اور عام فہم شرح،
جس میں حدیث کے متعلق جملہ پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ صحیح بخاری کی تمام
مشہور شروحات کا نچوڑ، صحیح بخاری سے متعلق ضروری اور مفید معلومات

از دارالافتاء

حضرت مولانا مفتی نظام الدین شاہ مہرئی صاحب

مترجم

قطب الدین عابد (فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن)

معاون

محمد عمران دہلوی (فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن)

ناشر

دارالافتاء

دوکان نمبر 2 پلاٹ نمبر 672/4 GRE انور سٹیشن بنوری ٹاؤن کراچی
Ph: 092-21-4914596, 4919673 Cell: 0333-2349656
E-mail: idaratulanwar@yahoo.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب کا نام درس بخاری
افادات مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ
طبع ثالث جولائی 2010ء
با اہتمام عبدالرحیم جوہر
0333-2349656



اشاعت

دارالافتاء
الانوار

دوکان نمبر 2 پلاٹ نمبر GRE 672/4 انورمیشن بنوری ٹاؤن کراچی
Ph: 092-21-4914596, 4919673 Cell: 0333-2349656
E-mail: idaratulanwar@yahoo.com

انتساب

ان حاملین دین متین کے نام جو نفرت اور بغض کے لامتناہی اندھیروں میں محبت اور امن (قرآن و حدیث) کے چراغ ہاتھ میں لیکر نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ جو روجفا اور ظلم و ستم کی گھناٹوپ آندھیاں ان کے خلاف شباب پر ہیں لیکن وہ چراغ سے چراغ جلاتے جا رہے ہیں۔

قطب الدین عابد

عرض مرتب

حضرت مفتی صاحب کی یہ تقریر ہمیں یہاں تک ہی دستیاب ہو سکی ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ بخاری شریف کی جلد اول کی مکمل تقریر شائع کریں اس کے لئے جب ہم نے تلاش کیا تو حضرت مفتی صاحب کے انداز تقریر کے قریب جامعہ ہی کے استاذ حدیث مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ کی تقریر کو پایا۔ لہذا اس سے آگے دوسری جلد میں حضرت مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ کی تقریر شائع کی جائیگی جو کہ درس بخاری کی دوسری جلد کی حیثیت سے عن قریب منصہ شہود پر آئیگی۔

(دوسری جلد زیر طبع ہے۔)

عرض مرتب

الحمد لله القديم الاول الذي لا يزول ملكه ولا يتحول، خالق الخلاق وعالم الذرات
بالحقائق معنی الامم ومحى الهموم ومعيد النعم ومبيد النقم وكاشف الغم وصاحب الجود
والكرم، لا اله الا هو، كل شئى هالك الا وجهه له الحكم واليه ترجعون. وصلى الله على
النبي الامى واله وصحبه وسلم تسليما كثيرا كثيرا.

اما بعد!

اللہ تعالیٰ کا بے حد کرم و احسان ہے کہ اس نے ہم سے علم حدیث کی خدمت لی اور اس
الکتب بعد کتاب اللہ پر شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین صاحب شامزئی دامت
برکاتہم کے درس کو ایک جلد میں ترتیب نو کے ساتھ علماء کرام، طلبہ عظام اور شائقین علم حدیث کی
خدمت میں پیش کرنے کی سعادت عطاء فرمائی۔

موجودہ دور میں حضرت مفتی نظام الدین شامزئی دامت برکاتہم نقوشِ رفیعہ اور عظمتِ رفیعہ
کے تاج محل ہیں۔ حضرت مفتی صاحب جملہ محاسن اور محامد کا وہ مجموعہ ہیں کہ جن پر طلبہ علم دین
خصوصاً اور تمام امت مسلمہ عموماً بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔

حضرت مفتی صاحب کا درس بخاری پورے ملک میں مشہور و معروف ہے۔ آپ کا درس
نہایت سلیس، شستہ اور رواں ہوتا ہے۔ ابتدائی ابحاث پر مفتی صاحب کا خوبصورت اور دل موہ
لینے والا مرتب اور واضح انداز طلبہ علم حدیث کیلئے باعث کشش ہے۔ مشکل سے مشکل مباحث کو
حضرت مفتی صاحب باسانی حل فرماتے ہیں۔

زیر نظر کتاب حضرت مفتی صاحب کی صحیح بخاری کی درسی تقریر ہے۔ چونکہ یہ تقریر بہت
جامع تھی اور طلبہ کی بہت پسندیدہ بھی، اس لئے فائدہ عام کیلئے اس کو کتابی شکل میں ترتیب دیا گیا۔

کتاب کی خصوصیات:

یہ تقریباً تمام مشہور شروحات بخاری کا جامع مگر مختصر نچوڑ ہے۔ عمدۃ القاری، فتح الباری، شرح
ابن بطلال، شرح الکرمانی، فیض الباری، لامع الدراری اور فضل الباری کا عام فہم خلاصہ ہے۔ اس
کی ترتیب میں خاص طور پر اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ تقریر کے الفاظ حضرت مفتی صاحب ہی

کے ہوں۔ ترجمہ الباب کی مفصل اور مدلل تشریح، ترجمہ الباب کا ماقبل اور مابعد سے ربط اور ترجمہ الباب اور احادیث الباب میں مناسبت و تطبیق کیلئے بہترین توجیہات، مشکل الفاظ کے معنی اور ان کی تشریح، باب بلا عنوان یا بسم اللہ اثناء احادیث وغیرہ پر تفسیری بخش کلام نے کتاب کو چار چاند لگائیے ہیں۔

اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں اول سے آخر تک رفیق محترم حضرت مولانا محمد عمران صاحب دہلوی نے جو کاوش کی ہے اس پر میں ان کا نہایت شکر گزار ہوں، انہوں نے اپنے قیمتی وقت میں سے اس کیلئے پورا وقت دیکر اس کا بالاستیعاب تنقیدی مطالعہ کیا اور تصحیح اغلاط کے علاوہ اردو کی نوک پلک سنوارنے میں بھی مدد دی۔ اللہ کریم ان کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔

آخر میں قارئین سے گزارش ہے کہ چونکہ یہ درسی تقریر ہے اور تقریر کو اگر تحریر کا جامہ پہنایا جائے تو زبان و قواعد کا لحاظ مشکل سے ملحوظ رکھا جاتا ہے لیکن ہم نے پوری کوشش کرتے ہوئے اسے تمام قواعد کا لحاظ رکھتے ہوئے سادہ اور عام فہم انداز میں ترتیب دیا ہے۔ ضخامت سے بچنے کیلئے حدیث کو پورا ذکر نہیں کیا گیا۔

بشری غلطیوں سے مبرا کوئی بھی نہیں، لہذا کسی بھی کمپوزنگ و حوالے کی غلطی کی نسبت مرتب کی طرف کی جائے نہ کہ صاحب تقریر کی طرف۔

تمام حاملین قرآن و سنت کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ حضرت مفتی صاحب کی صحت کے ساتھ درازی عمر کیلئے دعا فرمائیں اور مرتب و معاون اور ان کے والدین، اقارب و احباب کیلئے بھی خاص طور سے دعائے خیر فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس مجموعہ کو خاص اپنی رضامندی کا ذریعہ بنائے اور اسے شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

مقدمة العلم

ابتدائی ابحاث

عمومی نصاب:

(۱) تصحیح نیت:

نیت کے معنی قصد القلب یعنی ارادہ ہے اور تصحیح نیت یہ ہے کہ دل میں یہ ارادہ کرے کہ جو کچھ اس کتاب میں پڑھوں گا صرف اس لئے کہ اللہ پاک راضی ہوں اور اہل سنت کے تمام عقائد اور قرآن و سنت سے ثابت تمام احکام پر علم کروں گا۔

ابو عبد اللہ ربیع جو کہ حاکم کے نام سے مشہور ہیں ان کی کتاب معرفت علوم حدیث (جو کہ اصول حدیث کی ابتدائی کتابوں میں سے ہے) اس میں عبد الرحمن بن مہدی کا قول نقل کیا ہے کہ "اگر مجھے کسی کتاب کی تصنیف کا موقع ملا تو اپنی کتاب کی ابتداء بھی اس حدیث (انما الاعمال بالنیات) سے کروں گا اور کتاب کے ہر باب کی ابتداء بھی اسی سے کروں گا۔" اسکی وجہ یہ ہے کہ ہر مسلمان کی خواہش ہوتی ہے کہ جب آخرت میں پیشی ہو تو رب راضی ہو اور رضائے کا اظہار جنت اور مزید اظہار دیدار الہی سے ہے تو وہ حاصل ہو، اور مسلمان کی یہ خواہش موقوف ہے ایمان اور اعمال صالحہ پر اور ان دونوں کی صحت موقوف ہے نیت پر کیونکہ منافقین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر "انا معکم" کہتے تھے یعنی کلمہ پڑھتے اور اعمال میں بھی شریک ہوتے تھے لیکن اس کے باوجود امت کا اجماع ہے کہ ان کا ایمان معتبر نہیں اور اسی طرح ان کے اعمال بھی معتبر نہیں۔ کیونکہ اعمال بھی ایمان پر موقوف ہیں کیونکہ قرآن پاک میں فرمایا کہ "من عمل صالحا وھو مؤمن" تو عبد الرحمن نے فرمایا کہ میرے نزدیک دین کا معیار تصحیح نیت پر ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ، امام بخاری اور دیگر حضرات سے منقول ہے کہ انہوں نے ذخیرہ احادیث میں سے چند احادیث کا انتخاب کیا تو سب کے انتخاب میں یہ حدیث (انما الاعمال بالنیات) شامل تھی۔

تیسری بات یہ ہے کہ متقدمین کے زمانے میں (امام ذہبی نے اپنی مشہور کتاب "میزان الاعتدال" میں لکھا ہے کہ ۳۰۰ ہجری سے قبل متقدمین اور اس کے بعد متاخرین کا زمانہ ہے) دینی

علوم پر مناصب ملتے تھے لہذا بہت خطرہ تھا کہ لوگ ان علوم کو دنیوی مناصب کیلئے پڑھیں گے تو اس زمانہ میں صحیح نیت پر بہت زور دیا جاتا تھا تا کہ خود طالب علم اور امت کیلئے نافع ہو پھر یہ بات ۳۰۰ ہجری کے بعد سے ۷۰۰ ہجری تک کم ہو گئی، پھر ۱۱۰۰ تک اور کمزور ہو گئی۔ اب یہ ہے کہ اس زمانہ میں مناصب تو ملتے نہیں لہذا یہ خدشہ تو نہیں کہ کوئی وزارت کیلئے بخاری پڑھے گا لیکن اب پھر وفاق المدارس کی سند کو حکومت اور یونیورسٹی والوں نے تسلیم کیا ہے تو اس لئے اس سند کا ایک طرح سے معیار قائم ہو گیا ہے۔ اس لئے دوبارہ اس تلقین کی ضرورت پیش آئی کہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے پڑھو اللہ تعالیٰ تمہاری ضروریات خود پوری کریں گے، آگے اگر دنیا میں کچھ منصب ملے یا نہ ملے اس سے کوئی غرض نہ ہو۔

(۲) عمل صالح:

دوسری چیز یہ ہے کہ عمل درست کرے، عالم کے عمل کا درست ہونا کئی وجہ سے ضروری ہے۔ ایک اس وجہ سے کہ وہ مولوی ہے اور مولوی مسلمان ہی ہوتا ہے لہذا ایک مسلمان کی حیثیت سے عمل صالح ضروری ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث ہے اور انبیاء عمل کرتے تھے لہذا اس حیثیت سے بھی تقاضا ہے کہ نیک عمل کرے اور تیسرا یہ کہ عالم ایک اسوہ اور نمونہ ہوتا ہے جیسا کہ نبی ہوتا ہے اور اسی لئے وہ وارث بھی ہوتا ہے اور اگر وہ امت کیلئے اسوہ نہیں تو وراثت کا حق بھی نہیں رکھتا۔ چوتھا یہ کہ دنیا کو لحاظ سے بھی اگر دوسروں کو عمل کیلئے کہے گا اور خود عمل نہیں کرے گا تو لوگ طعنے دیں گے۔

امام احمد بن حنبل کے دور میں ایک بزرگ تھے اور وہ ان سے ملاقات کیلئے آتے تھے تو امام احمد کے درس میں شریک طلبہ سے کہتے تھے کہ ”یا اصحاب الحدیث ادوا زکوٰۃ عملکم“ اور علم کی زکوٰۃ یہ ہے کہ چالیس میں سے کم از کم ایک حدیث پر عمل کیا جائے۔ اسی طرح آپ پڑھیں گے کہ فلاں محدث کو اتنی اتنی لاکھ حدیثیں؛ دتھیں تو ایک محدث سے کسی نے پوچھا کہ اتنی حدیثیں کس طرح یاد کیں؟ فرمایا کہ اگر ہم عمل کی کوئی حدیث پڑھ لیتے تو اس پر عمل بھی کرتے لہذا وہ خود دماغ میں محفوظ ہو جاتی اور یاد کرنے میں دماغ پر زور ڈالنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

کچھ علم حدیث کے متعلق:

حدیث لغت میں بات کو کہتے ہیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے فتح الملہم میں فرمایا کہ ”نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے اقوال اور کلام کو حدیث کہنے کا سلسلہ قرآن پاک کی اس آیت سے ماخوذ ہے
(واما بنعمة ربك فحدث)

موضوع علم حدیث:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ نبی اور رسول ہونے کی حیثیت سے کیونکہ انسان
من حیث الانسان علم طب کا موضوع ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عربی یا قریشی ہونے
کے اعتبار سے علم الانساب کا موضوع ہے علم الحدیث کا نہیں۔

علوم کی دو قسمیں ہیں:

(۱) علوم عالیہ جو کہ خود اپنی ذات کے اعتبار سے مطلوب و مقصود ہوں۔

(۲) علوم آلیہ جو کہ دوسرے علوم کیلئے بطور آلہ کے استعمال ہوتے ہیں۔ جیسا کہ علم الصرف
اور علم النحو وغیرہ ہیں، پس جتنے بھی علوم آلیہ ہیں ان سب کی غرض و غایت تو الگ ہوتی ہے لیکن کتنے
بھی علوم عالیہ ہیں ان سب کی غرض و غایت ایک ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا فہم حاصل ہوتا کہ خود
بھی عمل کر سکیں اور دوسروں کو بھی بتائیں اور اللہ کی رضا حاصل ہو۔ تو اس کیلئے عام طور پر یہ الفاظ
کہے جاتے ہیں: الفوز بعادة الدارين۔

تدوین علم الحدیث:

یہ بات سمجھ لیں کہ ہر علم ابتداء میں اس طرح تدوین نہیں ہوا تھا جس طرح کہ آج ہے، پس علم
الحدیث بھی ابتدائی حالات اور ابتدائی دور میں اس شکل و صورت میں نہیں تھا۔

علم حدیث کی تدوین کب ہوئی؟

اگر تدوین سے مراد کتابت لیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
زمانہ میں احادیث لکھنے کی ابتداء ہو گئی تھی جیسا کہ خطبہ حجۃ الوداع کے بعد ایک صحابی نے
درخواست کی کہ یہ میرے لئے لکھوادیتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اكتبوا لابی
شاہ"

اور جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ مجھ سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی احادیث کسی کے پاس نہیں سوائے عبد اللہ بن عمرو بن العاص کے کیونکہ فأنه يكتب ولا اكتب۔
اسی طرح یہ واقعہ بھی مشہور ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات

میں سب کچھ لکھ لیتے تھے تو بعض قریشیوں نے کہا کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات لکھ لیتے ہو حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی غصہ میں بھی ہوتے ہیں۔ یہ بات انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”تم سب کچھ لکھا کرو، کیونکہ اس زبان پر حق کے سوا کچھ جاری نہیں ہوتا۔“

پہلا دور:

اگر تدوین سے مراد یہ مدون صورت ہے جو کہ ہمارے سامنے ہے تو جیسا کہ کل عرض کیا تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے گورنروں کو خطوط لکھے تھے کہ ”انظر واما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتوبہ“ اور مدینہ کے گورنر عبداللہ بن حزم کو خصوصی تاکید کی تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث ان کے دو شاگردوں قاسم بن محمد اور عمرہ بنت عبدالرحمن سے لکھو اور جمع کرو۔ تو یہ تدوین حدیث کا پہلا دور تھا اور اس میں صورت مسانید کی تھی کہ ایک ایک صحابی کی مرویات الگ الگ کر کے لکھی گئیں۔

دوسرا دور:

پھر امام مالک اور ان کے ہم عصروں نے احادیث کو فقہی ترتیب کے اعتبار سے جمع کیا لیکن اس میں صحت کا وہ معیار نہیں رکھا گیا جو کہ بعد میں بخاری وغیرہ میں رکھا گیا، اسی طرح امام ابوحنیفہ کی کتاب الآثار جو کہ امام ابو یوسف اور امام محمد دونوں نے نقل کی ہے جو کبھی ان کی جانب منسوب ہوتی ہے اور کبھی امام ابوحنیفہ کی جانب، اس کی ترتیب امام ابوحنیفہ نے خود رکھی تھی۔ اس کے بعد امام ابوحنیفہ کی ایک کتاب مستند بھی ہے جس کے تقریباً ۱۷ نسخے ہیں کیونکہ مختلف اشخاص نے اس کو نقل کیا ہے لیکن اس کو خود امام ابوحنیفہ نے ترتیب نہیں دیا تھا بلکہ ان کے شاگردوں نے ترتیب دیا۔ اسی طرح عبداللہ بن مبارک اور کعب کی بھی مستند تھیں۔

تیسرا دور:

یہ امام احمد، عبدالرزاق اور ابو بکر بن ابی شیبہ کا دور ہے ان کی کتابیں اسی دور میں لکھی گئیں۔

چوتھا دور:

یہ دور امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کے شاگردوں اور امام بخاری و مسلم وغیرہ کا ہے اس دور میں محدثین نے تین کام کئے:

- (۱) صحیح اور غیر صحیح کا امتیاز برقرار رکھا اور صرف صحیح حدیث کے لکھنے کا اہتمام کیا۔
- (۲) اپنی کتابوں میں ترتیب قائم کی جس طرح پہلے ہوتی تھی کہ کتاب الایمان پھر کتاب العلم وغیرہ کی ترتیب سے ساری احادیث جمع کیں۔
- (۳) اہتمام کیا کہ ایسی ترتیب قائم ہو کہ ائمہ مجتہدین کے طریق اجتہاد کو واضح کیا جائے اور ان کے متدلات کی صحت و ضعف کی طرف بھی اشارہ کیا جائے۔
- یہ گویا آخری دور تھا اور اس کے بعد جو مصنفین نے کتابیں لکھیں ہیں وہ الگ سے نہیں بلکہ انہی کتابوں کو بنیاد بنا کر لکھی ہیں، کسی نے الگ سند کے ساتھ ان احادیث کو جمع کیا کسی نے ان کی شرائط پر احادیث جمع کیں۔ تاہم اسماء الرجال کے فن میں اس کے بعد کافی اہم تصنیفات سامنے آئیں امام حجاج مزنی کی کتاب ”تہذیب الکمال“ امام ذہبی نے میزان الاعتدال، سیر اعلام النبلاء اور حافظ ابن حجر کی تصنیفات اس فن میں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ لیکن یہ علم اسماء الرجال بھی حدیث کی اوپر مذکورہ کتابوں کے گرد گھومتا ہے۔

مقدمة الكتاب

امام بخاری رحمہ اللہ کے حالات

نام و نسب:

آپ کا نام محمد، والد کا نام اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ۔ ان میں سے صرف مغیرہ مسلمان ہوئے، انہوں نے بخارا کے گورنر یمان ہعظی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ اسی بناء پر امام بخاریؒ کی نسبت بعض دفعہ ہعظی لگائی جاتی ہے۔ بعض عربی قبیلہ تھا مغیرہ کا خاندان کیونکہ مجوسی تھا اور وہ یمان کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے اس لئے یہ نسبت ولاء اسلام کی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے امام بخاریؒ کے آباء و اجداد کے بارے میں لکھا ہے کہ مغیرہ کا کتابوں میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا جس سے یہ پتہ چلے کہ وہ عالم تھے یا نہیں اسی طرح ابراہیم کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے۔ البتہ امام بخاریؒ کے والد اسماعیل کا تذکرہ ملتا ہے کہ انہوں نے علم حدیث حاصل کیا تھا اور خود امام بخاریؒ اپنے والد کے اقوال اور روایات ذکر کرتے ہیں (مثلاً میرے والد نے حماد کو دیکھا کہ انہوں نے عبد اللہ بن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا) انہوں نے وکیع بن الجراح، عبد اللہ بن مبارک حماد بن زید سے حدیثیں سنی اور لکھی تھیں۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اسماعیل طبقہ رابعہ کے راوی ہیں۔

تاریخ ولادت اور دیگر حالات:

سن ۱۹۳ ہجری، ۱۳ شوال بعد نماز جمعہ آپ کی ولادت ہوئی۔

لامع الدراری میں آپ کے متعلق دو قول منقول ہیں:

(۱) ولادت کے وقت ان کی آنکھیں صحیح تھیں۔

(۲) آپ پیدائشی نابینا تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا نے اسی قول کو صحیح قرار دیا

ہے۔

والد کا انتقال آپ کے بچپن میں ہو گیا تھا آپ کی پرورش والدہ نے کی، جو آپ کیلئے دعائیں کرتی تھیں کہ نابینا اور یتیم تھے۔ ایک رات ان کی والدہ نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور خواب میں بشارت دی کہ ان کی آنکھیں ٹھیک ہو جائیں گی، بعد جب دیکھا تو ان کی آنکھیں واقعی

ٹھیک ہو چکی تھیں۔ یہ زمانہ علم حدیث کی شہرت کا زمانہ تھا اور اس کا بہت چرچا تھا لہذا امام بخاریؒ نے بچپن سے ہی اپنے علاقے بخارا میں مشائخ سے حدیثیں سننا شروع کر دیں۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ سن ۲۰۵ ہجری میں آپ نے سب سے پہلے درس حدیث کا سماع کیا۔ آپ نے سب سے پہلے اپنے علاقے کے محدثین کے درس میں بیٹھنا شروع کیا جس کے بعد سے آپ کے حافظے کا چرچا ہر طرف ہونے لگا، خود کہتے ہیں کہ مجھے بچپن میں ستر ہزار حدیثیں حفظ تھیں۔ اس کے بعد آپ نے اپنی والدہ اور بھائی کے ساتھ حج کا سفر کیا اور تقریباً دو سال مکہ اور دو سال مدینہ میں قیام کیا۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ وہاں چاند کی روشنی میں میں نے دو کتابیں لکھیں۔ ایک تو قضایا الصحابة والتابعین اور دوسری تاریخ الکبیر ہے۔ پھر وہاں سے واپس ہوئے اور اسفار کا سلسلہ شروع کیا اور مختلف شہروں کے محدثین کے پاس حدیث سننے گئے، آپ خود فرماتے ہیں کہ میں نے کوفہ اور بغداد کے اتنے سفر کئے کہ مجھے خود بھی یاد نہیں ہے۔

بغداد کے سفر اس لئے کئے کہ یہ علماء کبار کا مرکز تھا۔ اس کے علاوہ حجاز اور جزیرہ وغیرہ کے

بھی اسفار کئے

کتاب لکھنے کا سبب:

آپ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے استاد اسحاق بن راہویہؒ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ انہوں نے کہا کہ کاش تم صرف صحیح احادیث جمع کر لیتے تو قلع فی قلبی یعنی میرا ارادہ ہو گیا۔

تصنیف کی ابتداء:

کتاب کی ابتداء تاریخ پر غور کرنے سے ۲۱۶ ہجری میں بنتی ہے کیونکہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ کتاب لکھنے کے بعد یحییٰ بن معین بعلی بن المدینیؒ اور امام احمدؒ کی خدمت میں پیش کی۔ تو انہوں نے بڑی پسند کی۔ یحییٰ بن معینؒ کا انتقال سن ۲۳۳ ہجری علی من مدینیؒ کا انتقال ۲۳۳ ہجری اور امام احمدؒ کا انتقال ۲۴۱ ہجری میں ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۳۰ ہجری تک کتاب مکمل ہو گئی تھی دوسری بات فرماتے ہیں کہ مجھے یہ کتاب لکھنے میں ۱۶ یا ۱۷ سال صرف ہوئے اس حساب سے تصنیف کی ابتداء ۲۱۶ ہجری بنتی ہے۔

تصنیف کی دوسری وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی میں نے دیکھا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پٹکھا جھل رہا ہوں اور

آپ سے کھیاں ہٹا رہاں۔ میں نے معبرین سے اس کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا کہ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے کذب کو دفع کرو گے۔ اس کے بعد میرا ارادہ پختہ ہو گیا۔
مقام تصنیف:

امام بخاری کا قول ہے کہ میں نے یہ کتاب مسجد حرام میں لکھنا شروع کی اور بعض روایات میں کوفہ و بخارا کا بھی ذکر ہے۔ محدثین نے اس کی تطبیق یوں کی ہے کہ ابتداء تو مسجد حرام میں کی اور کچھ کام مسجد نبوی میں بھی کیا اور باقی کام اسفار میں کبھی بغداد میں کبھی کوفہ میں۔
لکھنے میں اہتمام:

فرماتے ہیں کہ جب بھی کوئی حدیث نقل کرتا تو دو رکعت نفل پڑھتا، استخارہ کرتا اور جب اطمینان ہو جاتا تو اس کو کتاب میں ذکر کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ اصول حدیث کے قواعد کے اعتبار سے جب کوئی حدیث صحیح ہوتی تو اس کو لکھنے سے پہلے نفل پڑھتا، یہ نہیں کہ صحیح و ضعیف کی پہچان کیلئے نوافل پڑھے جائیں۔
عند اللہ مقبولیت:

ایک محدث فرماتے ہیں کہ میں امام شافعی کی کتاب الام اور کتاب الرسائل کا درس دیا کرتا تھا، ایک مرتبہ خواب میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی آپ صلی اللہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم کب تک شافعی کی کتاب کا درس دیتے رہو گے؟ اور میری کتاب کا درس نہیں دیتے، میرے پوچھنے پر آپ صلی اللہ وسلم نے فرمایا کہ میری کتاب بخاری ہے۔
عند اللہ اور عند الناس یہ کتاب اتنی مقبول ہے کہ اس کی صحت پر اجماع ہے۔

کتاب کا مکمل نام

الجامع الصحيح المسند من احادیث رسول الله صلى الله وسلم

وستة و ایامہ

اس کتاب کے مسند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں تمام احادیث مرفوع ہیں، مسند کا اصلاحی معنی مواد نہیں ہے۔
احادیث کی تعداد:

امام ابن صلاحؒ فرماتے ہیں کہ غیر مکرر احادیث اس میں چار ہزار ہیں جبکہ مکررات کے ساتھ مجموعی تعداد ۷۲۷۵ (سات ہزار دو سو پچھتر) ہے حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک غیر مکرر تین ہزار کے قریب ہیں لیکن ابن صلاحؒ کا قول اصح ہے۔
بخاری کی مشہور ترین شروحات:
(۱) فتح الباری:

یہ حافظ الدین امام ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۸۵۲ھ کی شہرہ آفاق تصنیف ہے۔ اس شرح کی ابتداء ۸۱۷ھ میں ہوئی اور اختتام شروع رجب ۸۴۲ھ میں ہوا، کل ۲۵ سال میں یہ مکمل ہوئی۔ یہ شرح جب مکمل ہو گئی تو حافظؒ نے ۲ شعبان ۸۴۲ھ بروز اتوار ایک زبردست دعوت کی جس میں تقریباً تمام بڑے لوگ شریک ہوئی اس دعوت پر پانچ سو دینار صرف ہوئے اس شرح کو اطراف کے بادشاہوں نے لکھوایا اور تین سو دینار میں فروخت ہوئی اور اطراف عالم میں مشہور ہوئی۔
(۲) عمدۃ القاری:

یہ علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۸۵۵ھ کی انتہائی مشہور و معروف تصنیف ہے۔ علامہ عینیؒ کی ولادت ”عین تاب“ میں جو حلب کے قریب تین منزل کے فاصلے پر ہے ۷۱۷ رمضان ۷۶۲ھ کو ہوئی۔ یہ حافظؒ ابن حجر سے گیارہ سال بڑے تھے اور انتقال بھی ان کے تین سال بعد ہوا۔ یہ شرح ۸۷۴ھ میں مکمل ہوئی۔
علماء کا قول ہے ابن جرؒ نے فتح الباری لکھ کر اس کی شرح کا حق ادا کر دیا ہے۔ لیکن اس میں بھی ترجمۃ الباب پر کوئی کلاب نہیں کیا گیا ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ صرف فتح الباری سے صحیح بخاری کا حق ادا نہیں ہوتا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ فتح الباری اور عمدۃ القاری دونوں نے مل کر حق ادا کیا ہے۔

(۳) ارشاد الساری:

یہ شیخ شہاب الدین احمد بن محمد الخطیب القسطلانی المصری اشاعی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۹۲۳ھ کی تصنیف لطیف ہے۔ یہ شرح گویا فتح الباری اور عمدۃ القاری کا خلاصہ ہے۔ اس کو شرح قسطلانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کی تالیف ۷۱۶ھ میں مکمل ہوئی۔

(۴) اللکوکب الدراری:

یہ علامہ شمس الدین محمد بن یوسف الکرمانی البغدادی الشافعی المتوفی ۷۸۶ھ کی تصنیف لطیف ہے۔ ان کے علاوہ دیگر شروح یہ ہیں:

(۵) شرح الامام النووی الشافعی المتوفی ۶۷۶ھ

(۶) اعلام السنن للامام ابی سلیمان احمد بن محمد بن ابراہیم الخطابی البستی المتوفی ۳۰۸ھ

(۷) شرح الداؤدی لابن جعفر احمد بن سعید المتوفی ۳۰۲ھ

(۸) شرح ابن بطل اللامام ابن بطل المغربی المالکی المتوفی ۴۴۳ھ

(۹) شرح ابن التین، یہ ابن التین السفاقی کی شرح ہے حافظ نے بہت سی باتیں ان سے

بھی نقل کی ہیں نویں صدی سے پہلے گزرے ہیں۔

(۱۰) شرح الزرکشی المسمی بہ التتبع، یہ امام محمد بن بہادر بن عبداللہ بدرالدین زرکشی المتوفی

۷۹۳ھ کی تصنیف ہے۔

امام بخاریؒ کا مسلک:

(۱) نواب صدیق حسن خان صاحب نے اپنی کتاب ابجد العلوم میں امام بخاریؒ کو شافعی

المسلک لکھا ہے۔ ابن حجر بھی کہتے ہیں کہ اکثر اختلافی مسائل میں انہوں نے امام شافعیؒ کی تقلید کی

ہے۔

(۲) حافظ ابن القیم کی کتاب اعلام الموقعین میں ہے کہ امام بخاریؒ حنبلی تھے اور بعض لوگ

کہتے ہیں کہ یہ حمیدی کے شاگرد تھے اور وہ شافعی تھے لہذا یہ بھی شافعی ہونگے۔

(۳) لیکن صحیح بات وہ ہے جو علامہ جزائری کی کتاب توجیہ النظر میں ہے کہ امام بخاریؒ مجتہد

تھے اور ان کا اجتہاد جس امام کے موافق ہو جاتا اس کی موافقت کر لیتے۔ لہذا اگر کتاب پر گہری نظر

ڈالی جائے تو پتہ چلے گا کہ امام بخاریؒ نے بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کی تائید کی

ہے۔

صحیح بخاری کی خصوصیات:

(۱) سب سے بڑا امتیاز اس کا یہ ہے کہ اس کی احادیث کی صحت پر امت کا اجماع ہے لہذا یہ

بات مشہور ہے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری ہے۔

(۲) دوسرا امتیاز اس کے تراجم ہیں کہ بعض تراجم کی مراد اب تک متعین نہیں ہو سکی ہے۔
 (۳) تیسری خصوصیت یہ ہے کہ جب ترجمہ الباب قائم کرتے ہیں تو عموماً قرآن کریم کی آیت یا حدیث سے کرتے ہیں۔ اپنے الفاظ عام طور پر نہیں لاتے۔
 (۴) چوتھا امتیاز یہ ہے کہ اگر آیت کو ذکر کرتے ہیں تو اس کے مشکل الفاظ کی وضاحت بھی کر دیتے ہیں۔

(۵) یہ ہے کہ اس جیسے الفاظ اگر قرآن پاک میں کہیں اور بھی آئے ہوں تو ان کی طرف بھی اشارہ کر دیتے ہیں۔

(۶) یہ ہے کہ جس مسئلہ کا باب لاتے ہیں اس کی تاریخ بھی بیان کر دیتے ہیں مثلاً نماز کب فرض ہوئی، اسی طرح روزہ وغیرہ
 (۷) یہ ہے کہ تعلق میں اگر صحیح حدیث لاتے ہیں تو قال کہتے ہیں اور اگر ضعیف حدیث ہوتی ہے تو صیغہ ترمیض لاتے ہیں۔

(۸) یہ ہے کہ اکثر وہ تعلیقات لاتے ہیں کہ جن کو دوسرے مقام پر موصولاً ذکر کرتے ہیں۔
 (۹) نویں خصوصیت یہ ہے کہ قال بعض الناس کہہ کر امام ابو حنیفہ اور بعض جگہ امام شافعی کا رد کیا ہے۔

(۱۰) دسویں خصوصیت یہ ہے کہ ابتداء بھی وحی کی بحث سے کی ہے اور انتہاء میں بھی وحی کی بحث لائے ہیں۔

رحلت و وفات:

سمرقند کے قریب ایک علاقہ خرننگ ہے۔ امام بخاریؒ نے عید الفطر سے ایک دن پہلے وہاں جانے کا ارادہ فرمایا لیکن راستے میں ہی پیام اجل آ گیا اور عین عید کی رات علم حدیث کا یہ ماہتاب ۶۲ سال اس جہاں سے رخصت ہوا۔ سن وفات ۲۵۶ ہجری ہے۔ آپ کی تدفین بھی خرننگ میں ہی ہوئی۔

کچھ سند سے متعلق:

سند کی تعریف:

حافظ ابن حجرؒ نے نخبۃ الفکر میں سند کی تعریف اس طرح کی ہے۔ ”السند هو طریق الہتدٰی“

یعنی سند وہ سلسلہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل یا تقریر تک پہنچائے۔
مرحلہ سند:

ہم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک سند کے تین مرحلے ہیں:

(۱) ہم سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ تک

(۲) حضرت شاہ صاحبؒ سے مصنفین تک

(۳) ان مصنفین سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک

استاذ محترم حضرت مفتی صاحب کی سند:

(۱) مفتی نظام الدین شاگرد حضرت مولانا سلیم اللہ خان شاگرد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد المدنی شاگرد شیخ البند حضرت مولانا محمود احسن صاحبؒ شاگرد مولانا قاسم نانوتوی صاحبؒ شاگرد حضرت شاہ اسحاق صاحبؒ اجازت حضرت شاہ عبدالعزیز سے اور انہیں اجازت تھی والد محترم حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے۔

(۲) مفتی نظام الدین: اجازت وقرأت عبد الواحد صاحب بہاری شاگرد حضرت مولانا یاسین صاحب بریلوی اجازت از حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی اجازت از حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ از حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ

(۳) اجازت از قاری طیب صاحبؒ اجازت از محدث ائمہ اللہ اجازت از شاہ عبد الغنی اجازت از شاہ عبدالعزیز صاحبؒ از حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ

(۴) اجازت از قاری طیب صاحبؒ اجازت از علامہ انور شاہ کشمیری صاحبؒ اجازت از بن علامہ سید محمود آلوسی از علامہ آلوسی صاحب روح المعانی

(۵) اجازت از شیخ عبدالفتاح اجازت از علامہ زاہد الکوثری

نوٹ: حضرت شاہ صاحبؒ سے لیکر امام بخاریؒ تک کی سند کتاب "الیا نفع الجنی فی اسانید شیخ

عبد الغنی" میں مذکور ہے۔

باب کیف کان بدء الوحي

السی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقول اللہ عزوجل انا اوحینا الیک
 کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعده (النساء ۱۶۳)

حدثنا الحمید بن سمعت عمر بن الخطاب علی المنبر یقول
 سمعت رسول اللہ علیہ وسلم یقول انما الأعمال بالنیات الحدیث۔

امام بخاری کے طریقہ افتتاح پر کلام:
 اشکال نمبر ۱:

امام بخاری نے خطبہ، حمد اور درود ترک کر کے علماء کی مخالفت کی ہے۔
 اشکال نمبر ۲:

حدیث ابی ہریرہ "کل امر ذی بال لم یبدأ بالحمد فهو أقطع وأبتر ممحوق
 من کل برکة" کی مخالفت کی ہے۔
 جواب عن الاول:

متقدمین کا طریقہ تصنیف یہی تھا کہ صرف تسمیہ سے کتاب شروع کرتے تھے خطبہ،
 حمد وغیرہ نہیں لاتے تھے۔ جیسے کتاب الآثار، مؤطا امام مالک، مسند احمد بن حنبل وغیرہ
 جواب عن الثانی:

اس کے کئی جواب ہیں:
 جواب نمبر ۱:

اس روایت کے متعلق محدثین سے منقول ہے کہ یہ حدیث سند صحیح کے ساتھ نبی اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں لہذا اس کی مخالفت سے فرق نہیں پڑتا۔ لیکن محدثین کے
 یہاں یہ جواب مسلم نہیں کیونکہ یہ حدیث مفہوم کے اعتبار سے ثابت ہے۔ عبد القادر راہویہ
 نے اپنی کتاب اربعین، ابن حبان اور ابن خزیمہ نے اپنی کتب میں اس کو نقل کیا ہے اور اس کی
 سند میں قرہ بن عبد الرحمن متکلم فیہ راوی ہے لیکن پاؤں جو اس کے اس کے متابع بھی موجود ہے
 جو سعید بن عبد العزیز ہے اور وہ اس کو مرسل نقل کرتے ہیں لہذا اس حدیث کو بالکل ساقط

الاعتبار نہیں کہہ سکتے۔ حافظ ابن حجر تاج الدین سبکی اور امام نووی نے اس حدیث پر مفصل کلام کر کے اس کو صحیح ثابت کیا ہے اور کم از کم درجہ حسن تک پہنچایا ہے اور اصول حدیث کے اعتبار سے بھی یہ حدیث درجہ صحت تک پہنچتی ہے کیونکہ صحیح کے مختلف درجات ہیں کما قال العلامة الکشمیریؒ

(۱) اس حدیث کی سند متصل ہو، راوی ثقہ وضبط ہو اور روایت شاذ، منکر، یا معطل نہ ہو۔ (۲) محدثین نے اس کو صحیح قرار دیا ہو۔ (۳) کسی ایسی کتاب میں وہ حدیث موجود ہو جس میں صرف صحیح حدیث جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہو۔ (۴) راوی پر کوئی شدید کلام نہ کیا گیا ہو۔

اس تفصیل کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ حدیث وجہ ثانی اور ثالث کی بناء پر صحیح ہے لہذا کوئی اور تاویل کرنی پڑے گی۔

جواب نمبر ۲: دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں حمد لکھنے کا ذکر نہیں ہے صرف ابتداء بالحمد کا ذکر ہے اور امام بخاریؒ نے یقیناً اہتمام کیا ہو گا ورنہ دو رکعت نفل نہ پڑھتے جس میں حمد، درود سب شامل ہیں۔

جواب نمبر ۳: اسلاف کی متابعت کیلئے یہ طریقہ اختیار کیا مثلاً امام مالکؒ وغیرہ

جواب نمبر ۴: قرآن پاک کی ابتداء وحی کی اتباع کی۔

جواب نمبر ۵: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط کی اتباع کی ہے۔

جواب نمبر ۶: حمد صلوة کا حکم خطب کیلئے ہے کتب کیلئے نہیں

جواب نمبر ۷: حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ خواب میں مدینہ کی حاضری ہوئی تو بخاری پڑھانے کا حکم ہوا میں نے عذر کیا کہ میرے پاس مراجعت کیلئے کتب نہیں ہیں تو امام بخاری قریب بیٹھے فرمانے لگے کہ تم پڑھو میں تمہارے ساتھ ہوں تمہاری مدد کرتا رہوں گا۔ میں نے شروع میں خطبہ نہ ہونے کے متعلق جو توجیہات ہم ذکر کرتے ہیں شروع کیں تو امام بخاریؒ نے فرمایا کہ دراصل بات یہ تھی کہ میں نے مسلسل کتاب تو لکھی نہیں بلکہ الگ الگ اجزاء لکھتے رہا لہذا حمد وغیرہ کو یکجا کرتے وقت لکھنے کا ارادہ تھا لیکن یکجا کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ لیکن یہ جواب مسلم نہیں کیونکہ بیان ہو چکا ہے کہ بخاری

شریف ۲۳۳ھ میں مکمل ہوئی تھی اور اسی طرح نوے ہزار آدمیوں نے امام بخاری سے بخاری شریف پڑھی ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بخاری شریف کو یکجا جمع نہ کیا گیا ہو اور ویسے بھی خواب حجت نہیں ہے۔

بحث ابتداء بالوحی کی وجہ:

دیگر ائمہ کے خلاف امام بخاری نے کتاب کی ابتداء وحی کی اباحت سے کی ہے جبکہ امام مسلم نے سند کی بحث سے ابتداء کی ہے، امام ابو داؤد نے طہارت سے ابتداء کی ہے کیونکہ ابو داؤد شریف فقہی ترتیب پر مرتب ہے اور نماز دین کا ستون ہے اور نماز بغیر طہارت کے متصور نہیں ہے۔ ابن ماجہ نے علم سے ابتداء کی ہے کیونکہ احکام کا مدار علم پر ہے۔ امام بخاری نے وحی سے ابتداء کی ہے کیونکہ ثبوت احکام کیلئے بنیاد کتاب اللہ، سنت، اجماع اور قیاس ہے۔ وہ قیاس جس کا استناد نص کی طرف ہو اور نص میں اس کی نظیر بھی ہوتا کہ اس نظیر کے ذریعہ علت نکالی جاسکے اور اجماع بھی وہی معتبر ہے جس کا استناد کتاب اللہ و سنت کی طرف ہو۔ تو اصل بنیاد کتاب اللہ و سنت ہے اور ان کا تعلق وحی سے ہے چاہے جلی ہو یا خفی۔ اور دوسری وجہ بعض حضرات نے ذکر کی ہے کہ مخلوق کا تعلق خالق کے ساتھ وحی پر بناء ہے کیونکہ وحی کے ذریعہ ہی ذات الہی، صفات اور احکام کا علم ہوتا ہے۔

ترجمہ الباب کا مقصد:

ترجمہ الباب کو اگر ظاہر پر محمول کیا جائے تو مقصد کہ وحی کے ابتدائی حالات کا بیان کرنا ہے۔ اب اشکال ہوگا کہ باب میں صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہی ترجمہ الباب سے مناسبت رکھتی ہے۔ (باقی احادیث کا بظاہر ترجمہ الباب سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا) اس بارے میں محدثین کے متعدد اقوال ہیں:

قول نمبر ۱:

علامہ بدر الدین عینی اور حافظ ابن حجر کا قول ہے کہ امام بخاری کا طریقہ ہے کہ وہ کیف کان سے ابواب باندھتے ہیں جیسے کیف بدء الحیض، کیف بدء الاذان اور اس سے مقصد صرف ابتدائی کیفیت بیان کرنا نہیں ہوتی بلکہ تمام متعلقات کا بیان کرنا مقصود ہوتا ہے

اس بناء پر تمام احادیث کی مناسبت ظاہر ہے۔

قول نمبر ۲:

علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ بدء کی اضافت وحی کی طرف بیانیہ ہے اور مطلب یہ ہے

”کیف کان بدء امر الدین و امر النبوة الذی هو الوحی“

قول نمبر ۳:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ مقصد یہ کہ وحی متلو اور غیر متلو کی ابتداء کیسے ہوئی؟ کہاں سے ہوئی اور ہمارے پاس کیسے پہنچی۔ تو ثابت ہے کہ وحی ہمارے پاس اساتذہ کے واسطے سے پہنچی اور ان کو ان کے اساتذہ سے اس طرح سلسلہ در سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پہنچی اور آپ کو من جانب اللہ القاء فی القلب، من وراء الحجاب یا بارسال الملک پہنچی تو مبدء الوحی، ابتداء الوحی اور کیفیۃ الوحی سب معلوم ہو گئے اس صورت میں تمام احادیث ترجمۃ الباب سے مناسبت رکھتی ہیں۔

قول نمبر ۴:

حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب میں بدء، کیف اور وحی کے الفاظ ہیں۔ تو کیف سے کیفیت زمانی اور مکانی عام مراد لیں گے اور موحیٰ الیہ و مبعوث الیہم کی کیفیت کو بھی شامل کر لیں گے اور بدء کو بھی عام لیا جائے تو مندرجہ بالا چار صورتوں کو بھی شامل ہو جائے گا اور وحی سے بھی وحی متلو، غیر متلو، تلقی القلب، بارسال الملک اور من وراء الحجاب سب مراد لیں اس صورت میں تمام احادیث کی مناسبت واضح ہوگی۔

قول نمبر ۵:

حضرت شیخ کا قول ثانی: اس باب میں عظمت وحی کا بیان ہے کہ وحی من جانب اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ بھی عظیم ہیں، لانے والا فرشتہ بھی عظیم، نبی بھی عظیم، قرآن بھی عظیم اور امت محمدیہ بھی عظیم ہے۔

قول نمبر ۶:

علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا

اور زمانہ فترت تقریباً چھ سو سال پر محیط رہا تو اس باب کا مقصد ہے کہ دوبارہ وحی کیسے شروع ہوئی تو ثابت ہے کہ آپ کو نبوت عطاء کی گئی اور سلسلہ وحی شروع ہوا تو وحی کی ابتداء بھی معلوم ہوئی اس لحاظ سے مناسبت احادیث ظاہر ہے۔

شاہ صاحبؒ کے قول کی تائید ابن حجرؒ اور علامہ سیوطیؒ کے قول سے بھی ہوتی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ بدء کا استعمال دو طرح سے ہوا ہے (۱) بدء (۲) بدو بضم الباء والبدال و تشدید الواو معتل بمعنی ظہور۔ اس دوسرے معنی کے اعتبار سے مذکورہ قول کی تائید ہوتی ہے۔

قول نمبر ۷:

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ کافی جستجو کے بعد معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ نے ۳۰ مقامات پر لفظ کیف سے باب باندھا ہے ۲۰ جگہ جلد اول میں اور ۱۰ جگہ جلد ثانی میں۔ تو غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ جہاں کہیں کسی قسم کا اختلاف ہو تو امام بخاریؒ باب کو کیف سے مصدر کرتے ہیں مثلاً باب الاذان اور باب الحیض میں اختلاف روایات کو ظاہر کرنے کیلئے کیف سے باب باندھا ہے اس مقام پر بھی احادیث وحی میں اختلاف ہے اور اقسام وحی میں بھی اختلاف ہے بعض علماء کے یہاں سات اقسام ہیں اور بعض کے یہاں چار ہیں۔

قول نمبر ۸:

بعض علماء فرماتے ہیں کہ بدء کے لفظ میں تاویل کریں گے اس طور پر کہ بدء کے لفظ سے اول لمحہ مراد نہیں ہے بلکہ اس میں امتداد مراد ہے اور امتداد میں شروع سے لیکر آخر تک تمام وقت اس میں شامل ہوتا ہے۔

قول نمبر ۹:

دیگر بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر تاویل نہ کریں بلکہ ظاہر پر محمول کریں تو بھی اشکال نہیں ہے کیونکہ باب کی ہر ہر حدیث سے ترجمہ الباب کا ثبوت ضروری نہیں ہے بلکہ کسی ایک حدیث سے ثابت ہونا کافی ہے اور یہاں حضرت عائشہؓ کی حدیث سے ترجمہ الباب

ثابت ہے لہذا کوئی اشکال نہیں ہے۔

باب کیف النسخ ترکیبی حیثیت:

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کا قول ہے کہ اس عبارت کو تین طرح سے پڑھا جاسکتا

ہے۔

(۱) باب تنوین کے ساتھ بغیر اضافت۔ (۲) باب مرفوع اضافت کے ساتھ مابعد کو

مضاف ہے۔ (۳) ساکن پڑھا جائے اور مابعد مستقل کلام ہو۔

اشکال:

کیف استفہامیہ تو صدارت کلام کا تقاضا کرتا ہے جبکہ یہاں کیف درمیان کلام میں

ہے۔

جواب:

(۱) بعض نسخوں میں باب کا لفظ منقول نہیں ہے جیسے کہ ابو ذر اور اصیلی کی روایت

میں ایسا ہی ہے۔

(۲) جن نسخوں میں موجود ہے تو جواب یہ ہے کہ کیف علی الاطلاق صدارت کا تقاضا

نہیں کرتا بلکہ کلام مدخول علیہا کی صدارت چاہتا ہے اور یہاں کیف اپنے جملہ مدخول علیہا

کے صدر میں واقع ہے۔

بدء کا استعمال:

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس کا استعمال دو طرح سے ہوا ہے (۱) بدء بالہمزہ

باب فتح سے بمعنی ابتداء کرنا (۲) بُدُو بَاء اور دال کے ضم کے ساتھ اور واو کے ساتھ بمعنی

ظاہر ہونا۔

وحی کی لغوی تعریف: یہ لفظ لغت میں کئی معنی میں مستعمل ہے:

(۱) الاعلام فی الخفاء (۲) الاشارة السريعة (۳) حافظ و عامہ۔ عینی نے امام

جوہری کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ وحی کا اطلاق کتاب (۴) رسالت اور (۵) الہام پر بھی

ہوتا ہے

وحی کی اصطلاحی تعریف:

اصطلاح شریعت میں وحی کہتے ہیں کلام اللہ المنزل علی رسول من الرسل اور نبی من الأنبياء۔ اس معنی کے لحاظ سے اس کلام پر بھی وحی کا اطلاق ہوتا ہے جو فرشتے کے واسطے سے نازل ہوا ہو اور اس کلام پر بھی جو بغیر واسطے کے نازل ہوا ہو مناماً ہو یا یقظاً۔

اقسام وحی

پہلی تقسیم:

وحی کی دو قسمیں ہیں (۱) وحی متلو (۲) وحی غیر متلو۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ وحی متلو میں الفاظ اور معنی دونوں من جانب اللہ ہوتے ہیں جبکہ غیر متلو میں مفہوم من جانب اللہ ہوتا ہے اور الفاظ نبی کے ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن میں روایت بالمعنی جائز نہیں البتہ حدیث میں جائز ہے۔

دوسری تقسیم:

علامہ فخر الاسلام بزدوی فرماتے ہیں کہ وحی دو قسم پر ہے (۱) ظاہری (۲) باطنی۔ باطنی میں کلام اللہ بغیر واسطے کے دل میں اترتا ہے اور ظاہری بذریعہ ملک وحی کو کہتے ہیں۔

تیسری تقسیم:

حضرت شیخ الحدیث فرماتے ہیں کہ وحی چار قسم پر ہے: (۱) کلام اللہ من وراء الحجاب (۲) اللقاء فی القلب (۳) وحی مناماً (۴) بواسطہ الملک۔

چوتھی تقسیم:

حضرت علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ وحی تین قسم پر ہے (۱) من وراء الحجاب (۲) بذریعہ ملک (۳) اللقاء فی القلب مناماً کان او یقظاً۔

پانچویں تقسیم:

علامہ سہیلی صاحب روض الانف فرماتے ہیں کہ وحی کی سات قسمیں ہیں (۱) مناماً (۲) مثل صلصلة الجرس (۳) نفث فی الروع (۴) تمثیل الملک رجلاً (۵) جبریل علیہ السلام کا اپنی اصلی صورت میں آنا (۶) کلام من وراء الحجاب (۷) وحی بذریعہ اسرافیل۔

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ ابتداء میں حضرت اسرافیل علیہ السلام تین سال تک وحی لاتے رہے پھر حضرت جبریل مقرر ہوئے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر وحی یا بلا واسطہ آتی ہے یا بالواسطہ یہ تمام قسموں کو شامل ہے۔
رسول کی تعریف:

إنسان بعثه الله إلى المخلوق لتبليغ احكامه اور بعض علماء انسان کی قید نہیں لگاتے تا کہ جبریل کو بھی یہ تعریف شامل ہو جائے۔
اصطلاحی تعریف:

وہ بندہ جس کو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا ہو۔
نبی اور رسول میں فرق:

(۱) بعض کے یہاں مصداق ایک ہی ہے صرف اعتباری فرق ہے (۲) رسول وہ ہے جس کو جدید شریعت ملی ہو بخلاف نبی کہ اس کو جدید شریعت ملنا ضروری نہیں (۳) رسول کے پاس کتاب ہو بخلاف نبی (۴) رسول کے جھٹلانے والوں پر عذاب آتا ہے اور نبی کے جھٹلانے والوں پر عموماً عذاب نہیں آتا (۵) اصلی فرق: کہ رسول کے پاس جدید کتاب ہو یا کا فرق قوم کی ہدایت کیلئے مبعوث ہو اور نبی سابقہ قوم کی ہدایت کیلئے مبعوث کیا گیا ہو۔
صلی اللہ علیہ وسلم:

صلوٰۃ کا معنی: نسبت الی اللہ ہو تو پھر معنی ہے نزول رحمت، الی الملئکہ ہو تو بمعنی مغفرت، الی العباد ہو تو دعا، الی الوحوش ہو تو بیچ و تہلیل۔
حکم صلوٰۃ:

عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے، مجلس میں نام مبارک آنے پر ایک مرتبہ واجب پھر مستحب ہے۔

وقول الله عز وجل: إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ الْآيَةَ۔ امام بخاریؒ کی عادت ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کنایہ یا صراحتہ اشارہ ہو تو وہاں آیت کریمہ

کو ذکر فرماتے ہیں اور یہاں اس آیت کریمہ کو منتخب کیا ہے کیونکہ لوگوں کو اشکال تھا کہ آپ نبی ہیں تو آپ کو موسیٰ علیہ السلام کی طرح یکمشت کتاب کیوں نہیں گئی تو جواب ہوا کہ موسیٰ کے علاوہ اور بھی نبی گزرے ہیں جن کو یکمشت کتاب نہیں دی گئی اور لوگوں کا طریقہ تھا کہ مدئی نبوت کو جانچنے کیلئے اس کے حالات اور انبیاء سابقین کے حالات کا موازنہ کرتے اگر حالات متفق ہوتے تو نبوت کو تسلیم کرتے ورنہ نہیں تو گویا اس آیت میں ارشاد ہے کہ آپ صفت وحی میں انبیاء سابقین کے ساتھ موافق ہیں لہذا ان لوگوں کو چاہئے کہ آپ کی نبوت کو تسلیم کریں۔

آیت کے انتخاب کی وجہ:

وحی کی کثیر آیات میں اسی کو منتخب کیا کیونکہ اس میں اور اس سے متصل آیات میں ایسے امور کا ذکر ہے جن کا ذکر دوسری جگہ کم از کم ایک ساتھ نہیں ہوا ہے مثلاً (۱) وحی کی تشبیہ دیگر انبیاء کی وحی کے ساتھ (۲) کلم اللہ سے انواع وحی کی طرف اشارہ ہے (۳) آگے ماننے اور نہ ماننے والوں کے انجام کا ذکر ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی تخصیص:

وجہ تخصیص یہ ہے کہ (۱) نوح علیہ السلام پہلے تشریحی نبی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریحی نبی ہیں (۲) نوح علیہ السلام کی قوم نے عناداً تکذیب کی تو ان پر عذاب آیا تو اشارہ ہے کہ اگر تم لوگ بھی تکذیب کرو گے تو عذاب تم کو بھی گھیر لیگا۔ لیکن ان وجوہ کو علامہ عینی نے رد کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام پر وحی تشریحی آئی تھی اور پہلا عذاب قابیل پر آیا تھا اور پھر خود یہ وجہ بیان کی ہے کہ نوح کیونکہ آدم ثانی ہیں اس لئے ان کا ذکر کیا ہے۔ لیکن جمہور کہتے ہیں کہ اگر یہی وجہ تشبیہ ہے تو پھر حضرت آدم علیہ السلام تشبیہ کے زیادہ مستحق تھے۔

حدیث کا شان و رود:

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی نے طبرانی کے حوالے سے مہاجر ام قیس کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک آدمی ایک عورت کا شیدائی تھا لیکن عورت نے شادی کیلئے ہجرت کی شرط لگائی تو اس

آدمی نے اسی نیت سے ہجرت کی یہ بات آپ صلی اللہ علی وسلم تک پہنچی تو آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا کہ ”یا ایہا الناس إنما الأعمال بالنیات الخ الحدیث“
استنباط مسئلہ:

اس حدیث سے مجتہدین نے نیت فی الوضو کا مسئلہ مستنبط کیا ہے۔

قول امام سیوطی:

حدیث میں اعمال بھی جمع ہے اور نیات بھی جمع ہے اور امام سیوطی کا قول ہے کہ الجمع بمقابله الجمع یقتضی انقسام الاحاد علی الاحاد لہذا ہر عمل کیلئے الگ سے نیت کرنا ضروری ہے اور ایک روایت میں نیت مفرد اور اعمال جمع آیا ہے تو اس صورت میں توجیہ یہ ہوگی کہ نیت قلب سے متعلق ہے اور قلب مفرد ہے جبکہ اعمال جوارح سے متعلق ہیں اور جوارح زیادہ ہیں۔ حدیث کا پہلا جملہ بمنزلہ شرط کے ہے اور مابعد بمنزلہ جزا کے ہے۔

ترجمہ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت:

(۱) بعض علماء فرماتے ہیں کہ ترجمہ الباب کے ساتھ مناسبت تو نہیں ہے لیکن اس

حدیث کو اپنی نیت حسنہ کے بیان کیلئے لائے ہیں۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ طلبہ کو حسن نیت پر ابھارنے کیلئے لائے ہیں۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ یہ حدیث کتاب کیلئے بطور مقدمہ کے لائے ہیں۔ بعض دیگر

علماء نے ابن مہدی کا قول نقل کیا ہے کہ جو بھی تصنیف کرے اسے چاہئے کہ اس حدیث سے ابتداء کرے اگر میں کتاب لکھتا تو اس حدیث سے ابتداء کرتا۔

(۴) چوتھا قول علامہ انور شاہ کشمیری کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ عمل کی دو جانب ہیں (۱)

ثبوت عمل (۲) صدور عمل ثبوت عمل تو وحی سے متعلق ہے لیکن صدور عمل کیلئے نیت کی ضرورت ہے تو ترجمہ الباب سے ایک جانب کی طرف اشارہ ہے اور حدیث سے دوسری جانب اشارہ ہے۔

(۵) پانچواں قول: حدیث میں ہجرت کا ذکر ہے اور ترجمہ الباب میں وحی کا ذکر ہے

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ ہجرت کی، ایک غار حراء کی طرف دوسری مدینہ کی طرف اور وحی ہجرت اول کے بعد شروع ہوئی۔

(۶) چھٹا قول: حدیث میں ہجرت کا ذکر ہے اور وحی ہجرت الی المدینہ کے بعد غالب ہوئی۔

(۷) ساتواں قول: وحی مکتوب قبل ہجرت شروع ہوئی اور وحی غیر مکتوب بعد ہجرت شروع ہوئی اور وہ وحی غیر مکتوب یہی ”انما الاعمال بالنیات“ ہے۔

(۸) آٹھواں قول: آیت کی وحی دیگر انبیاء کے ساتھ مشترک ہے اور دیگر انبیاء کو اخلاص کا حکم دیا گیا تھا جیسا کہ آیت ”وما امروا الا ليعبدوا الله مخلصين“ میں ہے تو اب اس اخلاص کا مطلب اس حدیث میں بیان ہے لہذا نسبت واضح ہے۔

(۹) نواں قول: حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں کہ یہ مسلم ہے کہ وحی وہی ہے کسی نہیں لیکن پھر بھی انتخاب حسن اخلاق کے علمبرداروں کا ہوتا ہے لہذا آپ کی طرف جو وحی ہوئی وہ اس لئے کہ آپ حسن اخلاق کے مالک ہیں۔

قول فیصل:

اس سلسلے میں قول فیصل یہ ہے کہ اس حدیث کی ترجمہ الباب کے ساتھ مناسبت نہیں ہے بلکہ اس حدیث کو بطور مقدمہ لائے ہیں اور اصل کتاب کتاب الایمان سے شروع ہوئی ہے اس باب کو لانے کی غرض دو باتیں ہیں:

(۱) عظمت وحی کا بیان (۲) حسن نیت پر ابھارتا

حدثنا الحمیدی: ابتداء حمیدی سے کی ہے یہ قریشی مکی ہیں اور حدیث ثانی امام مالک سے نقل کی ہے وہ مدنی ہیں تو اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ وحی مکہ سے شروع ہوئی اور غلبہ مدینہ منورہ میں ہوا یہ حدیث اخبار احاد کے قبیل سے ہے اسے صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نقل کیا اور بعد میں علقمہ نے نقل کیا۔ (وهو الراجح)

الحدیث الثانی:

عن عائشة ام المومنین..... كيف يأتيك الوحي فقال احياناً

یأتینی مثل صلصلة الجرس الخ
 قیدام المؤمنین:

یہ قرآن کریم سے ثابت ہے لقولہ تعالیٰ وازواجه امہاتہم
 امہات کا لفظ صرف عظمت اور اور حرمت کیلئے ہے ورنہ باقی احکام ماؤں کی طرح
 نہیں ہیں مثلاً عام حالات میں بنت الام سے نکاح ناجائز ہے لیکن حضرت عثمان اور حضرت
 علی رضی اللہ عنہما نے حضور کی صاحبزادیوں سے نکاح کیا تھا۔
 مسئلہ:

آیا امہات المؤمنین کو مردوں کی تبع میں امہات المؤمنات کہنا جائز ہے؟

جواب:

قاعدہ کی رو سے تو جائز ہے مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صراحتاً منع منقول ہے
 کہ کسی عورت نے آپ کو یا اماہ کہا تو آپ نے جواب میں فرمایا "لست بامک انام
 رجالکم" میں تیری ماں نہیں ہوں بلکہ تمہارے مردوں کی ماں ہوں ویسے بھی ام کہنا حرمت
 کیلئے اور حرمت والا پہلو مردوں میں ہے عورتوں میں ہے نہیں تو کیا ضرورت ہے؟
 بعض حضرات تبعاً للرجال امہات المؤمنات کے جواز کے قائل ہیں مگر اس طرح
 حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خال المؤمنین اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کیلئے خلت المؤمنین
 کہنا سلف سے منقول نہیں ہے۔

ان حارث بن ہشام سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ
 یہ ابو جہل (عمرو بن ہشام) کے حقیقی بھائی تھے، فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے اور
 غزوہ یرموک میں شہید ہوئے۔

احتمال:

(۱) اگر اس گفتگو کے دوران حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں تو یہ حدیث مسانید
 عائشہ میں سے ہے۔

(۲) اگر حارث بن ہشام نے انہیں بعد میں بتایا تو مسانید حارث میں شمار ہوگی۔ اور

حضرت حارث بن ہشام کا سوال شک کی بناء پر نہیں تھا بلکہ کیفیت وحی کے بارے میں تھا۔
سوال عن الکیف :

کیف سے سوال وہاں ہوتا ہے جہاں نفس شے کا یقین اور علم ہو لیکن نسبت معلوم نہ ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا ”رب ارنی کیف تحی الموتی“۔

احیاناً یأتینی مثل صلصلة الحرس الخ

یہاں پر دو احتمال ہیں ایک یہ کہ صلصلة الجرس بواسطہ ملک ہو دوسرا یہ کہ بدون واسطہ ملک ہو۔ اب صلصلة الجرس کیا ہے؟ اس بارے میں علماء کے چند اقوال ہیں
(۱) صوت الملک یعنی یہ خود فرشتے کی آواز ہے۔

(۲) حضرت مولانا حسین احمد مدنی فرماتے ہیں کہ ”ہو صوت اتیان الملک“ یعنی فرشتے کے آنے کی آواز ہے جیسے کہ گاڑی کے آتے وقت انجن کی آواز آتی ہے۔

(۳) صوت جناح الملک یعنی فرشتے کے پروں (بازوؤں) کی آواز ہے۔

(۴) خود وحی کی آواز ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب خداوند تعالیٰ کوئی فیصلہ فرماتے ہیں تو فرشتے تسلیم پروں کو ہلاتے ہیں تو اس آواز سے وحی آنے کا علم ہوتا ہے۔

(۵) حضرت علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ یہ کلام نفسی کی آواز تھی۔ اب اس بارے میں اختلاف ہے متکلمین فرماتے ہیں کہ کلام نفسی کی صوت نہیں ہے جبکہ محدثین صوت کے قائل ہیں امام بخاری جلد ثانی میں صفات باری تعالیٰ میں صوت کو ثابت کریں گے۔

(۶) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ صوت تعطل حواس سے پیدا ہوتی ہے جیسے کوئی کانوں میں اٹکیاں ڈال دے تو اسے ایک آواز محسوس ہوگی اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق وحی کے وقت عالم سفلی سے کٹ کر عالم بالا سے مل جاتا تھا اس سے آپ کو یہ آواز محسوس ہوتی تھی۔

اشکال:

گھنٹی کی آواز تو مذموم ہے جیسا کہ حدیث میں آیا کہ لا تصحب الملكة رفقة فيها كلب ولا جرس کہ فرشتے اس جماعت کے ساتھ نہیں ہوتی جس میں گھنٹی یا کتاب ہو۔

جواب:

(۱) حضرت شیخ الحدیث فرماتے ہیں کہ مشبہ مشبہ بہ کے ساتھ تمام اوصاف میں مطابقت نہیں رکھتا بلکہ صرف بعض امور میں مطابقت کافی ہے یہاں بھی صرف اتنی مطابقت ہے کہ جس طرح گھنٹی کی آواز مسلسل ہوتی ہے یہ آواز بھی مسلسل ہوتی تھی۔

(۲) گھنٹی وہ مذموم ہے جب قافلہ دشمن پر حملہ کرنے کیلئے جاتا ہے کیونکہ گھنٹی سے کفار کو مجاہدین کے آنے کا علم ہو جاتا ہے۔

وہو اشدہ علی..... وجہ شدت یہ ہے کہ صوت مسلسل سے اخذ کلام مشکل ہوتا ہے اور وحی کی دو صورتیں ہیں کبھی فرشتہ بصورت انسان وحی لاتا ہے اور کبھی القاء فی القلب ہوتا ہے تو اس دوسری صورت میں آپ صلی اللہ علی وسلم کو مشقت ہوتی کیونکہ اس میں آپ کو صفات ملکوتی اختیار کرنی پڑتیں اور وحی خود بھی ثقیل ہے لقولہ عزوجل: "انا سلفی علیک قولاً ثقیلاً"

فیفصم عنی..... اس میں کئی لغات ہیں: (۱) ضرب بضر ب سے یہ افصح اور اشہر ہے (۲) ضرب سے مضارع مجہول (۳) باب افعال سے مضارع معلوم یفصم ان کا معنی ہے کہ منقطع عنی الوحی۔ بعض نے اس کو قضم بالقاف بھی پڑھا ہے۔

الملك..... الک سے بمعنی پیغام پہنچانا۔ یہاں اس سے مراد حضرت جبریل علیہ

السلام ہیں

ملك کی تعریف: اسم نورانی يتشكل بأشكال مختلفة لطيفة لا يعصى الله يتمثل لی الملك رجلاً..... (۱) رجلاً یا تو بناء بر تمیز منصوب ہے لیکن اشکال ہوتا ہے کہ ما قبل میں ابہام نہیں ہے۔

(۲) بناء پر حالت منصوب ہے۔ لیکن اشکال ہوتا ہے کہ حال ذوالحال کیلئے بمنزل خبر

کے ہوتا ہے جبکہ یہاں ایسا نہیں ہے۔
(۳) منصوب بزغ الخافض ہے۔

اشکال:

وحی کی تو اور بھی صورتیں ہیں مگر حدیث میں صرف دو ہی مذکور ہیں باقی متروک ہیں۔

جواب:

کچھ ایسی صورتیں ہیں جو انبیاء کے ساتھ خاص نہیں جیسے الہام اور بعض صورتیں قلیل الوقوع ہیں جیسے کام یہاں صرف عام اور مشہور کو ذکر کیا ہے دیگر کو چھوڑ دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

قالت عائشة:

یہ قول سند سابق سے منقول ہے اس لئے حرف عطف نہیں لائے اور سے مقصد شدت وحی کی تفصیل بیان کرنا ہے۔

لیتفصد..... اس کا معنی ہے رگ کھلنا جس طرح رگ کھلنے سے خون بہتا ہے اسی طرح پسینہ مبارک بہتا تھا۔

ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت:

(۱) حدیث میں وحی کی کیفیت کا ذکر ہے مناسبت ظاہر ہے۔

(۲) حدیث میں دو صورتیں مذکور ہیں ابتداء ان میں سے کسی ایک صورت کے ساتھ

یقیناً ہوئی ہوگی۔

(۳) انہی دو صورتوں سے سابقہ انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی آتی تھی۔

الحدیث الثالث

حدثنا يحيى بن بكير..... عن عائشة قالت: اول ما بدئ به.....

پورے باب میں صرف یہی حدیث مکمل طور پر ترجمہ الباب کے مناسب ہے کیونکہ

اس میں ابتداء وحی کا ذکر ہے۔

اول ما بدئ به رسول الله صلى الله عليه وسلم من الوحي الرؤيا الصالحة

فی النوم.....

نبوت کیلئے تمہید روایا صالحہ تھے تا کہ انس پیدا ہو جائے ورنہ فرشتے کے اچانک آنے سے آپ پریشان ہو جاتے اس لئے انس مع الوحی کیلئے پہلے خوابوں کا سلسلہ شروع کیا گیا اور دیگر علامتیں مثلاً راستے میں پتھر اور شجر کا سلام کرنا بھی اسی انس کیلئے تھا اور خواب تقریباً چھ ماہ آتے رہے اسی لئے تو حدیث میں مومن کے خواب کو نبوت کا چھیا لیسواں حصہ کہا گیا ہے کیونکہ چھ ماہ ۲۳ سالہ نبوت کا چھیا لیسواں حصہ ہے۔ علماء کا اجماع ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے بخلاف عام لوگوں کے کہ اگر وہ شرع کے خلاف کوئی بات دیکھیں تو اس پر عمل کرنا درست نہیں ہے۔

اشکال:

اگر انبیاء کا خواب وحی ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمعیل علیہ السلام سے کیوں مشورہ کیا کہ فانظر ماذا ترى.

جواب:

حضرت ابراہیم و حضرت اسمعیل علیہما السلام دونوں کو معلوم تھا کہ یہ وحی ہے اس لئے تو جواب دیا کہ یا ابت افعل ما تؤمر البتہ بیٹے کو پہلے سے خبردار کرنا وحشت کو دور کرنے کیلئے تھا۔

اشکال:

خواب میں تو بیٹے کو ذبح کرتے دیکھا حالانکہ تعبیر میں مینڈھا ذبح ہوا؟

جواب:

(۱) ابن العربی کا قول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تعبیر درست نہیں سمجھے اس لئے مینڈھے کے ذبح کو بیٹے کے ذبح سے تعبیر کیا لیکن علماء نے ابن العربی کے قول کی تردید کی ہے کہ یہ شان رسالت کی تقصیر ہے۔

(۲) حضرت مولانا انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ خواب میں جو دیکھا تھا وہی ہوا کیونکہ خواب میں ذبح کا ابتدائی فعل دیکھا تھا پورا ذبح کرتے نہیں دیکھا تھا اور یہی کچھ ظاہر

میں بھی ہوا۔

(۳) حافظ ابن القیم فرماتے ہیں کہ بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم تھا مگر یہ نسخ قبل العمل کے قبیل سے ہے۔

الرؤیا الصالحة.....

حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ بعض روایات میں الرؤیا الصادقة اور بعض میں الواضحة منقول ہے۔ الصالحة کا معنی خوش کن، حیرت انگیز عمدہ اور عربی میں اس کی دو طرح سے تفسیر ہوئی ہے۔ (۱) ما لیس بأضغاث احلام (۲) جس کی تعبیر سامنے آجائے اور اس میں غلطی کا احتمال نہ ہو۔

فی النوم.....

یہ قید رویۃ العین سے احتراز کیلئے ہے۔

من الوحی.....

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی نے من کو ابتدائیہ اور تبعیضیہ دونوں مانا ہے۔

فلق الصبح.....

فلق کا معنی پھاڑنا ہے یعنی جس طرح رات کے بعد صبح کا آنا یقینی ہے ایسے ہی ان رؤیا صالحہ کے تعبیر یقینی ہوتی تھی۔

فلق الصبح کے ساتھ تشبیہ میں دو احتمال ہیں

(۱) یہ تشبیہ یقینی ہونے کے اعتبار سے ہے۔

(۲) جس طرح صبح صادق سے رات کا اندھیرا تدریجاً ختم ہوتا ہے اور آخر کار روشنی

غالب آجاتی ہے اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ظہور سے آہستہ آہستہ جہالت کے اندھیرے ختم ہوئے اور نبوت کی روشنی غالب آگئی۔

ثم حجب الیہ الخلاء.....

حُب مجہول ہے حافظ ابن حجر کا قول ہے کہ مجہول لانے میں اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ

عالیہ وسلم کی خلوت بوجہ کسی دنیاوی پریشانی کے نہیں تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے خلوت محبوب کر دی گئی تھی۔

خلوت کا فائدہ:

- (۱) خلوت میں آدمی کو اپنی حقیقت پر غور کرنے کا موقع ملتا ہے۔
- (۲) کائنات میں تدبیر و تفکر کیا جاسکتا ہے۔
- (۳) نعم خداوندی پر غور کرنے کا موقع ملتا ہے۔
- (۴) اس راستے سے گزرنے والوں کے ساتھ تعاون کیا جاسکے۔

طریقہ خلوت و غرض خلوت:

پانچ چھ دن اور بعض روایات میں ہے کہ مہینہ کیلئے اپنا توشہ لے لے اور خلوت فرماتے توشہ ختم ہونے پر واپس آتے اور توشہ لیکر دوبارہ تشریف لے جاتے۔
غار حراء کا انتخاب کیوں؟:

(۱) مکہ سے زیادہ دور بھی نہ تھا اور نہ زیادہ قریب

(۲) بیت اللہ وہاں سے صاف نظر آتا تھا۔

حراء کو مردود، مقصور، منصرف، غیر منصرف، مذکر اور مؤنث سب طرح پڑھنا جائز ہے۔

فیتحنث فیہ.....

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اصل میں فیتحنث تھا یعنی آپ دین ابراہیمی پر عمل پیرا تھے چنانچہ بعض روایات میں ثاء کے بجائے فاء آیا ہے کلام عرب میں کبھی فاء کو ثاء سے تبدیل کر دیتے ہیں۔ مگر دیگر شارحین نے اس کو تحنث سے مانا ہے کہ یہ باب تفعّل سے ہے اور اس کی خاصیت سلب ماخذ کی ہے یعنی سلب الحنث اور جب آدمی عبادت میں مشغول ہو تو گناہ سے محفوظ رہتا ہے تو یہاں عبارت میں تحنث کا معنی تعبد اللیالی لازمی معنی ہے لفظی نہیں۔ امام طبری کا قول ہے کہ یہ تفسیر امام زہری کی ہے حسب عادت اگرچہ حافظ نے اس قول کو تسلیم نہیں کیا لیکن دیگر محدثین نے تسلیم کیا ہے۔

سوال:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حراء میں کونسی شریعت کے موافق عمل کرتے تھے؟

جواب:

علامہ عینی نے اس سلسلے میں بارہ قول ذکر کیے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف تدبر اور تفکر فرماتے۔

(۲) دین حنیف کے تابع تھے۔

(۳) حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت کے تابع تھے۔

(۴) شریعت نوح علیہ السلام کے تابع تھے۔

(۵) شریعت موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے۔

(۶) شریعت عیسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے۔

(۷) سابقہ شرائع میں سے کسی کے پابند نہیں تھے لیکن تمام میں سے کوئی نہ کوئی جز

لیتے۔

(۸) توقف کا قول ہے۔

اصح یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص شریعت کے تابع نہیں تھے بلکہ جو طریقہ

عبادت من جانب اللہ القاء ہوتا اسی پر عمل کرتے۔

ینزع..... یرجع معنأ ووزناً۔ یتزود.....

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسباب توکل کے منافی نہیں ہیں۔

لمثلها.....

ہاء ضمیر یا تو لیا لی ذوات العدد کی طرف راجع ہے یا عبادت کی طرف راجع ہے۔

حتى جاء الحق.....

(۱) امر الحق النبوة

(۲) ای رسول الحق یعنی جبریل علیہ السلام

(۳) الامر البین الواضح یعنی راستے میں شجر و حجر کا سلام کرنا بھی علامت نبوت تھی

مگر جبریل کے آنے سے صاف وضاحت ہو گئی۔

(۴) کلام الحق یعنی الوحی

(۵) بعض صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اس سے مراد دیدار الہی ہے مگر محدثین نے اس

کو رد کیا ہے۔

سلسلہ وحی میں آنے والے فرشتے:

روایات میں تین فرشتوں کا ذکر ہے (۱) حضرت اسرافیل علیہ السلام جو کہ ابتداء چھ ماہ یا بناء براختلاف تین سال تک آتے رہے (۲) عام طور سے حضرت جبریل علیہ السلام (۳) واقعہ طائف میں ملک الجبال۔ ان کے علاوہ دیگر فرشتے بھی آتے رہے لیکن وحی کے سلسلہ میں نہیں آئے۔

فقال اقرأ فقلت ما انا بقارئ.....فغطني الثالثة:

سوال:

فرشتے کا امر بالقراءة تکلیف مالا یطاق ہے۔

جواب:

یہ امر تکلفی نہیں بلکہ امر ارشادی اور تعلیمی تھا۔

اشکال:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اذ فتح العرب تھے اگر اس سے مراد امر ارشادی ہوتا تو آپ صا انا بقارئ سے جواب نہ دیتے۔

جواب:

(۱) دراصل بات یہ ہے جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام ریشم کے ٹکڑے پر آیات لکھ کر لائے تھے اور کہا اقرأ تو آپ نے ما انا بقارئ فرمایا۔
(۲) آپ کو معلوم تھا کہ امر ارشادی ہے مگر آپ اس نا آشنا صورت سے مرعوب ہوئے اور دہرانے پر قادر نہ ہو سکے۔

(۳) ثقالت وحی کی وجہ سے آپ نہ پڑھ سکے۔

غط یعنی دبانے کی حکمت کیا تھی؟ اس میں چند اقوال ہیں (۱) فرشتے سے انس پیدا کرنے کیلئے (۲) انس مع الوحی پیدا کرنے کیلئے (۳) تحمل وحی کیلئے کہ وحی ثقیل ہوگی تاکہ اس کا تحمل کر سکیں۔

غطت ثلاثہ کی حکمت: اس میں بھی چند اقوال ہیں:

(۱) پہلی مرتبہ تحمل تکذیب قوم کیلئے، دوسری مرتبہ شدت تکذیب کیلئے اور تیسری دفعہ اس لئے کہ قوم کی تکذیب اور غصہ انتہاء کو پہنچ جائے گا حتیٰ کہ قتل کا ارادہ کریں گے آپ اس کا تحمل کر سکیں۔

(۲) پہلی دفعہ عام تکذیب کے تحمل کیلئے، دوسری مرتبہ شعب ابی طالب کی تکلیف کے تحمل کیلئے، تیسری مرتبہ ہجرت مکہ الی المدینہ کے تحمل کیلئے۔

(۳) اول انس مع الملک کیلئے، دوم انس مع الوحی کیلئے، سوم انس باری تعالیٰ کیلئے۔

(۴) صوفیاء کی اصطلاح کے مطابق چاروں نسبتیں پائی گئی ہیں۔ ملاقات جبریل سے نسبت انعکاسی پیدا ہوئی غلط اولیٰ سے نسبت باری تعالیٰ پیدا ہوئی، غلط ثانیہ سے نسبت اصلاحی اور غلط ثالثہ سے نسبت اتحادی پیدا ہوئی۔ واللہ اعلم
بلغ منی الجھد..... بمعنی گنجائش۔

عبارت میں احتمالات:

- (۱) بلغ منی الجھد..... میری برداشت انتہاء کو پہنچ گئی
- (۲) بلغ منی الجھد..... جبریل نے مجھ کو اتنا دبایا کہ میری طاقت کی انتہاء کو پہنچے
- (۳) بلغ منی الجھد..... میری مشقت (تکلیف) انتہاء کو پہنچ گئی
- (۴) بلغ منی الجھد..... مجھے اتنا دبایا کہ میری طرف سے مشقت میں مبتلا ہو گئے

اشکال:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل کی طاقت کو کیسے برداشت کیا؟
جواب:

(۱) جبریل نے اپنی پوری طاقت نہیں لگائی تھی بلکہ آپ کے مطابق طاقت لگائی تھی۔

(۲) آپ بھی نبی تھے اور نبوت کی طاقت ہمراہ تھی عام آدمی نہیں تھے۔

(۳) فرشتہ جب انسان کی شکل میں متشکل ہوتا ہے تو اس میں انسان کے اوصاف

تبدیل ہو جاتے ہیں جیسے جنات جب سانپ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں تو انہیں آسانی سے مارا جا سکتا ہے۔

ابتدائی وحی کا وقت :

اس میں تین قول ہیں: (۱) یکم یا آٹھ ربیع الاول بروز سوموار (۲) ۲۷ رجب المرجب (۳) رمضان المبارک میں اور حافظ نے اسی کو ترجیح دی ہے بدلیل آیت "شهر رمضان الذي أنزل فيه القرآن الخ"

ربیع الاول اور رجب کے قائلین مذکورہ آیت میں تاویل کرتے ہیں کہ یہ نزول من العرش الی سماء الدنيا ہے۔

ابتدائی وحی کے وقت عمر مبارک :

اس میں چند اقوال ہیں: (۱) چالیس سال دس دن (۲) چالیس سال دو ماہ (۳) چالیس سال سے کچھ زائد (۴) تینتالیس سال (۵) پینتالیس سال وحی اول کیا تھی؟

حدیث میں اقرأ کے علاوہ سورہ یا ایہا المدثر بھی آیا ہے تو تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ پہلے اقرأ نازل ہوئی پھر فترۃ وحی کا دور رہا پھر فترۃ کے بعد سب سے اول یا ایہا المدثر نازل ہوئی۔

کیا بسم اللہ ہر صورت کا جزء ہے؟

یہاں سے احناف استدلال کرتے ہیں کہ پہلی آیت یہ ہے اور یہاں بسم اللہ نہیں ہے لہذا ہر صورت کا جزء نہیں بلکہ قرآن کریم کا جزء ہے۔

فرجع بہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرجع فوادہ.....

بھا کی ضمیر میں دو قول ہیں (۱) بالآیات یعنی فرجع بالآیات (۲) بالقصۃ ای

فرجع بالقصۃ

یرجع..... از نصر بمعنی دھڑکنا یہ یرجع کے فاعل سے حال ہے۔

فوادہ..... اس کی تفسیر میں تین قول ہیں (۱) بمعنی قلب (۲) غشاء القلب یعنی دل کا

پردہ (۳) باطن القلب

زہری کے شاگرد یونس اور معمر نے فوادہ کے بجائے بوادرۃ کا لفظ نقل کیا ہے۔ بوادر

بادرۃ کی جمع ہے بمعنی مابین الکف والعنق۔ اور دونوں کا معنی ایک ہے کیونکہ حالت گھبراہٹ میں دل دھڑکنے کے ساتھ شانے کی رگ بھی پھڑکتی ہے۔

فقال زملونى..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم پریشانی کی حالت میں حسب فطرت انسانی گھر لوٹ آئے۔ البتہ صیغہ واحد موث کے بجائے صیغہ جمع استعمال کیا تو اس کی وجہ حسب ذیل ہے:

(۱) گھر میں عموماً جمع کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے (۲) گھر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ باندیاں اور غلام بھی موجود تھے۔

لقد حشيت على نفسى..... حافظ ابن حجر نے اس کے مصداق میں بارہ اقوال نقل کیے ہیں:

(۱) آپ کو اپنے اوپر جنون کا خدشہ تھا (۲) جنات کے اثر کا خطرہ تھا (۳) اثر شیطان کا ڈر تھا (۴) ہا جس کے خیال کا اندیشہ تھا (۵) خوف ہوا کہ اگر فرشتہ ہر دفعہ ایسے دباتا رہا تو جان چلی جائے گی (۶) فرشتہ کی صورت اصلیہ سے مرعوب ہو گئے تھے لہذا آئندہ اس صورت کے دیکھنے سے جان کا خطرہ ہوا (۷) لوگوں کے طعن اور عداوت کا خوف تھا (۸) زیادہ مرض کا خطرہ تھا (۹) دوام مرض کا اندیشہ تھا لیکن حافظ نے آگے آنے والے تین اقوال کے علاوہ سب کو فضول قرار دیا ہے وہ یہ ہیں (۱) بوجھ نبوت کے تحمل نہ کرنے کا خوف تھا (۲) قوم کے رد عمل سے جان کا خوف تھا (۳) نفس مرض یا شدت مرض کا خوف تھا۔

مايخزيك الله ابدًا..... بمعنی رسوا کرنا بعض روایات میں محزنک کے الفاظ ہیں بمعنی غمگین کرنا

انك لتصل الرحم..... عموماً اجانب کے ساتھ تعلقات کم ہوتے ہیں اس لئے اختلاف بھی کم ہوتا ہے بخلاف رشتہ داروں کے کہ ان سے بوجہ اختلاط کثیر بسا اوقات اختلاف ہو جاتا ہے نیز رشتہ داروں کی جانب سے دکھ زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے نسبت اجانب کے۔

وتحمل الكل..... بمعنی بوجھ اٹھانا یعنی ضرورتیں پوری کرنا، دوسرا معنی ہے حسی

بوجھ اٹھانا دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔

وتكسب المعدوم..... اس کے دو معنی ہیں (۱) کسب المعدوم یعنی تالیاب اور
معدوم مال کما کر دیتے ہیں جو اور لوگ نہیں دیتے (۲) اکساب المعدوم یعنی معدوم المال
آدمی کا اس کا مال کما کر دیتے ہیں۔

وتقرى الضيف..... آپ مہمان نوازی کرتے ہیں۔

وتعين على نواب الحق..... اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ آپ نیک کاموں میں
لوگوں کے ساتھ تعاون کرتے ہیں دوسرا معنی یہ ہے کہ آپ لوگوں کے ساتھ آفت سماوی میں
تعاون کرتے ہیں جبکہ عام لوگ اس وقت اعراض کرتے ہیں کہ بھائی ہم کیا کر سکتے ہیں اللہ
کو یہی منظور تھا۔

ایک عجیب اتفاق: دوران ہجرت ابن دغنه کے دریافت کرنے پر حضرت ابو بکر رضی
اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری قوم مجھے نکال رہی ہے تو ابن دغنه نے کہا کہ مسلک لا-خزن پھر ابن
دغنه نے قریش کے سامنے بھی وہی اوصاف ذکر کیے جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے استعمال فرمائے کہ ان اوصاف حمیدہ کا حامل نکالے جانے
کے قابل نہیں ہوتا۔

فانطلقت به خديجة..... ایک روایت میں آپ کا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے
ساتھ جانا ثابت ہے تو ممکن ہے کہ آپ کو دو دفعہ لے جایا گیا ہو ایک دفعہ حضرت خدیجہ کے
ساتھ اور ایک دفعہ حضرت ابو بکر کے ساتھ۔

ورقه بن نوفل..... دور جاہلیت میں ورقہ بن نوفل اور عمرو بن نفیل بتقاضائے سلیم
الفطرت بت پرستی سے تنگ آ کر مکہ سے نکل گئے تھے ورقہ بن نوفل تو نصرانی ہو گئے جبکہ عمرو
بن نفیل یہود کے پاس چلا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے دین کے ساتھ تو کچھ حصہ اللہ کے
غضب کا بھی ملے گا تو پھر وہاں سے نصرانیوں کے پاس آ گئے انہوں نے کہا کہ نصرانیت
کے ساتھ کچھ حصہ لعنت الہی کا بھی ملے گا تو پھر ان کے مشورہ کے دین حنیف قبول کیا۔ یہ
ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ حضرت خدیجہ کے چچا زاد بھائی ہیں۔

كان يكتب من الانجيل بالعبرانية..... کہا جاتا ہے کہ روئے زمین کی سب

سے پرانی زبان عربی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ سریانی ہے اور اس کو سریانی اس لئے کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سرِ تعلیم دی گئی تھی اور ایک زبان عبرانی ہے اور اس کو عبرانی اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم جب اپنی قوم سے نکل گئے تو نمرود نے پیچھے لوگ دوڑائے کہ سریانی بولنے والا فلاں خدو خال کا آدمی ہے پکڑ لاؤ جب آپ دریائے فرات کے پار ہو گئے تو آپ کی زبان خود بخود تبدیل ہو گئی تو اس عبور دریا کی وجہ سے اس کو عبرانی کہتے ہیں ورقہ کو تینوں زبانوں پر عبور تھا تو کبھی عرب کیلئے عربی میں ترجمہ کرتے اور کبھی یہود کیلئے سریانی میں ترجمہ کرتے۔

رجل قد عمی.....

سوال: جب نابینا تھے تو کیسے لکھتے تھے؟ جواب: اس میں دو قول ہیں (۱) دوسروں کو لکھاتے تھے (۲) نظر کمزور تھی بہ مشقت لکھتے تھے مکمل نابینا نہیں تھے۔

یا بن عم اسمع من ابن اخیک.....

بعض روایات میں یا عم ہے لیکن یہ تحریف ہے اور ابن عم اس لئے کہا کہ حضرت خدیجہ اور ابن نوفل کا نسب آگے جا کر ملتا ہے نسب نامہ اس طرح ہے ورقہ بن نوفل بن اسد اور خدیجہ بنت خویلد بن اسد۔

ابن اخیک کہنے کی وجہ:

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ قانون عرب کے قانون کے مطابق ہر چھوٹا بڑے کو عم کہتا ہے اور بڑا چھوٹے کو ابن الاخ کہتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ نسبی لحاظ سے ورقہ آپ کے چچا بنتے ہیں:

”محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد العزی بن قصی بن کلاب اور ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزی بن قصی بن کلاب۔“

هذا لناموس الذی نزل اللہ علی موسی.....

الناموس بمعنی صاحب السر یعنی رازدان بعض حضرات تفصیل کرتے ہیں (۱)

الناموس بمعنی صاحب السر الخیر. الجاسوس: صاحب السر الشر

(۲) صاحب الملک یعنی بادشاہ کارازدان۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تخصیص کی وجہ۔

(۱) بعض روایات میں حضرت عیسیٰ کا ذکر ہے اور جیسے روایات ہیں کہ حضرت خدیجہؓ دو مرتبہ ورقہ کے پاس گئی تھیں تو ایک دفعہ حضرت موسیٰ کا نام لیا ہوگا اور دوسری مرتبہ حضرت عیسیٰ کا نام لیا ہوگا۔ (۲) حضرت موسیٰ کی نبوت بین الیہود والنصارى مسلم تھی۔ (۳) نازل علیٰ موسیٰ جو کتاب تھی وہ جامع تھی کہ قصص، احکام، انذار اور تبشیر پر مشتمل تھی اسی طرح قرآن بھی جامع ہوگا۔

بالیت اکون جذعاً، یالیتنی اکون حیاً.....

جذعاً طاقتور قوی دوسرا جملہ علیٰ سبیل التنزل ہے اور جذع کا اعراب ایک روایت میں بالرفع ہے اور ایک میں نصب کے ساتھ ہے رفع کی حالت میں لیت کی خبر ہے اور نصب کی حالت میں کئی وجوہ ہیں۔

قال او مخرجی ہم.....

(۱) یہ تعجب اس لئے ہوا کہ یہ لوگ باوجود محبت کے مجھے نکالیں گے (۲) آپ کو مکہ سے نکالے جانے پر تعجب ہوا کیونکہ مکہ آپ کو بہت محبوب تھا۔

ان یدرکنی یومک انصرك نصرأ مؤزراً..... ای نصرأ قویاً، فترۃ الوحی میں آپ نے عملی طور پر کسی کو دعوت اسلام نہیں دی تھی اور ورقہ بن نوفل کی وفات اسی دور میں ہوئی تھی جبکہ بعض کہتے ہیں ورقہ بعد تک زندہ رہے جیسے کہ منقول ہے کہ کفار کے عذاب دینے پر حضرت بلالؓ کو تسلی دیتے تھے لیکن اس قول کو ابن حجرؒ اور ابن القیمؒ نے رد کیا ہے۔

کسی نے وفات کے بعد ورقہ کو جنت میں سفید لباس میں دیکھا حضور نے پوچھنے پر فرمایا کہ اس نے میری تصدیق کی تھی لہذا جنتی ہے۔

حکمت فترۃ:

(۱) تاکہ وحی کا رعب ختم ہو جائے (۲) وحی منزل میں غور و فکر کر سکیں (۳) آپ کو

اشتیاق دلانا مقصود تھا۔

مدت فترۃ:

اس میں تین اقوال ہیں (۱) دو سال (۲) ڈھائی سال (۳) چند ایام۔

سوال:

کیا فترت میں وحی بالکل منقطع تھی؟

جواب: وحی تو منقطع تھی لیکن جبریل آپ کو تسلی دینے کیلئے تشریف لاتے رہے۔

فرعبت منہ.....

حضرت جبریل علیہ السلام کو کسی کرسی پر بیٹھا دیکھ کر آپ مرعوب ہو گئے اور یہ طبعی رعب نبوت کے منافی نہیں ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (۱) او جس فی نفسہ
 حنیفة موسیٰ (۲) حکایۃ عن ابراہیم فاو جس منهم حنیفة.

قال ابن شہاب زہری.....

بناء بر قول بعض یہ تعلق ہے یعنی سند کا حصہ اول حذف ہے۔ ابن حجر کا قول ہے کہ یہ
 سند سابق سے منقول ہے زہری تک جا کر سندیں دو ہو جاتی ہیں۔

یا ایہا المدثر..... معلوم ہوا کہ علی الاطلاق وحی بقرا ہے اور بعد الفترۃ ”المدثر“
 ہے۔ بعض کے یہاں بعد الفترۃ ”والضحیٰ“ اور بعض نے الم نشرح کا قول کیا ہے۔

تابعہ..... ضمیر یحییٰ بن بکیر کی طرف راجع ہے۔ متابعت اس کو کہتے ہیں کہ ایک
 محدث دوسرے محدث کے الفاظ اسی سند سے نقل کرے۔

متابعت کی دو قسمیں ہیں (۱) متابعت تامہ (۲) متابعت ناقصہ

متابعت تامہ یہ ہے کہ مثلاً زید عمرو سے بات نقل کر رہا ہے اور بکر بھی یہی بات عمرو
 سے نقل کر رہا ہے اور متابعت ناقصہ اس کو کہتے ہیں کہ بکر مذکورہ مثال میں عمرو سے نہیں بلکہ
 اس کے استاذ یا استاذ الاستاذ سے نقل کرے یہاں حدیث میں دونوں طرح کی متابعت
 ہے۔ عبد اللہ بن یوسف اور ابو صالح دونوں لیث سے نقل کرتے ہیں یہ متابعت تامہ ہے اور
 یہی روایت ہلال بن رذا اور یونس زہری سے نقل کرتے ہیں اور یہ متابعت ناقصہ ہے۔

الحديث الرابع

حدثنا موسى بن اسماعيل..... قال كان رسول الله ﷺ يعالج من التنزيل

شدة.....

المعالجہ: محاولة الشيء بمشقة . اور اس کی چند وجوہ ہیں: (۱) ثقل وحی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لو انزلنا هذا القرآن على جبل لرايته خاشعاً بالآية اور انسا سنلقي عليك قولاً ثقیلاً۔ (۲) دوران وحی فرشتے سے ملاقات ہوتی تھی جو جنس آخر سے تعلق رکھتا تھا کیونکہ وہ نوری مخلوق ہے۔ (۳) فرشتے کا آکہ قرأت اعلیٰ اور سرعت والا ہے تو فرشتے سے اخذ کلام مشقت کا کام ہے اس وقت آپ تین کام کرتے تھے (۱) جبریل کے ساتھ ساتھ پڑھتے (۲) حفظ کی کوشش کرتے (۳) معانی میں غور فرماتے تو یقیناً یہ تینوں مشقت والے کام تھے۔

وكان مما يحرك شفثيه..... قاضى عياض" نے مما کو بمعنی کثیر اٹھایا ہے، بعض نے ربما کے معنی میں لیا ہے اور بعض نے کثرت کے معنی میں لیا ہے۔ علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ "ما" "من" کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے۔ جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ كان مما يحرك شفثيه

لانحرك به لسانك..... اشكال: حدیث میں حرکت شفثین کا ذکر ہے جبکہ قرآن میں حرکت لسان کا ذکر ہے؟

جواب: (۱) یہ باب الاکتفاء سے ہے کہ ایک کو نقل کر کے دوسرا چھوڑ دیتے ہیں لیکن دوسرے کی طرف خود اشارہ ہو جاتا ہے جیسے رب المشارق اور سرا بیل نقیمکم الحر میں ہے۔

جواب: (۲) تحریک لسان مستلزم ہے تحریک شفثین کو تو یہ باب الملازمہ کے قبیل سے ہے۔ جواب: (۳) حدیث میں حرکت شفثین ہے اور قرآن میں حرکت لسان کیونکہ لوگ تو شفثین دیکھتے ہیں لسان کی حرکت نہیں دیکھ سکتے لہذا حدیث میں شفثین کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ سے کیونکہ لسان مخفی نہیں ہے اس لئے قرآن میں لسان کا ذکر ہے۔

جواب: (۴) ابوسفیان کی روایت میں تحریک لسان کا ذکر ہے اور امام ابن جریر نقل کرنے میں کہ حدیث میں لسان اور شفثین دونوں کا ذکر ہے لہذا یہ رواۃ کا تصرف ہے ورنہ

قرآن وحدیث میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

جمعہ لك صدرك اس میں تین اقوال ہیں: (۱) جَمَعَهُ لَكَ صَدْرُكَ

(۲) جَمَعَهُ لَكَ صَدْرُكَ (۳) جمعہ لك صدرك (منصوب بناء بر طرفیت)

فإذا قرأناه یہاں نسبت قرأت خداوند تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے فرشتہ

در حقیقت واسطہ ہے۔

فاتبع قرآنہ قال ابن عباس رضی اللہ عنہ: فاستمع له وأنصت. استماع کان

لگانا انصت کان لگانا چپ رہتے ہوئے۔ انصت مستلزم ہے استماع کو لاکر یعنی استماع

انصت کو مستلزم نہیں ہے۔

احناف کا استدلال: یہاں سے احناف استدلال کرتے ہیں کہ عدم قرأة خلف الامام

پر کیونکہ حدیث ہے انما جعل الامام ليؤتم به (قال الحافظ اي ليتبع به) اور اتباع کی

تفسیر حضرت ابن عباس سے منقول ہے یعنی فاستمع وأنصت استماع اور انصت لهذا

خلف الامام استماع اور انصت ہی ہوگا۔

ان علينا بيانه قال ابن عباس رضی اللہ عنہ: ای ان تقرأه

اشكال:

پہلے قرآنہ کی تفسیر بھی ان تقرأه کے ساتھ کی ہے اور اب بیانہ کی تفسیر بھی تقرأه سے کی۔

یہ تکرار ہے؟

جواب:

پہلے میں قرأت لنفسہ مراد ہے اور دوسرے میں قرأت للناس مراد ہے۔

فإذا انطلق جبریل

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے

کہ چپ رہتے ہوئے بھی سب کچھ یاد ہو جاتا اور جب جبریل علیہ السلام چلے جاتے تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تازہ وحی کو پڑھتے جس طرح جبریل علیہ السلام نے پڑھا تھا۔ علامہ

سہیل فرماتے ہیں کہ ”جبریل“ سریانی کا لفظ ہے اور اس کے معنی عبد الرحمن یا عبد العزیز کے

ہیں، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ کسی جگہ میں نے دیکھا ہے کہ جبریل علیہ السلام کا نام عبد الجلیل ہے اور کنیت ابو الفتوح، حضرت میکائیل علیہ السلام کا نام عبد الرزاق اور کنیت ابو الغنائم ہے، حضرت اسرافیل علیہ السلام کا نام عبد الخالق اور کنیت ابو المناجیح ہے، حضرت عزرائیل علیہ السلام کا نام عبد الجبار ہے اور کنیت ابو یحییٰ ہے۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت:

(۱) آپ کا جلدی جلدی پڑھنا بدء الوحی کے زمانہ میں تھا تو مناسبت ظاہر ہے (۲) وحی کے متعلقات کا بیان ہے (۳) وحی کی عظمت کا بیان ہے کہ اللہ نے وحی کی نسبت اپنی طرف کی ہے (۴) حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کا قول ہے کہ فترت کے بعد وحی کی ابتداء کیسے ہوئی تو ظاہر ہے کہ فرشتہ وحی لیکر آیا۔

اشکال:

یہ آیت سورۃ القیامہ میں ہے اور اس سے پہلے ینبوا الإنسان یومئذ بما قدم و آخر ہے تو اول و آخر قیامت کا بیان ہے تو ما قبل سے اس آیت کا ربط کیا ہے؟

جواب:

(۱) ما قبل اور ما بعد میں ربط مخلوق کے کلام میں ضروری ہے یہ خداوند قدوس کی ذات کیلئے ضروری نہیں ہے۔

(۲) یہ من قبیل التنبیہ ہے کہ قیامت کے احوال تھے آپ درمیان میں پڑھ رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ کی اور پھر کلام سابق کی طرف عود کیا اور یہ امام رازی کا قول ہے۔

(۳) احوال قیامت نازل ہو رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا کہ قیامت کے آنے کے بارے میں حتمی وقت کا پوچھ لوں تو اللہ تعالیٰ نے منع کیا۔

(۴) علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ کلام کی ایک مراد اولی ہوتی ہے جو سیاق و سباق سے معلوم ہوتی ہے اور ایک مراد ثانوی ہوتی ہے جو شان نزول سے معلوم ہوتی ہے مراد اولی کیلئے تو ربط ضروری ہے لیکن مراد ثانوی کیلئے ربط ضروری نہیں ہے اور یہاں حضرت

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مراد ثانی کی بیان کی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

الحديث الخامس

حدثنا عبدان قال أخبرنا عبد الله قال أخبرنا يونس عن
الزهري..... قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم أجود الناس وكان
أجود ما يكون في رمضان حين يلقاه جبريل الحديث۔

عبدان: عبداللہ بن عثمان بن جبلة ان کا نام ہے، ابو عبدالرحمن کنیت ہے لہذا نام اور
کنیت میں دو عبد جمع ہونے کی وجہ سے نام عبدان پڑ گیا۔

”ح“ یہ تحویل سند کی علامت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ”خ“ ہے یعنی الی آخر
الحدیث یا سند آخر اور ”ح“ کے قائلین کے ہاں ایک قول تو یہ ہے کہ یہ تحویل کا مخفف ہے
دوسرا قول یہ کہ علامت تحویل سند ہے مگر پڑھا نہیں جائے گا تیسرا قول الحدیث سے مخفف
ہے چوتھا قول یہ کہ صحیح کی علامت ہے یعنی یہ تو ہم نہ ہو کہ مصنف سے بھول ہو گئی ہے بلکہ یہ
درست ہے یہاں سے دوسری سند شروع ہوتی ہے۔

اس کو پڑھنے کی دو صورتیں ہیں

(۱) حاء (۲) حاء مقصورہ سیبویہ کا قول ہے کہ حروف ہجاء کو جب علیحدہ پڑھتے ہیں تو
ممدود پڑھتے ہیں جیسے باء، تاء، ثاء۔

أجود الناس..... جوہ کی دو تعریفیں ہیں: (۱) قال الامام الراغب والکرماني هو
اعطاء ما ينبغى لمن ينبغى (۲) افادة ما ينبغى لا لعوض تاہم دونوں کا مفاد ایک ہی
ہے جبکہ سحاء مطلق دینے کو کہتے ہیں۔

اشکال:

حضور صلی اللہ علی وسلم أجود الناس کیسے تھے؟ حالانکہ آپ کے یہاں خود فقر وفاقہ رہتا۔

جواب:

(۱) حضرت شیخ الحدیث فرماتے ہیں کہ آپ کا فقر وفاقہ اختیاری تھا۔ (۲) آپ کے
فقر وفاقہ کا سبب ہی جوہ تھا (۳) جوہ کیلئے مال ضروری نہیں ضال کو راہ دکھانا، جاہل کو مسئلہ

بتانا بھی جو د میں داخل ہے۔

ایک وہم:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسے لوگ آئے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بڑی بڑی رقمیں فی سبیل اللہ خرچ کیں؟

ازلہ:

زیادہ مقدار دینا اچود ہونے کیلئے معیار نہیں بلکہ ملکیت کے اعتبار سے زیادہ خرچ کرنا معیار ہے اور اس اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ملکیت کی تمام چیزیں فی سبیل اللہ خرچ کی ہے۔

وکان اچود مایکون فی رمضان.....

مراتب جو د کا بیان ہے (۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم طبعاً اچود تھے رمضان المبارک میں جو د اور بڑھ جاتا تھا (۳) پھر رمضان میں جبریل کی ملاقات سے جو د اور بھی بڑھ جاتا کیونکہ رمضان خیر و برکت کا مہینہ ہے اس میں باری تعالیٰ کی عطائیں بڑھ جاتی ہیں اسی مناسبت سے آپ کا جو د بڑھتا تھا اس کے علاوہ جبریل علیہ السلام سے ملاقات ہوتی اور فرشتہ میں کیونکہ حرص کا مادہ نہیں ہوتا تو اس کی صحبت کا اثر آپ پر بھی پڑتا اور رمضان نزول قرآن کا مہینہ ہے جس میں انفاق فی سبیل اللہ کا حکم ہے اور جب رمضان میں نبی علیہ السلام حضرت جبریل سے دور فرماتے تو انفاق کا حکم بھی دہرایا جاتا لہذا اچود میں بھی اضافہ ہوتا۔

کان اچود بالخیر من الريح المرسلۃ..... یعنی جیسے ہوا کا فائدہ بلا تخصیص عام ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو د اس سے بھی زیادہ عام تھا۔

فائدہ:

جو د اللہ تعالیٰ کی صفت ہے لیکن اللہ تعالیٰ کیلئے سخی کا لفظ نہیں بولا جاتا فرق جو د اور سخی میں یہ ہے کہ (۱) جو د ایک ملکہ ہے اور سخاء اس کا اثر ہے باری تعالیٰ قبول اثر سے منزہ ہے (۲) جو د میں سخاء ماینبغی اور لالعوض ہوتا ہے جبکہ سخا میں اعطاء بھی لعوض بھی ہوتا

ہے۔

اشکال:

دور پورے قرآن کا ہوتا یا صرف حصہ منزلہ من القرآن کا؟

جواب:

(۱) دونوں قول موجود ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ پورا قرآن دور ہوتا تھا لیکن بعد میں غیر منزلہ حصہ بھول جاتا (۲) راجح یہ ہے کہ حصہ منزلہ کا دور ہوتا ورنہ واقعہ آفک میں آپ کو پریشانی کیوں ہوتی؟

سوال: دور کے فوائد کیا تھے؟

جواب: (۱) ادائیگی حروف کا طریقہ سکھلانا (۲) ترتیب کا معلوم ہونا (۳) آیت منسوختہ کا علم ہو جانا (۴) اس سے آپ کا حفظ پختہ ہو جاتا اور وعدہ ربانی کی تکمیل ہوتی۔ یہ دور رات کے وقت ہوتا تھا تا کہ آپ کے معمولات میں خلل نہ پڑے اور دور میں کوئی دوسرا مخل نہ ہو۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت:

(۱) اگر ترجمۃ الباب کے مقصد بیان وحی لیا جائے تو حدیث میں وحی (قرآن) کا بیان ہے (۲) اگر عظمت وحی مراد لی جائے تو دور اور مدارسہ میں عظمت قرآن کا بیان ہے (۳) اگر ترجمۃ الباب کو عام لیا جائے تو موچی الیہ کی صفات کا بیان ہے (۴) رمضان میں قرآن کا دور ہوتا جبکہ باب میں بدء الوحی مذکور ہے جو کہ رمضان میں ہوئی (۵) حدیث میں لقاء جبریل علیہ السلام کا ذکر ہے اور بدء الوحی بھی لقاء جبریل سے ہوئی (۶) حدیث میں رمضان کا ذکر ہے اور اسی میں بدء الوحی ہوئی۔

تمام کتب سماویہ کا نزول رمضان میں ہوا: (۱) توراہ ۶ رمضان (۲) زبور ۱۲ رمضان (۳) انجیل ۱۸ رمضان اور قرآن مجید ۲۴ یا ۲۷ رمضان کو نازل ہوا۔

الحديث السادس

حدثنا ابو اليمان الحكيم بن نافع..... ان اباسفيان بن حرب اخبره

ان هرقل ارسل اليه في ركب من قريش.....

اس حدیث سے پہلے دو تمہیدیں ضروری ہیں:

تمہید اول:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے دنیا میں کئی حکومتیں تھیں مگر دو بڑی حکومتیں یہ تھیں:

(۱) رومیوں کی، جو مغرب میں مصر و شام تک تھی اور اٹلی اس کا دار الخلافہ تھا یہ لوگ مذہباً عیسائی تھے۔

(۲) ایرانی حکومت، یہ خراسان و وسطی ایشیا اور یمن تک تھی اور یہ لوگ مجوسی تھے۔ عرب کا کچھ علاقہ ان کی حکومت میں تھا اور کچھ علاقہ رومیوں کے ہاتھ میں تھا اور ان دونوں میں اکثر و بیشتر لڑائی ہوا کرتی تھی لیکن ۶۰۳ء سے لیکر ۶۱۴ء تک بڑی لڑائی ہوئی اور ۶۱۴ء میں ایرانیوں نے ایک بڑا حملہ کیا اور رومیوں کو شکست دیدی اور عبرت کے طور پر ان کا بڑا صلیب بھی اٹھالائے اس پر رومی بادشاہ نے نظر مانی کہ اگر مجھے ایرانیوں پر فتح ہوئی تو پیدل بیت المقدس میں حاضری کیلئے جاؤں گا۔ رومی چونکہ اہل کتاب تھے اس لئے مسلمانوں کے زیادہ قریب تھے مسلمان ان کی فتح پر خوش ہوتے اور ایرانی کیونکہ آتش پرست تھے اس لئے مشرکین ان کی فتح سے خوش ہوتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۵۷۰ء میں ہوئی اور ۶۱۰ء میں آپ کو نبوت عطاء ہوئی اسی دوران یہ لڑائی جاری تھی اور ایرانیوں کی فتح کے کچھ مدت بعد سورۃ الروم نازل ہوئی جس میں غلبہ روم کی بشارت تھی تو مشرکین نے قرآن اور مسلمانوں کا مذاق اڑانا شروع کیا کہ رومیوں کو ایسی شکست ہوئی ہے کہ وہ دوبارہ جنگ کی طاقت نہیں رکھتے اور مسلمان کی ان کی فتح کا خیال رکھتے ہیں۔ اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا اور آپ نے ایک شخص کے ساتھ پہلے ایک سال اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے نو سال کیلئے ۱۰۰ سو اونٹوں کی شرط لگائی کہ اگر نو سال میں رومی فاتح نہ ہوئے تو میں سواونٹ دوں گا اور اگر رومی فاتح ہوئے تو تم دو گے۔ اسی اثناء میں ہجرت کا واقعہ پیش آیا اور جنگ بدر کی نوبت آئی تو اسی

دوران ایک طرف مسلمانوں کو جنگ بدر میں فتح ہوئی اور دوسری طرف رومیوں کو فارسیوں پر فتح ہوگئی اور انہوں نے اپنے مقبوضہ علاقے چھڑانے کے علاوہ ایرانیوں کے علاقے پر بھی قبضہ کر لیا تو مشرکین کو دوطرفہ مایوسی ہوئی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے شرط والے سو اونٹ لیکر بحکم نبوت صدقہ کر دیئے۔

تمہید دوم:

شاہ روم کو نذر پوری کرنے میں دیر ہوگئی، کچھ عرصے بعد وہ نذر پوری کرنے کیلئے چل پڑا۔ ادھر چھ ہجری میں صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا۔ صلح حدیبیہ میں مسلمانوں نے بظاہر دبا کر صلح کی لیکن دراصل یہ مسلمانوں کی فتح تھی۔ اس صلح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے طرف سے مطمئن ہو گئے اور آپ نے شاہان عالم کی طرف خطوط دعوت لکھنے شروع کیے۔

شاہ روم کا خط آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحیہ الکلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا اور فرمایا کہ بواسطہ گورنر بصری ہرقل کو پہنچا دو۔ یہ سن ۶ ہجری کے آخر یا ۷ ہجری کے اوائل کا واقعہ ہے ہرقل قسطنطنیہ سے حمص تک پیدل پہنچ چکا تھا وہاں اسے یہ خط موصول ہوا پھر ہرقل بیت المقدس گیا وہاں خواب دیکھا کہ ملک الختان غالب آ گیا ہے۔ صبح کچھ پریشان تھا درباریوں کے دریافت کرنے پر تفصیلی خواب بیان کیا تو درباریوں نے تسلی دی کہ ختنہ تو صرف یہود کرتے ہیں اور وہ آپ کی حکومت میں متفرق ہیں اور ان میں حکومت کی صلاحیت بھی نہیں ہے پھر بھی ہم ان کو احتیاطاً قتل کر دیں گے۔ اس دوران ملک غسان حارث نے عدی بن حاتم کے ہاتھ خط بھیجا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہو گیا ہے اور اب وہ جہاد کا ارادہ رکھتے ہیں تو ہرقل نے کہا کہ قاصد عدی بن حاتم کو دیکھو کہ مختون ہے کہ نہیں، معلوم ہوا کہ عدی مختون ہے پھر عرب کے بارے میں پوچھا تو کہا کہ عرب بھی ختنہ کرتے ہیں تو اس پر ہرقل نے کہا کہ یہی نبی ملک الختان ہے مزید تفتیش کیلئے ہرقل نے حکم دیا کہ دیکھو کہ اگر شام میں مکہ سے قافلہ آیا ہو تو بلا لاؤ۔ اس وقت ابوسفیان بمع بیس آدمیوں کے تجارت کی غرض سے شام آئے تھے۔ ان کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا بادشاہ نے ابوسفیان سے گیارہ سوالات کیے۔ دوسری تفتیش یوں کی کہ قسطنطنیہ کے بڑے پادری ضغاطر کے پاس

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پہنچا، ضغاطر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کر دی۔ تو ہرقل نے حمص کے مقام پر تمام گورنروں کو جمع کیا اور قصر (محل) کے تمام دروازے مقفل کیے اور چابیاں اپنے پاس رکھ لیں اور خود محفوظ مقام پر چڑھ گیا اور وہاں سے لوگوں سے مخاطب ہوا کہ اگر کامیابی چاہتے ہو اور ملک کی بقاء چاہتے ہو تو اس نبی کو تسلیم کر لو یہ سن کر سب لوگ وحشی جانوروں کی طرح بدکنے لگے اور سخت غصہ کا اظہار کرنے لگے۔ ہرقل نے بھانپ لیا کہ اگر میں نے اسلام قبول کر لیا تو لوگ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے لہذا ان کو واپس بلایا اور کہا کہ میں تمہارا امتحان لینا چاہتا تھا سو تم پاس ہو گئے تو تمام لوگ قیصر (ہرقل) سے راضی ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ہرقل کو خط لکھا تو اس نے ضغاطر کو بھیجا ضغاطر نے سفید لباس پہنا اور علی الاعلان کلمہ پڑھا تو لوگوں نے اس کو شہید کر دیا۔ ہرقل نے قاصد رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا عذر بیان کیا کہ لوگ ضغاطر کی طرح مجھے بھی مار دیں گے ورنہ میں مسلمان ہو جاتا۔ لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ ”کذب عدو اللہ“۔

ان ابا سفیان بن حرب اخبرہ.....

یہ حدیث اس قبیل سے ہے کہ کُل حدیث کے وقت راوی کا فر ہو اور ادا کے حدیث کے وقت مسلمان ہو۔ اور یہ ادا حدیث محدثین کے ہاں مقبول ہے جس کی دلیل یہ حدیث ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماد فیہا ابا سفیان و کفار

قریش.....

مدت صلح بنی اسرائیل دس سال یا چار سال مگر اول قول راجح ہے۔

ان هرقل ارسل الیہ.....

یعنی ہرقل نے ابوسفیان کو بلا بھیجا۔ ہرقل ہاء کے کسرہ اور راء کے فتح اور قاف کے سکون کے ساتھ مشہور ہے۔ ہرقل کا لقب قیصر تھا اور یہ رومیوں کے ہر بادشاہ کا لقب ہوا کرتا تھا۔ اسی طرح فرعون مصر کا قیٹون یہود کا خاقان ترک کا، جالوت بربک کا، کسریٰ فارس کا،

نمرود صائب کا، عزیز یمن کا، نجاشی کا حبشہ کا اور بطلموس یہود کے بادشاہ کا لقب ہوا کرتا تھا۔
ایلیاء..... یہ عبرانی کا لفظ ہے ایل بمعنی "اللہ" اور یاء بمعنی "بیت" یعنی بیت اللہ، یہ
بیت المقدس شہر کا نام ہے۔

ثم دعاهم..... (۱) پہلی مرتبہ قصر میں بلایا پھر اپنی مجلس میں بلایا (۲) اولاً مجلس میں
بلایا پھر مزید قریب بلایا۔

و دعا بترجمانہ..... ایکم اقرب نسباً لهذا الرجل.....

کیونکہ اس طرح نسب میں بے جا ناقص نہیں نکالے گا ورنہ اپنی بدنامی ہوگی اور اس
کے علاوہ قریب النسب بہ نسبت اجانب کے زیادہ واقفیت رکھتا ہے۔ ابوسفیان آپ کے
قریب النسب تھے اس طرح کہ ابو سفیان یعنی صخر بن حرب بن امیہ بن عبد
شمس بن عبد مناف اور محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد
مناف۔

فاجعلوہم عند ظہرہ..... باقی آدمیوں کو اس لئے پیچھے بٹھایا کہ اگر سامنے ہوتے
تو ابوسفیان کے جھوٹ بولنے پر بھی حیا سے چپ رہتے، نیز جب سامنے ہونگے تو ایک
دوسرے کو اشارہ کر سکیں گے۔

هذا الرجل.....

"هذا" کا اشاریہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اگرچہ آپ وہاں موجود نہیں تھے لیکن
هذا کا اشاریہ محسوس بالبصر ہونا ضروری نہیں ہے۔

لولا الحياء من ان يأتروا على كذباً..... اس عبارت کے دو مطلب ہیں
(۱) میرے ساتھی ہر قل کے سامنے تو میری تکذیب نہیں کریں گے لیکن گھروں میں جا کر کہہ
دیں اور میں جھوٹ میں مشہور ہو جاؤں گا اور عرب کے جہلاء بھی جھوٹ کو عیب سمجھتے تھے۔

(۲) جب مکہ میں میرا جھوٹ ظاہر ہوگا تو لوگ بغرض تجارت شام کو آئیں گے تو
یہاں بھی میرا جھوٹ عام ہو جائے گا اور بالآخر ہر قل کو خبر ہو جائے گی۔

اشکال:

لكذبت عنه کے بجائے لكذبت عليه درست ہے؟

جواب:

یہاں عبارت محذوف ہے اصل میں لكذبت مخبراً عنه ہے۔

حسن الأشياء شرعی: معتزلہ ابوسفیان کے قول سے استدلال کرتے ہیں کہ
اشیاء کے اندر حسن و قبح عقلی ہے جبکہ احناف کہتے ہیں کہ اشیاء کے اندر حسن و قبح شرعی ہے
اور ابوسفیان کا جھوٹ کو عیب جاننا عقل کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ شرائع سابقہ کی وجہ سے ہے
کہ شرائع سابقہ میں جھوٹ حرام تھا اور یہ اس کے اثرات تھے عرب پر

ذو نسب.....

عرب میں قریش سب سے معزز خاندان تھا اور اس میں ہاشمی سب سے معزز تھے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان چھ سو سال کا عرصہ رہا کسی نے
بھی اس عرصہ میں دعویٰ نبوت نہیں کیا تھا جبکہ آپ کے بعد آپ کی حیات طیبہ میں لوگوں
نے نبوت کا دعویٰ کیا۔

قط..... قاعدہ یہ ہے کہ یہ کلام منفی کی تاکید کیلئے آتا ہے لیکن کبھی کلام مثبت پر بھی داخل
ہوتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ بھی کلام منفی ہے اس طرح کہ: فہل قال هذا القول أحد
منکم او لم یقلہ قط۔

من ملک.....

اس کو ملک بھی پڑھ سکتے ہیں بمعنی بادشاہ اور ملک ماضی بھی پڑھ سکتے ہیں۔

اشکال:

ابوسفیان نے کہا کہ ضعیف لوگ آپ کے تابعدار ہیں اس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ
عنه، حضرت عمر رضی اللہ عنہ و حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اس کے علاوہ اوس اور خزرج کے
سر دار آپ کے تابعدار تھے تو ان کو کیسے ضعیف کہا؟

جواب:

(۱) اکثریت ضعیف کی تھی (۲) شرفاء وہ کہلاتے جو دوسروں پر مظالم ڈھاتے۔

سخطة لدينه.....

دین سے مرتد ہونا دنیاوی لالچ کیلئے دین کا نقص نہیں لیکن دین میں غور و فکر کے بعد اس کو مکروہ جان کر مرتد ہونا دین کا نقص ہے۔ اس وقت اگرچہ ابوسفیان کے داماد عبد اللہ بن جحش مرتد ہو گئے تھے لیکن یا تو ابوسفیان کو ابھی تک علم نہیں تھا اور نیز وہ دنیاوی لالچ کے تحت مرتد ہوئے تھے۔

فهل كنتم تتهمونه بالكذب.....

یہ نہیں پوچھا کہ هل يكذب اس لئے کہ (۱) تہمت کذب کی نفی کرنے سے کذب کی نفی خود بخود ہو جاتی ہے (۲) دوسرا یہ جاننا تھا کہ دشمن ہو کر بھی تہمت نہیں لگاتے۔

فهل قاتلتموه.....

يقاتلونكم نہیں پوچھا کیونکہ پیغمبر از خود جنگ کی ابتداء نہیں کرتا۔

الحرب بيننا مسجال.....

(۱) جس طرح کنویں کا ڈول نمبر وار لوگ استعمال کرتے ہیں ہماری فتح بھی نمبر وار رہی ہے۔ (۲) عرب میں ڈول ایسے ہوتے تھے کہ اگر ایک ڈول اوپر تو دوسرا نیچے خود بخود چلا جاتا، ہماری بھی یہی کیفیت ہے۔

نقل ابن حجر عن استاذہ : ابوسفیان نے انصاف سے کام نہیں لیا کیونکہ مشرکین ابھی تک کھلی فتح حاصل نہیں کر سکے تھے لیکن فرمایا کہ صحیح بات یہ ہے کہ احد میں نتیجہ کفار کو فتح ہوئی اگرچہ شروع میں مسلمان غالب رہے۔

بالصلوة والصدق..... بعض روایات میں بالصلوة والصلقة آیا ہے اور اسی کو

حافظ ابن حجر نے راجح قرار دیا ہے موافقة لكلام الله نیز صدق عرب میں پہلے سے ہی پسندیدہ تھا اس لئے صدقہ ہی بہتر ہے۔

اتباع الرسل.....

ضعیف لوگ اکثر مظالم میں گھرے ہوتے ہیں تو جب کوئی تحریک نیک کی آواز لگتی ہے تو یہ اس کا ساتھ دیتے ہیں۔

تخالط بشاشته.....

اس کا معنی انشراح، اطمینان اور خوشی کے آتے ہیں۔ یہاں قلب کا انشراح اور اطمینان مراد ہے۔

فإذا فيه من محمد عبد الله ورسوله الى هرقل عظيم الروم، سلام عنى من اتبع الهدى.....

جس کو دعوت دینی جائے اُس کیلئے تعظیم کے کلمات کہنے چاہئیں اور اقرار کیلئے سلام کرنے کا یہی طریقہ اپنانا چاہئے تاکہ وہ متنفر بھی نہ ہوں اور ساتھ ساتھ ذی عقل کیلئے تنبیہ بھی ہو جائے۔

أسلم تسلم يؤتك الله أجرك مرتين.....

(۱) حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص اپنے نبی پر بھی ایمان لائے اور پھر بعد میں مجھ پر بھی ایمان لائے تو اس کیلئے دو گنا اجر ہے۔ (۲) ہرقل کا ایمان لانا رعایا کیلئے سبب ایمان ہوتا کیونکہ الناس علی دین ملوکھم۔

فإن توليت فإن عليك اثم اليريسيين.....

الیریسین: اس لفظ کے ضبط میں پانچ قول ہیں: (۱) الیریسین، ہمزہ مفتوحہ راء مکسورہ اور سین کے بعد یاء (۲) الیریسین، ہمزہ مفتوحہ، راء مکسورہ اور سین کے بعد ایک یاء ساکنہ (۳) الیریسین، راء مکسورہ سے پہلے یاء اور سین کے بعد دو یاء (۴) الیریسین، راء مکسورہ سے پہلے یاء اور سین کے بعد ایک یاء (۵) الیریسین، ہمزہ مکسورہ، راء مشدودہ مکسورہ پھر یاء ساکنہ پھر یاء ساکنہ اور پھر سین اور پھر یاء۔

(۱) الیریسین بمعنی زراعتین اور اکارین ہے اور ہرقل کی رعایا میں اکثر لوگ کھیتی باڑی کرنے والے تھے۔ تو یہی ہرقل ان کے کفر کیلئے سبب بن جاتا کیونکہ زمیندار اکثر جاہل ہوتے ہیں۔ (۲) روم میں الیریسین اور الیریسین نام کا ایک فرقہ تھا ہرقل کا تعلق اسی سے تھا۔ (۳) اس سے مراد خواص ہیں۔

وكثر عنده الصخب فاخرجنا..... لقد أمر أمر أبي كبشه.....

ابن ابی کبشہ کا مصداق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (۱) حضرت آمنہ کے والد کی کنیت ابو کبشہ تھی تو ابوسفیان نے تحقیراً نسبت کی۔ (۲) وہب کے نانا کی کنیت تھی۔

(۳) عرب میں ایک آدمی ابو کبشہ تھا جس نے بت پرستی چھوڑ کر ستاروں کی عبادت شروع کی تھی اس کے بعد سے عرب میں جو کوئی بھی آبائی دین سے منحرف ہوتا اسکو ابو کبشہ کہتے تھے۔ (۴) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے کسی غیر معروف کی کنیت تھی۔ (۵) آپ کا رضاعی باپ ابو کبشہ تھا۔ (۶) رضاعی ماں کے دادا یا نانا کی کنیت تھی۔ مطلب یہ تھا کہ غیر معروف شخص اتنا بڑھ گیا کہ شاہ روم بھی گھبرا گیا۔

ملک بنی الأصفر.....

(۱) اصفر بن روم بن عیص بن اسحق بن ابراہیم۔ اس وجہ سے یہ بنی الاصفر کہلاتے

ہیں۔

(۲) عیص کا نکاح حضرت اسمعیل کی بیٹی سے ہوا تھا عیص سرخ و سفید تھا جبکہ زوجہ کی رنگت سیاہ تھی اس ملاپ سے پیدا ہونے والے بچے اصفر تھے۔

(۳) روم کے کمن پادشاہ کا نکاح حبشہ کی شہزادی سے ہوا تھا اس ملاپ سے اصفر بچے پیدا ہوئے۔

(۴) حبشہ اور روم کی لڑائی میں حبشی غالب آگئے اور انہوں نے غلبہ پالنے کے بعد رومی عورتوں سے زنا کیا جس سے اصفر بچے پیدا ہوئے۔ واللہ اعلم

کان ابن الناطور صاحب ایلیاء.....

یہ سند سابق سے نقل ہے اور امام زہری ابن ناطور سے نقل کرتے ہیں۔

مسئلہ:

صاحب کا حقیقی معنی مصاحب ہے اور گورنر پر بھی علی سبیل المجاز اطلاق ہوتا ہے۔ اور یہاں بھی صاحب ایلیاء سے مجازی معنی مراد ہے اور صاحب ہر قیل سے حقیقی معنی مراد ہے۔ یعنی عموم مجاز کا استعمال ہوا ہے جو کہ شوائع کے ہاں جائز ہے جبکہ احناف کے یہاں درست نہیں ہے اور احناف تاویل کرتے ہیں کہ ہر قیل سے پہلے بھی صاحب مقدر ہے اول بمعنی مجازی مستعمل ہے اور دوسرا بمعنی حقیقی مستعمل ہے یہ عموم مشترک ہے عموم مجاز نہیں ہے۔ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی سے خود عموم مجاز کا قول منقول نہیں ہے۔

سقف.....

بمعنی لاٹ پادری بعض اسقف کہتے ہیں اس میں چند اقوال ہیں:

(۱) اسم ہے سقف بالجزم

(۲) تشدید الفاء سقف

(۳) فعل ماضی از تفعیل بمعنی سُقِف

(۴) ماضی مجہول از باب افعال أُسقف۔

بطارقتہ..... خواص دولتہ.

یہ بطریق کی جمع ہے اس کا معنی ہے فائدہ

کان حزاء ينظر فی النجوم.....

(۱) حزاء موصوف اور ينظر فی النجوم صفت ہے۔ کیونکہ کہانت کی کئی قسمیں ہیں

(۱) فطری (۲) شیاطین کی امداد سے (۳) علم نجوم سے تو یہاں قسم ثالث کو واضح کیا۔

(۲) ينظر فی النجوم: خبر بعد خبر ہے کہ فطری کہانت کے علاوہ علم نجوم بھی

حاصل تھا۔

ملك الختان قد ظهر.....

علم نجوم میں برج عقرب میں جب شمس و قمر جمع ہو جائیں تو اسے قرآن السعدین کہتے

ہیں یہ بیس سال بعد ہوتا ہے اور اس سے ایک بڑا واقعہ منسلک ہوتا ہے۔ پہلی دفعہ قرآن آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت ہوا پھر اعطاء نبوت کے وقت ہوا تھا پھر فتح خیبر اور فتح

مکہ کے وقت بھی ہوا اور ہر قتل نے بھی یہی قرآن دیکھا تھا اور اس سے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ ملک

الختان کا غلبہ ہوگا۔

فائدہ:

(۱) درباریوں کو عرب کا ختنہ معلوم نہیں تھا۔

(۲) معلوم تھا لیکن عرب کا عدم تھے ان کی کوئی حیثیت نہیں تھی اس لئے ان کا ذکر

نہیں کیا۔

فكان ذلك آخر شان هرقل.....

فتح الباری اور عمدۃ القاری میں ہے کہ الاستیعاب میں علامہ ابن عبدالبر نے ہرقل کو مسلمان لکھا ہے لیکن حافظ ابن حجر اور دیگر فرماتے ہیں کہ ہرقل مسلمان نہیں تھا اگرچہ اسے یقین کامل ہو گیا تھا لیکن مسلمان نہیں ہوا چنانچہ مسند احمد میں ہرقل کے ایمان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے: کذب عدو اللہ.

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری باب کے آخر میں ایسے الفاظ لاتے ہیں جن سے اختتام باب کی طرف اشارہ ہوتا ہے جیسے فکان آخر شان هرقل. واللہ اعلم حضرت شیخ الحدیث کا قول:

امام بخاری ہر باب کے آخر میں ایسے الفاظ لاتے ہیں جس سے انسان کے خاتمہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت:

(۱) بناء پر قول علامہ سندھی کہ امر وحی کا بیان ہے تو یہاں بھی موحی الیہ کے اوصاف کا بیان ہے۔

(۲) اس حدیث میں بدء الوحی کا ذکر ہے۔

(۳) عظمت وحی کا بیان ہے کہ ضغاطر، ابوسفیان، ابن ناطور اور ہرقل سب نے اس کی عظمت کو تسلیم کیا۔ واللہ اعلم

☆☆☆ قد تم شرح کتاب الوحی ☆☆☆

کتاب الایمان

بسم اللہ الرحمن الرحیم، باب: قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: بنی الاسلام علی خمس وهو قول وفعل ویزید وینقص۔ قال اللہ تعالیٰ لیزدادوا ایماناً مع ایمانہم، وزدناہم ہدی، ویزید اللہ الذین اہتدوا ہدی، فاحشواہم فزادہم ایماناً.

پہلی بات:

باب الوحی کو بطور تمہید امام بخاری لائے ہیں کیونکہ تمام احکام اسلام خواہ عقائد ہوں یا عبادات سب محتاج ہیں وحی کے جب وحی کے ذریعے خالق اور مخلوق کا تعلق حاصل ہوا تو اب ضروری ہے کہ خالق کی ذات و صفات کا یقین ہو جائے اس لئے کتاب ایمان لائے ہیں۔

دوسری بات:

وحی کے بیان میں لفظ باب اور یہاں کتاب لائے ہیں تاکہ مقدمہ اور مقاصد میں فرق ہو کیونکہ کتاب کے اندر مختلف النوع مسائل کو جمع کیا جاتا ہے اور باب کے اندر متفق النوع مسائل ہوتے ہیں۔

فائدہ:

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کا قول ہے کہ ک، ب اور ت کا مادہ ضم اور اجتماع پر دلالت کرتا ہے اور کتاب لغوی اعتبار سے مدخل کو کہتے ہیں۔

امام بخاری کا طریقہ کار:

بسم اللہ کبھی کتاب کے شروع میں لکھتے ہیں کبھی کتاب کے آخر میں اور کبھی بالکل باب کے درمیان میں بے ربط بسم اللہ لکھی ہوتی ہے۔ حضرت شیخ الحدیث کا قول ہے کہ یہ اختلاف نسخ کی وجہ سے ہے البتہ جہاں بے ربط درمیان میں ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی امام بخاری نے درمیان میں وقفہ کیا تو دوبارہ شروع کرتے وقت بسم اللہ لکھ دی۔

علامہ عینی کا قول ہے کہ کتاب الایمان کو (۱) مرفوع پڑھ سکتے ہیں بناء برابتداء یا بناء بر خبریت یعنی ہذا کتاب الایمان یا کتاب الایمان ہذا (۲) منصوب پڑھ سکتے ہیں یعنی ہاک کتاب الایمان یاخذ کتاب الایمان۔

ایمان کا لغوی معنی:

ایمان یہ باب افعال سے ہے اور امن سے ماخوذ ہے بمعنی اطمینان دلانا اور ازالہ خوف کرنا بعض کے ہاں لغت کے اعتبار سے ایمان کا اطلاق تصدیق پر بھی ہوتا ہے جب ایمان ”باء“ کے صلہ کے ساتھ استعمال ہو، پھر ”باء“ کبھی تو ذوات پر داخل ہوتی ہے جیسے ”

امنت باللہ“ اور کبھی احکام پر جیسے ”امن الرسول بما أنزل الیہ“ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اطمینان اور ازالہ خوف معنی حقیقی ہے اور تصدیق معنی مجازی ہے لیکن علامہ زحشری کے یہاں حقیقتاتینوں پر اطلاق ہوتا ہے۔

ایمان کا شرعی معنی:

تصدیق النبی صلی اللہ علیہ وسلم بما علم مجتہد اجمالاً فیما علم اجمالاً وتفصيلاً فیما علم تفصيلاً اور بعض نے اختصار ایوں تعریف کی ہے تصدیق النبی صلی اللہ علیہ وسلم بجمیع ما جاء به۔

طریقہ استعمال:

ایمان کبھی ایک مفعول کو متعدی ہوتا ہے جیسے امنتہ اور کبھی دو مفعول کو جیسے امنتہ غیری اور کبھی مفعول کی طرف بالواسطہ متعدی ہوتا ہے جیسے امنت باللہ اور وما انت بمؤمن لنا، ما امن علیہ البشر

ایمان کی حقیقت:

فرق اسلامیہ ایمان کے بارے میں دو قسم کے ہیں

(۱) اہل سنت

(۲) فرق مبتدعہ

اہل سنت پھر دو قسم پر ہیں (۱) محدثین (۲) فقہاء متکلمین

پھر متکلمین دو قسم پر ہیں:

(۱) اشاعرہ: جو امام ابو الحسن الاشعریؒ کی طرف منسوب ہیں۔ ان کی طرف اکثر فقہاء

مالکیہ اور شوافع منسوب ہیں۔

(۲) ماتریدیہ یعنی محمد بن محمد بن احمد الماتریدی کے اتباع ان کی طرف احناف منسوب

ہیں یہ تین واسطوں سے امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔

حنا بلہ:

ان کا تعلق محدثین کے ساتھ ہے۔

صوفیاء:

یہ بھی اہل سنت والجماعت کی ایک شاخ ہے جو نصوص کی بجائے اشراق نوری سے کام

لیتے ہیں۔

فرق مبتدعہ:

(۱) جہمیہ جو جہم بن صفوان کی طرف منسوب ہیں (۲) کرامیہ جو محمد بن کرام کی طرف

منسوب ہے (۳) مرجیہ (۴) معتزلہ (۵) خوارج

(۱) جہمیہ کا مذہب:

ایمان معرفت الہیہ کا نام ہے الايمان معرفة بالقلب جس کو اللہ وحدہ لا شریک کی

ذات کی معرفت ہو وہ مؤمن ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن، جنت اور جہنم کی

معرفت بھی ہو۔

لیکن اس بناء پر تو ابو طالب، ہرقل اور یہود کو بھی مؤمن کہنا چاہئے حالانکہ یہ باطل

ہے۔

(۲) کرامیہ کا مذہب:

ان کے ہاں ایمان فقط اقرار کا نام ہے صرف اقرار کرنے سے بندہ مؤمن ہوگا

تصدیق بالقلب اور عمل بالجوارح کی ضرورت نہیں۔

(۳) مرجیہ کا مذہب:

الایمان هو التصديق بالقلب اور الطاعة لا تنفع والمعصية لا تضر، ان

کو مرجیہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ارجاء سے ماخوذ ہے جس کے معنی مؤخر کرنے کے آتے

ہیں اور یہ بھی عمل کو ایمان سے مؤخر کرتے ہیں لہذا ان کو مرجیہ کہا جاتا ہے جیسے آیت میں

ہے واخرون مرجون لامر الله: سورة التوبة: ۱۰۶

(۴) خوارج کا مذہب:

الایمان التصديق بالقلب والاقرار باللسان والعمل بالاركان. ان ہاں

مرتبک کبیرہ کافر ہے۔

(۵) معتزلہ کا مذہب:

ان یہاں بھی مذکورہ تعریف ہے لیکن ان کے ہاں مرتکب کبیرہ کافر نہیں بلکہ خارج از اسلام اور غیر داخل فی الکفر ہوگا اور ان کے ہاں ایمان اور کفر کے درمیان واسطہ ہے۔

(۶) بعض معتزلہ کا مذہب:

ان کے ہاں تارک مستحب و مندوب بھی قاسق ہوتا ہے۔

محدثین کا مذہب:

امام احمد بن حنبل، امام شافعی، امام مالک وغیرہ ان کے نزدیک تعریف یہ ہے:

الایمان معرفة بالقلب والاقرار باللسان والعمل بالارکان وهو یزید وینقص اور کبھی اقرار و عمل کو یوں تعبیر کرتے ہیں وهو قول و فعل متکلمین بشمول امام ابوحنیفہ کا مذہب:

الایمان التصدیق بالقلب. اور اقرار باللسان میں دو قول ہیں:

(۱) یہ ایمان کا رکن ہے تصدیق قلبی کی طرح عند الطحاوی۔

(۲) احکام دنیوی کے اجراء کیلئے شرط ہے لیکن تصدیق قلبی کی طرح حقیقت ایمان

میں داخل نہیں کیونکہ کبھی اقرار ساقط ہو جاتا ہے جبکہ تصدیق قلبی کبھی ساقط نہیں ہوتی۔ یہی صحیح اور مشہور قول ہے۔

معنی تصدیق:

یہاں تصدیق لغوی مراد ہے تصدیق منطقی (نسبت تامہ بین الشیئین کا ادراک)

مراد نہیں کیونکہ تصدیق لغوی اختیاری ہے اور تصدیق منطقی غیر اختیاری ہے اور تصدیق لغوی کبھی جھوٹ اور انکار کے ساتھ جمع نہیں ہوتی جبکہ تصدیق منطقی بسا اوقات جمع ہو جاتی ہے۔

اقرار و اعمال:

قول اصح کے مطابق امام صاحب کے یہاں اقرار ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں

ہے الہذا، اجراء احکام کیلئے شرط ہے اور اعمال بھی ایمان کے اجزاء نہیں جبکہ محدثین کے ہاں ایمان کے اجزاء ہیں۔ امام بخاری جزئیات اعمال کے ثبوت کیلئے کئی ابواب قائم کریں گے۔

جن نصوص میں اعمال پر ایمان کا اطلاق ہوا ہے ان میں احناف تاویلات کرتے ہیں:
تاویل نمبر ۱:

نصوص میں اعمال پر ایمان کا اطلاق ہوا ہے تو ثمرہ اور نتیجہ کے اعتبار سے ہوا ہے یہ
اعمال ایمان کا ثمرہ ہیں۔

تاویل نمبر ۲:

ایمان کے دو درجے ہیں:

(۱) ایمان مطلق

اور وہ یہ ہے کہ جس سے دخول فی النار سے نجات ہوتی ہے۔

(۲) ایمان منجی

یہ وہ ہے جس سے خلود فی النار سے نجات ہوتی ہے۔ تو اس لحاظ سے اعمال ایمان
مطلق کے تو اجزاء ہیں مگر ایمان منجی من النار کے اجزاء نہیں۔

سبب مغائرت اعمال من الایمان:

(۱) نصوص میں ایمان اور عمل کے درمیان عطف لایا گیا ہے جو مغائر پر دال ہے۔

(۲) اعمال صالحہ کی قبولیت کیلئے ایمان شرط ہے اور شرط اور مشروط غیر ہوتے ہیں۔

(۳) اگر اعمال اجزاء ہوتے تو اعمال کے استثناء سے ایمان کا انتفاء لازم آتا لان

انتفاء الجزء يستلزم انتفاء الكل حالانکہ نصوص میں مرکب کبیرہ پر مؤمن کا اطلاق ہوا

ہے جیسے حدیث ابو ذر میں ہے من قال لا اله الا الله دخل الجنة قال ابو ذر وان زنی

وان سرق..... قال وان زنی وان سرق علی رغم انف ابی ذر۔ او کما قال

علیه السلام

اور خود محدثین بھی اس کے قائل ہیں کہ تارک فرائض یا مرتکب کبیرہ مخلص فی النار نہیں

ہوگا۔

اشکال:

امام ابو حنیفہ کے ہاں عمل بیکار ہے اسی وجہ سے تو ان پر مرجیہ کا الزام لگا ہے۔

جواب (۱):

امام صاحب کے ہاں الطاعة تنفع والمعصية تضر کا قول ہے لہذا اعمال کا نافع ہونا الگ بات ہے اور عدم جزئیت ہونا الگ بات ہے۔

جواب (۲):

المسلل والنخل میں ہے کہ مرجیہ دو قسم پر ہیں: (۱) اہل سنت والجماعت (۲) مبشدة۔ اور احناف مرجیہ اہل سنت میں داخل ہیں۔ اور یہ جو شیخ عبدالقادر جیلانی نے غنیۃ الطالبین میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو مرجیہ میں شمار کیا ہے ہمارے اکابر فرماتے ہیں یہ مضمون الحاقی ہے اور اگر شیخ کا اپنا قول ہے تو صاحب المسلل والنخل کا جواب اس کا رد ہے۔

بہر حال اگر امام ابوحنیفہؒ پر اس قول کی وجہ سے مرجیہ ہونے کا التزام لگتا ہے تو اس طرح محدثین پر بھی معتزلہ ہونے کا التزام لگتا ہے کہ ان کے ہاں بھی تو عمل ایمان کی حقیقت میں داخل ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے حافظ ابن تیمیہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ جو حضرات ایمان کے تعریف میں عمل کو نہیں لاتے ان کا قول بدعت قولیہ کے قبیل سے ہے۔ علامہ عثمانی اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ محدثین کا قول ”الایمان قول و فعل“ بھی تو بدعت قولیہ میں سے ہوا کیونکہ وہ بھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے منقول نہیں بلکہ تابعین سے منقول ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی تابعی ہیں اور ایک تابعی کا قول دوسرے تابعی پر حجت نہیں۔

الایمان یزید وینقص کی تشریح:

اس میں دو قول ہیں:

(۱) معتزلہ، خوارج اور محدثین کے ہاں اس کا معنی ہے کہ یزید بالطاعة وینقص

بالمعصية

(۲) امام ابوحنیفہؒ کے ہاں زیادت و نقصان ایمان میں نہیں ہوتا یعنی الایمان لایزید

ولا ینقص۔

نوٹ: فتح الملہم میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اور امام مالکؒ کے حوالے سے امام

ابو حنیفہؒ کا قول محدثین کے ساتھ نقل کیا ہے۔

فریق اول:

نے امام بخاریؒ کے ذکر کردہ نصوص سے استدلال کیا ہے البتہ نقص ایمان کے بارے میں کوئی صریح نص نہیں ہے البتہ قاعدہ ہے کہ مرکب میں صلاحیت زیادہ و نقصان ہوتی ہے۔ اور قابل زیادہ ہونا تو نصوص سے ثابت ہے لہذا نقصان بھی ثابت ہے۔

فریق ثانی:

ان تمام نصوص میں فریق ثانی تاویلات کرتے ہیں۔

(۱) زیادہ و نقصان کے قابل ایمان معنی بھی کامل ایمان ہے۔ البتہ ایمان منجی نقصان کے قابل نہیں ورنہ ایمان نہیں رہے گا۔

(۲) ابن حزم کی تاویل: ایمان کے مختلف درجات ہیں ۱۔ ایمان بلا تردد ۲۔ ایمان مع الشک ۳۔ ایمان مع الازکار۔

(۳) نور ایمان کے زیادہ و نقصان پر حمل ہے۔

(۴) انشراح ایمان کی زیادہ و نقصان مراد ہے۔

(۵) مومن بہ کے اعتبار سے زیادہ کا بیان ہے نفس ایمان کی زیادہ مراد نہیں ہے مثلاً پہلے صرف صلوٰۃ پر ایمان تھا پھر زکوٰۃ حج کے احکام نازل ہوئے ان پر ایمان لایا تو ایمان زیادہ ہو گیا۔

(۶) ایمان اجمالی میں زیادہ نقصان نہیں ہوتی جبکہ ایمان تفصیلی میں ہوتی ہے۔ تو یہ ایمان تفصیلی پر حمل ہے۔

قول فیصل:

علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے جو تعریف محدثین نے کی ہے اس کو بھی درست نقل نہیں کیا گیا ہے اور جو تعریف امام صاحبؒ نے کی ہے وہ بھی صحیح نقل نہیں کی لہذا شبہات پیدا ہو گئے۔

محدثین کی تعریف:

الایمان معرفة بالقلب والاقرار باللسان والعمل وبالارکان
 یزید مع الطاعة وینقص بالمعصية، تو ان تمام جملوں کا حکم یکساں نہیں ہے۔ بلکہ تصدیق
 قلبی کبھی ساقط نہیں ہوتا بلکہ اقرار لسان بصورت اکراہ ساقط ہوتی ہے اور تارک عمل خارج از
 ایمان نہیں ہے اسی طرح زیادة کا مطلب یہ ہے کہ عمل بالارکان میں زیادة و نقصان ہوتی
 ہے نفس تصدیق میں نہیں۔ واللہ اعلم
 امام ابوحنیفہؒ کی تعریف:

الایمان هو اقرار باللسان وتصديق بالحنان وما صح عن رسول الله صلى
 الله عليه وسلم من الشرع والبيان كله حق والایمان واحد واهلهم في اصله
 سواء والتفاضل بينهم بالخشية والتقوى ومخالفة الهوى وملازمة الاولى۔
 اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فریقین میں اختلاف لفظی ہے اختلاف
 معنوی نہیں ہے صرف عمل بالارکان کی تعبیر میں اختلاف ہے۔
 اسلام اور ایمان میں فرق:

ان کا استعمال قرآن میں تین طریقوں سے ہوا ہے۔

(۱) علیؑ سبیل الترادف۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: قل يا قوم ان كنتم امنتم بالله
 فعليه توكلوا ان كنتم مؤمنين اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”بنی الاسلام
 علی خمس شهادة ان لا اله الا الله الخ اور پھر انہی چیزوں کو حدیث وفد عبد القیس
 میں ایمان کی تفسیر میں ذکر کیا۔

(۲) علیؑ سبیل التباين جیسے آیت ”قل لم تؤمنو ولكن قولوا اسلمنا میں ہے اور
 حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے ”الاسلام علانية والایمان فی القلب
 (۳) علیؑ سبیل التداخل کہ بعض چیزیں الگ ایمان میں شمار کی گئی ہیں اور انہی
 بعض کو دوسری جگہ اسلام میں شمار کیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب پوچھا گیا ”ای
 العمل افضل“ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان باللہ ورسولہ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ
 کی روایت میں ہے کہ ”فای الاسلام افضل“ قال الایمان۔

محمد شین کا قاعدہ:

اس بناء پر محمد شین کہتے ہیں کہ جب ایمان، اسلام ایک جگہ میں استعمال ہوں تو وہاں
تباہین مراد ہوگا اور جہاں الگ الگ استعمال ہوں تو وہاں مترادف مراد ہوگا یعنی اذا اجتمع
افترقا و اذا افترقا اجتمعا۔

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اسلام عام ہے اور ایمان خاص لہذا ہر ایمان اسلام ہے
لیکن ہر اسلام ایمان نہیں۔
امام بخاریؒ کا مسلک:

ان کے ہاں ایمان، دین، اسلام اور تقویٰ سب مترادف الفاظ ہیں لہذا دین و اسلام کا
ذو اجزاء ہونا ان کے ہاں ایمان کا ذوا اجزاء ہونا ہے۔
استثناء فی الایمان:

یعنی یہ کہنا کہ انما مؤمن انشاء اللہ جائز ہے یا نہیں تو اس میں تین قول
ہیں: (۱) استثناء جائز نہیں ہے اکثر متکلمین اور حنفیہ کا یہی قول ہے اور یہی مختار اور اہل تحقیق
کا مذہب ہے۔ (۲) استثناء جائز ہے یہ ائمہ ثلاثہ، حضرت ابن مسعودؓ، علقمہ سفیان الثوریؒ اور
سفیان بن عیینہؒ کا مذہب ہے (۳) استثناء اور بدون استثناء دونوں جائز ہیں یہ امام اوزاعیؒ کا
قول ہے

پہلے قول والے کہتے ہیں کہ استثناء سے اشتباہ اور شک پیدا ہوتا ہے اور یہ شک آہستہ
آہستہ دل میں پختہ ہو جائے گا۔ جبکہ قول ثانی والے کہتے ہیں ایمان کا اصل اعتبار موت کے
وقت ہوتا ہے لہذا یہ انشاء اللہ استقبال کیلئے ہے۔
ایمان کونسا معتبر ہے؟

تمام اہل سنت و الجماعت کا مسلک ہے کہ قبل البلوغ ایمان تقلیدی معتبر ہے اور بعد
البلوغ امور ایمان کا جاننا خود ضروری ہے۔
قول اور فعل کے بارے میں فرق:

(۱) یہ دونوں مترادف ہیں (۲) عمل اختیاری ہے اور اس میں ارادے کو دخل ہوتا ہے

جبکہ فعل میں ارادہ ضروری نہیں (۳) عمل میں استمرار ہوتا ہے فعل میں نہیں ہوتا۔

والحب فی اللہ والبغض فی اللہ.....

یہ حدیث کی طرف اشارہ ہے اور یہاں حب اور بغض کو ایمان کا جزء قرار دیا ہے حالانکہ حب اور بغض کے درجات مختلف ہوتے ہیں لہذا ایمان کے زیادہ و نقصان پر دلالت ہے۔

ونحن لیطمئن قلبی۔ اس میں اضافہ یقین کا بیان ہے اور اضافہ یقین اضافہ ایمان ہی ہے۔

فائدہ:

ان آیات کو ماقبل آیات سے جدا کر کیا کیونکہ وہاں صراحت زیادہ پر دلالت تھی یہاں ضمناً دلالت ہے۔

الیقین الایمان کلہ..... لا یبلغ العبد حقیقۃ التقوی:

یقین اور تقویٰ کے درجات مختلف ہوتے ہیں جو ایمان کے زیادہ و نقصان پر دلالت کرتے ہیں۔ درجات تقویٰ (۱) ترک الشکر (۲) ترک رسومات جہلیہ (۳) اجتناب عن الكبائر وعدم الاصرار علی الصغائر۔ (۴) ترک الصغائر والمشتبهات۔ (۵) ترک المباحات اجتناباً عن التلذذ۔ (۶) اعراض عن کل ماسوی اللہ۔

ودعاءکم ایماتکم وفی قولہ قل ما یعبأ بکم ربی لولا دعائکم، انا وحبنا الیک کما وحبنا الی نوح،

شرائع تو سب ایک ہیں لیکن فروعات میں اختلاف ہے تو اختلاف فرعات وے اختلاف ایمان لازم ہے۔

بنی الاسلام علی خمس.....

فائدہ:

جمہور کے ہاں ایمان اور اسلام میں چونکہ فرق ہے لہذا اسلام کے دو اجزا ہونے سے ایمان کا دو اجزا ہونا ثابت نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المآب۔

باب امور الایمان

وقول الله عزوجل ليس البر ان تولوا وجوهكم قبل المشرق والمغرب الا به
 وقوله تبارك قد افلح المؤمنون..... حدثنا عبد الله عن محمد بن الجعفی..... عن ابی
 هريرة قرضى الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم الایمان بضع وسبعون
 شعبة والحیاء شعبة من الایمان.....

ترجمہ الباب کے متعلق چند تمہیدی باتیں ذکر کی جاتی ہیں:
 پہلی بات:

امور کی اضافت ایمان کی طرف کون سی اضافت ہے تو اس میں چار اقوال ہیں:
 (۱) اضافت بیانیہ ہے یعنی باب الامور التی ہی الایمان

(۲) اضافت لامیہ ہے باب الامور بلا ایمان ای مکملات للایمان.

(۳) اضافت فی کے ساتھ ہے باب الامور من الایمان ای الداخلة فی

الایمان

(۴) اضافت من کے ساتھ ہے باب الامور من الایمان ای الناشیة من

الایمان.

دوسری بات:

ترجمہ الباب کا مقصد:

اس سلسلے میں بھی چند اقوال ہیں:

(۱) کتاب الایمان میں امام بخاری نے ترکیب ایمان عن الشلاشہ کا دعویٰ کیا اور یہاں

اس کو ثابت کرتے ہیں۔

(۲) کتاب الایمان میں زیادة ونقصان کا دعویٰ کیا ہے یہاں ان امور کا بیان ہے کہ

اگر یہ موجود ہیں تو ایمان میں اضافہ ہوگا ورنہ نقصان ہوگا۔

(۳) حضرت گنگوہی سے منقول ہے کہ پہلے نقل کردہ حدیث بنی الاسلام علی خمس۔ سے

حصہ فی الخمس کا شبہ پیدا ہوتا تھا۔ ان امور کو ذکر کر کے شبہ دور کیا کہ ان کے علاوہ دیگر امور

بھی ایمان ہیں۔

(۳) مقتضیات ایمان کا بیان ہے یعنی ایمان کے بعد کن کن امور کی ضرورت ہے۔

تیسری بات :- ترجمہ الباب میں دو آیات کو لائے ہیں حسب عادت۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے۔ ۱، کہ قرآن اور حدیث کے الفاظ برکت کیلئے لائے ہیں۔ ۲، یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ میرا مدعا قرآن و حدیث سے ثابت ہے، چوتھی بات :- لیس البر ان تولو او جو حکم الآیہ :-

قال ابن المحجر عن عبدالرزاق عن مجاهد عن ابو ذر غفاری رضی

اللہ تعالیٰ عنہ مثل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان فقر الیس البر ان تولو او جو حکم الآیہ او کما قال۔ لیکن یہ روایت شرائط بخاری کے موافق نہیں تھی لہذا روایت تو نہیں لی لیکن اس کا مفہوم جو آیت سے معلوم ہو رہا تھا اس لئے اس آیت کو ترجمہ الباب کا جزو بنا دیا۔ آیات کا پس منظر یہ ہے کہ قبل ہجرت قبلہ بیت اللہ تھا لیکن ہجرت کے بعد بیت المقدس رہا پھر ۱۶، ۷ ماہ بعد پھر بیت اللہ کا حکم آ گیا تو مشرکین اعتراض کرنے لگے کہ کبھی بیت اللہ کو منہ پھیرتے ہیں اور کبھی بیت المقدس کو، لہذا یہ لوگ اپنی خواہشات کے تابع ہیں۔ تو یہ آیت اتری کہ دراصل مغرب و مشرق کی طرف منہ کرنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا اصل چیز اللہ کی تابع داری اور حکم ماننا ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں آیت مذکورہ پورے دین کا خلاصہ ہے۔ کیونکہ:

(۱) شریعت کے بعض احکام وہ ہیں جن کا تعلق قلب و عقیدہ سے ہے ان کی طرف

اشارہ ہے۔

(۲) وہ احکام جن کا تعلق معاشرت سے ہے و اتسی المال علیٰ حبہ ذوی

القربی سے اشارہ ہے۔

(۳) جن کا تعلق اپنے نفس کے ساتھ ہے اور بدن کے ساتھ ہے و اقام الصلوٰۃ

و انزاکوة سے اشارہ ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ قد افلح المؤمنون کو مقدم کرنا چاہئے تھا کیونکہ اس میں صراحتاً فلاح مومن کا ذکر ہے۔ جبکہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ

قد افلح المؤمنون کے اندر صفات مادحہ ہیں اور بعض صفات کاشفہ ہیں یعنی بعض ایمان

کے اندر داخل ہیں اور بعض داخل نہیں ہیں۔

الایمان بضع و سبعون شعبة.....

بضع کے اطلاق میں چند اقوال ہیں: (۱) ایک سے ۹ تک (۲) دو سے ۹ تک (۳) تین سے ۹ تک (۴) ایک سے ۱۰ تک (۵) چار سے دس تک (۶) اور اصح اور اشر قول یہ ہے کہ تین سے دس تک۔ کیونکہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے غلبہ روم پر مشرکین کے ساتھ بازی لگائی تو مدت نو سے کم مقرر کی اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الا احتطت یا ابابکر فان البضع مابین الثلاث الی تسع.

بعض روایات میں بضع و ستون کا قول ہے بعض میں اربع و ستون اور بعض میں شک کے ساتھ بضع و ستون او بضع و سبعون اور اربع سبعون بھی ہے حافظ کے ہاں راجح بضع و سبعون اور بضع و ستون ہے تو اس بارے میں تطبیق کیلئے مختلف اقوال ہیں: (۱) کثرت شعب کا بیان ہے عدد کا بیان نہیں (۲) عدد اقل خود عدد اکثر کے اندر داخل ہے (۳) ابتداء میں بضع و ستون تھے بعد میں مزید احکام بھی آگئے۔

شعب الایمان:

حافظ ابن حجر نے ابن حبان سے نقل کیا ہے کہ میں نے قرآن کریم میں تلاش کیا کہ کن امور پر ایمان کا اطلاق ہوا ہے تو وہ امور عدد مذکور سے کم تھے پھر قرآن و حدیث کے امور کو جمع کیا تو وہ عدد مذکور سے بڑھ گئے پھر مکررات کو حذف کیا تو ۶۹ بن گئے اور ۷۹ بھی بنتے ہیں وہ اس طرح کہ دس شعبے ایسے ہیں جن کو الگ شعبہ بھی شمار کیا جاسکتا ہے اہتمام الشان کی وجہ سے اور دوسرے شعبوں میں داخل بھی شمار کئے جاسکتے ہیں مثلاً انسی المال میں زکوٰۃ بھی داخل ہے اور الگ حکم بھی ہو سکتا ہے اور اجتناب عن الزور جھوٹی گواہی کے ضمن میں ہو سکتا ہے اور الگ بھی شمار کیا جاسکتا ہے۔ ان شعب میں سے ۳۰ قلب کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، ۷ لسان سے ساتھ اور چالیس باقی اعضاء کے ساتھ۔ علماء کرام نے شعب کی شرح میں مستقل کتابیں لکھی ہیں امام عبد اللہ حلیمی نے فوائد المنہاج، محدث السخنی بن قطیبی نے کتاب الاصحاح، ابن حبان نے وصف الایمان و شعبہ، شیخ عبد الجلیل ابو حاتم اور امام بیہقی رحمہم

اللہ نے ”شعب الایمان“ لکھی ہے امام بخاری کے قائم کردہ ابواب بھی درحقیقت ان شعب کی شرح ہیں۔

والحیاء شعبة من الایمان.....

یہاں حدیث مجمل اور مختصر ہے دوسری جگہ یوں ہے: ”افضلها لا اله الا الله وادناها اماطة الاذی عن الطریق والحياء شعبة من الایمان“

حیاء کی تعریف:

(۱) امام راغب اصفہانی نے یہ تعریف کی ہے الحیاء انقباض النفس عن القبیح وترکہ لذلک (۲) حضرت جنید بغدادی کے نزدیک یہ تعریف ہے الحیاء تتولد من رؤیة الالاء ورؤیة التقصیر (۳) امام نووی نے یہ تعریف کی ہے لایراک مولاک حیث نہاک۔

حیاء کی تین قسمیں ہیں: (۱) حیاء شرعی جو کام شریعت میں معیوب ہو (۲) حیاء عقلی جو عقلاً معیوب ہو (۳) حیاء عرفی عرف میں جو کام مکروہ اور ناپسندیدہ ہو۔ حیاء شرعی اور حیاء عقلی کے درمیان کبھی تعارض نہیں ہوتا بشرطیکہ عقل سلیم ہو البتہ کبھی حیاء عرفی کے ساتھ تعارض آجاتا ہے تو تعارض کی تمام صورتوں میں حیاء شرعی کو ترجیح ہوگی۔ (جب وہ کام مستحب ہو تو حیاء عرفی کی ترجیح دینا بھی صحیح ہے۔)

الحیاء شعبة من الایمان.....

تنوین تعظیم کیلئے ہے ای شعبة عظیمة اور یہ اس لئے کہ بہت سے اعمال صالحہ حیاء کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں اور ترک عن المعصیہ حیاء کی وجہ سے ہوتا ہے۔ الحیاء شعبة من الایمان کو صراحتاً ذکر کیا ہے کیونکہ وہ ہم ہوتا تھا کہ ایمان تو کسی چیز ہے اور حیاء خلقی اور فطری شے ہے لہذا ایمان میں داخل نہیں ہوگی تو اس وہم کے ازالہ کیلئے صراحتاً ذکر کیا ہے کہ حیاء تو فطری اور کسی چیز ہے لیکن اس کے مقتضاء پر عمل کرنا کسی امر ہے۔ یعنی حیاء ابتداء میں خلقی ہے اور انتہاء میں کسی ہے۔ واللہ اعلم

باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده

حدثنا ادم..... عن عبد الله بن عمرو عن النبي صلى الله عليه وسلم

قال المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده الحديث.

ترجمہ الباب کا مقصد:

(۱) ترکیب ایمان کے دعویٰ کو ثابت کرنا مقصد ہے۔

(۲) ایمان کی زیادت و نقصان کو ثابت کرنا ہے کیونکہ حدیث میں وصف مذکور کلی

مشکلک ہے بعض افراد میں یہ وصف زیادہ اور بعض میں کم ہوتا ہے اسی اعتبار سے ایمان میں کمی و زیادتی ہوگی۔

(۳) مرجیہ کار و مقصود ہے کیونکہ اُن کے ہاں المعصية لا تضر ہے اور یہاں حدیث

میں معصیت سے بچنے کو کامل ایمان کا مدار بنایا گیا ہے۔

(۴) مقتضیات ایمان کا بیان ہے۔

(۵) حصر فی الخمس کا وہم دور کرنا مقصد ہے۔

(۶) بضع وستون کی شرح مقصود ہے۔

دوسری بات:

یہ ہے کہ امام بخاری نے حسب عادت حدیث کے الفاظ کو ترجمہ الباب کا جزو بنایا

ہے۔

تیسری بات:

الف لام کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ المسلم میں الف لام عہدی ہے اور معبود

المسلم کامل ہے یا المسلم المدوح ہے۔ دوسرا قول علامہ انور شاہ کشمیری کا ہے کہ الف لام

جنسی ہے اور اصل میں الف لام ہے گویا مقصد یہ ہے کہ مسلمان کہلانے کے لائق وہی ہے

جس کی ایذاء سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں بصورت دیگر وہ مسلمان کہلانے کے قابل

نہیں ہے یہ تنزیل الناقص بمنزلة المعدوم ہے اور اس صورت میں حدیث سے اصل

مقصد حاصل ہوتا ہے جو زجر اور تنبیہ ہے ورنہ دوسری صورت میں زجر کا فائدہ نہیں ہوتا

کیونکہ لوگ کہیں گے کہ میں کون سا مسلمان کامل ہوں جہاں اور گناہ وہاں یہ بھی سہی۔

سوال:

شریعت میں تو کافر ذمی، کافر مصالح اور حتیٰ کہ جانوروں کو ایذا رسانی سے بھی منع کیا گیا ہے جبکہ حدیث میں صرف مسلمان کی قید ہے:

جواب:

(۱) یہ قید اتفاقی ہے اور قید واقعی ہے کیونکہ اکثر واسطہ مسلمان سے پڑتا ہے بخلاف کفار کے کہ ان سے شاذ و نادر ہی معاملہ پڑتا ہے۔ (۲) کافر ذمی تو مسلمانوں کے حکم میں داخل ہے کیونکہ حدیث ہے کہ *اموالہم کما موالنا و دمانہم کدماننا* اور کافر حربی یا مصالح ہوتا ہے یا حالت جنگ میں تو کافر مصالح بھی حکماً مسلمانوں میں داخل ہے اور کافر حربی کی ایذا رسانی منع نہیں ہے۔

اشکال:

حدیث میں صرف لسان اور ید کی تخصیص کیوں ہے؟

جواب:

عموماً ایذا رسانی ان دونوں سے ہوتی ہے بخلاف دیگر اعضاء کے کہ ان سے قلیل ایذا رسانی ہوتی ہے۔

من لسانہ و یدہ.....

لسان کو استعمال کیا قول نہیں لائے کیونکہ لسان کی ایذا عام ہے چاہے کلام ہو یا نہ ہو جیسے منہ چڑانا اور قول کی ایذا خاص ہے جو صرف کلام کی صورت میں ہی ہو سکتی ہے۔

سوال:

لسان کو ید پر مقدم کیا حالانکہ ید کا ضرر لسان سے قوی ہوتا ہے؟

جواب:

(۱) لسان کی ایذا عام ہے بخلاف ید کے کیونکہ ید سے صرف سامنے والے اور کمزور کو ضرر دیا جاسکتا ہے جبکہ لسان کیلئے اس کی ضرورت نہیں ہے (۲) زبان کا ضرر دیر پا ہوتا

جراحات السنان لها التيام

ولا يلتام ما جرح اللسان

والمهاجر من هجر ما نهى الله عنه.....

یہاں بھی الف لام میں وہی گذشتہ دو باتیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وطن چھوڑنا ہجرت کامل نہیں بلکہ ساتھ منہیات سے رکنا اصل ہجرت ہے اور یہی ہجرت کا مقصد ہے کہ بندہ دوسرے مامون مقام پر جا کر اللہ کی خوب عبادت کر سکے۔ یا ان لوگوں کو تسلی دینا ہے جو ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے اور ہجرت کی فضیلت سے محرومی کی بناء پر پریشان تھے لیکن اب ہجرت کی فرضیت ختم ہو گئی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منہیات کو ترک کر کے اب بھی ہجرت کی فضیلت حاصل کی جا سکتی ہے۔

ہجرت کیا ہے؟

ہجرت لغوی یہ ہے کہ انتقال من مکان الی مکان آخر ہجرت حکماً یہ ہے کہ دار الکفر کو چھوڑ کر دار الاسلام جائے لیکن گناہوں کو ترک نہ کرے۔ اور ہجرت شرعاً و حقیقتاً یہ ہے کہ دار الکفر کو چھوڑ کر دار الاسلام آئے اور گناہوں کو بھی چھوڑ دے۔

فائدہ:

تعلیق سے تین فائدے ہوئے (۱) شعبی کے نام کی صراحت ہو گئی (۲) پہلی روایت میں حدیث معنعن تھی جبکہ یہاں سماعت کی تصریح ہو گئی (۳) عبد اللہ مطلق آیا ہے اور جہاں عبد اللہ مطلق آتا ہے وہاں عبد اللہ بن مسعود مراد ہوتے ہیں لیکن یہاں عبد اللہ بن عمرو بن العاص مراد ہیں۔

باب ای الاسلام افضل

حدثنا سعيد..... عن ابی موسی الاشعری قال قالوا یا رسول اللہ

ای الاسلام افضل قال من سلم المسلمون. الحدیث

ترجمہ الباب کا مقصد:

(۱) ایمان کی زیادت و نقصان کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ایمان بیزید بالطاعة و شقوص بالمعصية۔

(۲) ایمان کے ذکر کرنے کے بعد اب ایمان کے مقتضیات کا بیان کرنا مقصد ہے۔

(۳) کتاب الایمان کی شروع والی حدیث نبی الاسلام علی خمس سے انحصار کا جو شبہ ہوا

تھا ان ابواب سے اس کو دور کر مقصد ہے۔

(۴) امام بخاری نے باب امور الایمان میں حدیث نقل کی تھی کہ ”الایمان بضع

وستون شعبۃ“ وہ حدیث بمنزلہ متن کے ہے اور آنے والے ابواب اس متن کیلئے بمنزلہ تفسیر کے ہیں۔

گذشتہ باتیں تو وہی ہیں یہاں صرف ایک بات نئی ہے اور وہ یہ کہ معتزلہ پر رد ہے کہ

گذشتہ حدیث میں آیا تھا کہ مسلمان وہ ہے جو ایذا رسانی نہ کرے تو معتزلہ نے مخالف

مفہوم کے اعتبار سے ایذا رسانی کرنے والے کو خارج از اسلام قرار دیا تو اس باب کا مقصد

معتزلہ کا رد ہے کہ ایذا رسانی سے اجتناب اعلیٰ درجے کا ایمان ہے اور جو ایذا رسانی کرتا

ہے وہ بھی مسلمان ہے لیکن نچلے درجے کا مسلمان ہے۔

ای الاسلام افضل.....

نحوی قاعدہ ہے کہ ای کے ذریعے مرکب چیز کے متعلق سوال کیا جاتا ہے مفرد سے

نہیں اور یہاں تو اسلام مفرد ہے۔ اشکال کی دوسری تعبیریوں ہے کہ سوال تو خصلت کے

بارے میں ہیں اور جواب میں ذوالخصلت کا ذکر ہے تو سوال اور جواب میں مطابقت نہیں

ہے؟

جواب:

(۱) اصل میں سوال میں تقدیر ہے کہ ای خصلۃ من خصال الاسلام افضل تو

اصل میں ای خصال پر داخل ہوا اور خصال مرکب ہے۔ پھر جواب میں بھی خصلۃ کو مقدر

مانیں گے یعنی خصلۃ من سلم المسلمون من لسانہ تو اس صورت میں جواب بھی

خبر کے مطابق ہوگا۔

جواب:

(۲) صرف سوال میں تقدیر نکالیں گے یعنی ائی ذوی الاسلام الفضل تو دونوں اشکال ختم ہو جائیں گے اور یہی جواب اولیٰ ہے۔ عند الشراح

باب اطعام الطعام من الاسلام

حدثنا عمرو بن خالد..... عن ابن عمر ان رجلاً سأل النبي صلى الله عليه وسلم ائی الاسلام خیر فاجاب تطعم الطعام وتقرأ السلام علی من عرفت ومن لم تعرف. الحديث

ترجمہ الباب کے مقصد سے متعلق وہی گذشتہ باتیں ہیں کہ (۱) ایمان کی ترکیب ثابت کرنا چاہتے ہیں (۲) زیادة و نقصان ایمان کا ذکر کرنا ہے (۳) مقتضیات ایمان کا بیان کرنا ہے (۴) مرجیہ پر رد کرنا ہے کہ ایمان یزید بالطاعة و ينقص بالمعصية۔ دوسری بات:

یہ ہے کہ ان رجلاً سے متعلق حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یا تو اس سے حضرت ابو ذر مراد ہیں یا ابو زید اور اگر کوئی تیسرا ہو تو لا اعلم اسمہ۔ تیسری بات:

آپ نے اطعام کو مطلق ذکر کیا ہے اس میں آکل و ما کول کی تعیم کی طرف اشارہ ہے بلکہ بعض نے تو پانی پلانا بھی مراد لیا ہے بدلیل ومن لم يطعمه فانه منی (البقرة: ۲۴۹) اور اس میں مقدار کی تعیم کی طرف بھی اشارہ ہے کہ قلیل ہو یا کثیر سب کو شامل ہے۔

تقرأ السلام علی من عرفت ومن لم تعرف.....

تقرأ کہا تسلیم نہیں کہاتا کہ سلام کتابت کو بھی شامل ہو جائے اور آگے تعیم ذکر ہے کہ سب کو سلام کرنا چاہئے البتہ کافر کو سلام میں ابتداء نہیں کرنی چاہئے اور اس کو سلام کے جواب میں صرف وعلیک کہنا چاہئے اور اگر کافر ذی اقتدار ہو تو اس کو سلام کے بجائے آداب کہنا یا انگریزی میں سلام کرنا چاہئے۔

علامہ شامی کا قول:

علامہ شامیؒ نے ”باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ“ میں ان تمام اشخاص و مقامات کو جمع کیا ہے جہاں سلام کرنا مکروہ ہوتا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

- (۱) نماز پڑھنے والے پر (۲) تلاوت قرآن کرنے والے پر (۳) ذکر میں مشغول شخص پر (۴) حدیث پڑھانے والے پر (۵) خطبہ دینے والے پر (۶) کتب دینیہ کا مذاکرہ و تکرار کرنے والوں پر (۷) فیصلہ کیلئے بیٹھے ہوئے شخص پر (۸) مؤذن پر بوقت اذان (۹) اقامت کہنے والے پر (۱۰) جبکہ وہ درس دینے میں مشغول ہو (۱۱) اجنبی لڑکیوں پر (۱۲) شطرنج کھیلنے والے شخص پر (۱۳) جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ جماع میں مشغول ہو (۱۴) کافر شخص پر (۱۵) مکشوف العورۃ شخص پر (۱۶) کھانے پینے میں مصروف شخص پر (۱۷) قضائے حاجت کرنے والے پر (۱۸) استاذ کے سامنے بیٹھے ہوئے طالب علم پر (۱۹) گانے والے شخص پر (۲۰) کبوتر باز پر (۲۱) زندیق شخص پر (۲۲) مزاح کرنے والے شخص پر (۲۳) لغو اور فضول باتیں کرنے والے پر (۲۴) جھوٹے شخص پر (۲۵) جو شخص قصداً اجنبی عورتوں کو دیکھتا ہو (۲۶) گالیاں دینے والے شخص پر (۲۷) مسجد میں بلا تحقیق باتیں کرنے والے شخص پر (سنی سنائی باتیں بیان کرنے والے پر) (۲۸) تلبیہ پڑھنے والے شخص پر (در مختار مع الشامی ص ۲۱۷ ج ۱ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا)

اسی طرح مندرجہ ذیل لوگوں پر سلام کا جواب دینا (جب ان کو سلام کیا جائے) ضروری نہیں:

- (۱) قاضی پر خصمین کے سلام کا جواب (۲) استاذ و فقیہ پر اگر شاگرد دوران درس سلام کریں (۳) سائل کے سلام کا جواب (۴) قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے پر (۵) دعا میں مشغول شخص پر (۶) مسجد میں ذکر و تلاوت کیلئے بیٹھے ہوئے لوگوں پر جبکہ وہ ذکر میں مشغول ہوں (۷) امام و مؤذن اور خطیب پر جبکہ وہ اپنے فریضہ میں مشغول ہوں۔

(در مختار مع الشامی)

اشکال:

مختلف روایات میں مختلف اعمال کو افضل الاعمال قرار دیا گیا ہے مثلاً ایمان باللہ یا جہاد

وغیرہ،

جواب:

(۱) یہ اختلاف مبنی ہے اختلافِ ازمہ پر کہ جب قحط سالی ہے تو اطعام کو افضل قرار دیا جہاد کا وقت ہے تو جہاد کو افضل قرار دیا وغیرہ۔

(۲) یہ اختلاف مبنی ہے سالکین کے اختلافِ احوال پر، جو آدمی کنجوس ہے اس کو انفاق کا حکم دیا اور جو بزدل ہے اس کو جہاد کا حکم دیا علیٰ ہذا۔

(۳) اختلاف مبنی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلافِ احوال مبارکہ پر، جس وقت آپ پر جہاد کا غلبہ تھا تو جہاد کو افضل قرار دیا جب امت کی غم خواری کا غلبہ ہوا تو اطعام کو افضل قرار دیا وغیرہ۔

(۴) دورانِ سوال الفاظ مختلف استعمال ہوئے کہیں افضل ہے کہیں خیر اور کہیں احب الی اللہ وغیرہ تو ان الفاظ کے اختلاف کی بناء پر جواب بھی مختلف دیئے۔

(۵) امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ان جوابات سے مراد یہ ہے کہ ان میں کوئی بھی علی الاطلاق افضل نہیں بلکہ من افضل الاعمال کذا و کذا گویا افضل الاعمال کی ایک فہرست ہے۔
واللہ اعلم

باب من الایمان ان یحب لایخیه ما یحب لنفسه

حدثنا مسدد..... لا یؤمن احدکم حتی یحب لایخیه ما یحب

لنفسه.....

پہلی بات:

ترجمہ الباب کے مقصد سے متعلق وہی گذشتہ باتیں ہیں کہ:

(۱) ایمان کی زیادت و نقصان کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جس شخص کے اندر یہ وصف موجود ہوگا اس کا ایمان کامل ہوگا ورنہ نہیں۔

(۲) مرجیہ کے قول "الایمان لا تضره المعصیة ولا تنفعه الطاعة" پر رد ہے۔

(۳) بنی الاسلام علی خمس سے پیدا شدہ انحصار کے شبہ کو ختم کرنا مقصود ہے۔

(۴) الایمان بضع وستون شعبۂ کی تفصیل ہے کہ اپنے بھائی سے محبت کرنا بھی ایمان

کا ایک شعبہ ہے۔

(۵) ایمان کی حقیقت بیان کرنے کے بعد مقتضیاتِ ایمان کو بیان کرنا مقصود ہے۔

دوسری بات:

لایؤمن احدکم.....

اشکال:

حدیث میں وصف مذکور کے معدوم ہونے کی صورت میں ایمان کی نفی کی گئی ہے

حالانکہ بہت سے مسلمانوں میں وصف مذکور موجود نہیں ہے؟

جواب:

(۱) یہاں پر کمال ایمان کی نفی ہوئی ہے نفس ایمان کی نفی نہیں ہے۔

(۲) علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ یہاں نفی جنس ایمان کی ہے کیونکہ لانی جنس

پر حمل کرنا معنی حقیقی ہے اور نفی کمال پر حمل کرنا معنی مجازی ہے اور مجاز کو اس وقت مراد لیں گے

جب حقیقت پر عمل کرنا متعذر ہو حالانکہ یہاں ایسا نہیں لہذا نفی جنس ایمان کی ہے اور تنزیل

الناقص بمنزلۃ المعدوم کے قبیل سے ہے یعنی دراصل تو مراد ایمان ناقص ہے مگر اس کو غیر

معتبر قرار دیکر معدوم سے تعبیر کیا۔

اشکال مشہور:

اگر ایک آدمی گناہ میں مبتلا ہے تو کیا وہ دوسرے آدمی کیلئے بھی وہی گناہ پسند کرے؟

جواب:

شرح نے جب تمام طرق کو جمع کیا تو بعض طرق میں موجود تھا "لایؤمن احدکم

حتیٰ بحب لاختیه من الخیر ما یحب لنفسہ" لہذا گناہ کا معاملہ اس کے علاوہ ہے۔

علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ بظاہر تو حدیث تسویہ پر دال ہے لیکن درحقیقت تفصیل لاخر علی

نفسہ مراد ہے چنانچہ فضیل بن عیاض نے سفیان بن عیینہ سے فرمایا تھا کہ نصیحت اور خیر خواہی

یہ ہے کہ آدمی دوسرے کو افضل سمجھے اور برابر سمجھنا کوئی خوبی نہیں ہے۔
فائدہ:

(۱) امام بخاری نے نعتن فی العبارة کیلئے تقدیم و تاخیر کرتے ہیں من الایمان پہلے لاتے ہیں اور کبھی بعد میں۔

(۲) یا حدیث کے الفاظ کی وجہ سے تقدیم و تاخیر کرتے ہیں جیسے حدیث میں لایؤمن مقدم ہے تو من الایمان کو مقدم کیا۔

باب حب الرسول من الایمان

حدثنا ابو الیمان عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: والذي نفسي بيده لا يؤمن احدكم حتى اكون احب اليه من والده وولده. الحديث

(۱) اس باب میں دو احادیث ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ دوسری حدیث میں والناسر اجمعین کا اضافہ ہے۔

(۲) ترجمہ الباب سے متعلق وہی گذشتہ اقوال ہیں کوئی نئی بات ترجمہ الباب سے متعلق نہیں ہے۔

(۳) لایؤمن میں بالاتفاق جنس ایمان کی نفی ہے یہاں پر کمال ایمان کی تاویل درست نہیں ہے۔

(۴) حتی اكون احب اليه یہاں کوئی محبت مراد ہے کیونکہ محبت کی کئی اقسام ہیں:

(۱) محبت طبعی اس میں کسب اور اختیار کو دخل نہیں ہوتا۔

(۲) محبت احسانی کیونکہ الانسان عبد الاحسان یہ اختیاری ہے کیونکہ احسان

اختیاری چیز ہے۔

(۳) محبت کمالی۔

(۴) محبت جمالی۔

(۵) محبت عقلی جیسے بیمار کی محبت کڑوی دوا سے تو قاضی بیضاویؒ اور علامہ خطابیؒ نے نقل کیا ہے کہ محدثین کا اتفاق ہے کہ یہاں محبت سے مراد محبت اختیاری اور عقلی ہے نہ کہ طبعی کیونکہ انسان امور اختیاریہ کا مکلف ہے۔ لیکن محدثین فرماتے ہیں کہ صرف محبت اختیاری پر اکتفاء جائز نہیں بلکہ اس میں ترقی کر کے محبت طبعی تک پہنچنا چاہئے۔ محبت اختیاری کی تمام اقسام آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں کیونکہ امت پر سب سے زیادہ احسانات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں جو کہ لا تعد ولا تحصى۔ اسی طرح آپ کمالات اعلیٰ کے مالک ہیں اعلیٰ حسن کے مالک ہیں اور عقل بھی آپ سے محبت کا تقاضا کرتی ہے۔

علامہ خطابیؒ نے شرح بخاری میں ابوالزناد کا قول نقل کیا ہے کہ یہ حدیث جو امع الکلم میں سے ہے۔ کیونکہ عموماً محبت کے تین اسباب ہوتے ہیں:

(۱) عظمت کی وجہ سے تو اس کی طرف اشارہ کیا والدہ کے ذریعے۔

(۲) شفقت کی وجہ سے اس کی طرف اشارہ ولدہ سے ہے۔

(۳) احسان کی وجہ سے والناس اجمعین سے اس کی طرف اشارہ کیا کیونکہ عام لوگوں

سے محبت احسان ہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

فائدہ:

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کی بعض روایات میں والد مقدم ہے اور بعض میں ولد تو والد کی تقدیم کی وجہ

(۱) تو یہ ہے کہ والد اصل ہے اور ولد فرع اور اصل مقدم ہوتا ہے فرع پر۔

(۲) اس سے اشارہ ہے کہ امتی کی محبت نبی علیہ السلام سے تعظیمی ہونی چاہئے والد

کی طرح۔

(۳) ہر انسان کا والد ہوتا ہے الا ادم و عیسیٰ (علیہما السلام) جبکہ ہر انسان

کا ولد نہیں ہوتا۔

تقدیم ولد کی وجوہ:

ولد کی محبت شفقت کی ہوتی ہے اور کبھی شفقت کی محبت تعظیم کی محبت پر مقدم ہوتی

ہے۔

اشکال:

حدیث میں والد اور ولد کا ذکر تو ہے مگر اپنے نفس کا ذکر نہیں؟

جواب:

(۱) بعض روایات میں نفس کا ذکر بھی ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ”یا رسول اللہ! لانت احب الی من کل شیئی الا من نفسی“ یعنی اے اللہ کے رسول! مجھے آپ سے ہر چیز کے مقابلے میں زیادہ محبت ہے ”الامن نفسی“ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ ”لا والذی نفسی بیدہ حتی اکون احب الیک من نفسک، فقال عمر: فانه الان واللہ لانت احب الی من نفسی، فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الان یا عمر“ یعنی اے عمر اب بات بن گئی۔ (۲) والناس اجمعین میں اپنا نفس داخل ہے۔ (۳) والد اور ولد کا ذکر کر دیا اور بسا اوقات انسان نفس ان پر قربان کر دیتا ہے لہذا اس کے ذکر کی ضرورت نہیں تھی۔

حضرت شیخ الحدیث کا قول:

ہر مسلمان کے اندر نبی علیہ السلام کی طبعی محبت اولاد اور باپ سے زیادہ ہوتی ہے لیکن آپ سے محبت کے اظہار کے مواقع کم آتے ہیں لہذا اولاد کی محبت زیادہ نظر آتی ہے حالانکہ کسی کا بچہ اگر نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرے تو وہ شخص اس کا گلہ گھونٹ دے گا۔

فائدہ:

والد کے تحت والدہ بھی داخل ہے کیونکہ والد سے مراد من لہ الولد ہے بلکہ اس کے تحت داد ادا دی بھی داخل ہیں۔

باب حلاوة الایمان

حدثنا محمد بن المثنیٰ عن ابی قلابہ عن انس عن النبی

صلی اللہ علیہ وسلم قال: ثلاث من کن فیہ وجد حلاوة الایمان. الحدیث

ترجمہ الباب کے متعلق:

حافظ ابن حجر کے کلام سے جو باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں (۱) ثمرات ایمان کا بیان ہے (۲) یہ باب ادل شیء علی دعوی البخاری ہے کیونکہ مذکورہ اوصاف میں لوگ متفاوت ہوتے ہیں لہذا ایمان میں بھی متفاوت ہونگے اور یہی یزید و نقص کی دلیل ہے۔ (۳) رد علی المرجیہ ہے کہ طاعات مفید ہیں۔ (۴) ایمان کے شعبوں کی تفصیل بیان کرنا ہے۔ (۵) ایمان کے مقتضیات کو بیان کرنا ہے۔

حلاوت ایمان:

اس کے متعلق دو باتیں ہیں:

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کو شہد سے تشبیہ دی حلاوت میں جس حلاوت شہد کا احساس تندرست آدمی کر سکتا ہے وہ صفر آدمی کر سکتا ہے اور یہی مریض نہیں کر سکتا ایسے ہی حلاوت ایمان کا احساس صرف محتنب عن المعصیۃ اور کامل مؤمن کر سکتا ہے گناہگار نہیں کر سکتا۔

(۲) حلاوت سے کیا مراد ہے؟

(۱) عام محدثین کے ہاں اس سے حلاوت معنوی مراد ہے شارح بخاری ابن بطلال نے یہی ترجمہ کیا ہے اور اس کو علامہ عینی، ابن حجر اور نووی نے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد استلذاذ الطاعات ہے کہ آدمی کو طاعات کیلئے مشقت برداشت کرنا اور دین کیلئے قربانی دینا آسان ہو جائے۔ ابن بطلال نے ایک بزرگ کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے بیس سال نفس کو مجبور کر کے نماز پڑھی ثم تلذذت بها

(۲) حافظ ابن ابی جمرہ کا قول علامہ شبیر احمد عثمانی نے فتح الملہم اور الابواب والترجم میں نقل کیا ہے اور اسی طرح حضرت شیخ الحدیث کا قول ہے کہ اس سے مراد حسی حلاوت ہے چنانچہ بہت سے حضرات صوفیاء سے نقل کیا ہے کہ ذکر کے وقت ان کو حلاوت حسی محسوس ہوتی ہے البتہ عام لوگوں کو یہ محسوس نہیں ہوتی کیونکہ گناہوں کے سبب ہم نے قوت ذائقہ کو ضائع کر دیا ہے۔ ابن ابی جمرہ نے جہاں یہ معنی کیا ہے وہاں یہ شعر بھی نقل کیا ہے۔

لأناس رأوه بالأبصار

فاذا لم تر الهلال فسلم

ترجمہ:

تم نے اگر چاند نہیں دیکھا ہے تو جنہوں نے چاند دیکھا ہے ان کی بات تسلیم کر لو۔

ثلاث من کن فیہ.....

اشکال:

ثلاث نکرہ ہے اور مبتدا واقع ہوا ہے حالانکہ نکرہ کا مبتدا واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جواب:

(۱) عام طور سے ان کی تاویل ثلاث خصال سے کرتے ہیں۔

(۲) لیکن علامہ رضی کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ جب نکرہ کا شفعہ ہو اور اس میں

ابہام نہ ہو تو اس کا مبتدا واقع ہونا درست ہے۔

ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواہما.....

مطلب یہ ہے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یا سنت رسول ہے اور اس کے مقابلے

میں مادی فائدہ ہے تو اب اگر مادی فائدہ کو ٹھکرا دے تو یہ وصف موجود ہے ورنہ نہیں۔

مما سواہما.....

اشکال:

اس پر خطیب کے واقعہ سے اشکال ہوتا ہے کہ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اور

رسول کو ایک ساتھ ضمیر میں جمع کرنے پر نکیز فرمائی جبکہ یہاں خود ایسا کیا ہے خطیب نے کہا تھا

من یطع اللہ والرسول فقد رشد ومن یعصهما فقد غوی اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا ”بنس الخطیب انت“

جواب:

(۱) یہ نہی ابتداء میں تھی پھر منسوخ ہو گئی کیونکہ ابتداء میں تسویہ بین اللہ والرسول کا

اشتباہ تھا۔

(۲) خطبہ میں وضاحت ہوتی ہے اور تعلیم میں اختصار ہوتا ہے تو خطیب کا موقع خطبہ

کا تھا اور یہاں موقع تعلیم کا ہے۔

(۳) یہ بھی تزیینی ہے تحریمی نہیں۔

لا یحبہ الا للہ.....

یحییٰ بن معاذ رازی فرماتے ہیں حب فی اللہ یہ ہے کہ لایزید بالبر ولا ینقص بالحقفاء۔ یعنی حب فی اللہ یہ ہے کہ نہ تو حسن سلوک سے اس میں اضافہ ہو اور نہ بے وفائی اور جفاء سے اس میں نقص آئے۔

یکرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار.....

عود کا معنی پہلے زمانے کے لوگوں کیلئے درست ہے کیونکہ وہ کفر سے اسلام میں داخل ہوئے تھے لیکن ہم جیسے لوگوں کیلئے عود بمعنی صیرورت ہوگا جیسے قرآن کریم میں حضرت شعیب علیہ السلام کے واقعہ میں ہے ”اولتعودن فی ملتنا“۔

فائدہ:

محدثین نے اس حدیث کو جوامع الکلم میں شمار کیا ہے کیونکہ جملہ اول اور آخری کا تعلق مع اللہ ہے اور دوم جملے کا تعلق مع الخلق ہے اور عموماً انسان جو کام کرتا ہے یا مخلوق کی وجہ سے کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی وجہ سے کرتا ہے۔

باب علامة الايمان حب الأنصار

حدثنا ابو الوليد قال سمعت انس بن مالك عن النبي صلى

الله عليه وسلم قال: اية الإيمان حب الأنصار واية النفاق بغض الأنصار.

باب اور حدیث کے متعلق چند باتیں:

(۱) ترجمۃ الباب کے مقصد:

گزشتہ ابواب میں جو باتیں گزر چکی ہیں وہی باتیں یہاں بھی ہیں لیکن ایک نئی بات یہ ہے جو ابن المنیر کا قول ہے جو حافظ ابن حجر نے نقل کیا ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے لیکن تصدیق قلبی کیونکہ مخفی امر ہے لہذا اس کے ظاہر میں ثبوت کیلئے ایک ظاہری علامت ضروری ہے اس لئے یہاں علامۃ الايمان کیلئے حب الانصار کا باب باندھا ہے۔

ما قبل سے ربط:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت من باب الایثار ہے۔ مساوات کے بعد ایثار کا درجہ ہے اور پھر اس میں مزید ترقی کی صورت یہ ہے کہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی محبت نہ ہو بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے ساتھ بھی محبت ہونی چاہئے اور اسی کیلئے امام بخاری نے علامۃ الایمان حب الانصار کا باب باندھا ہے۔

اشکال:

علامۃ الشیء ذو العلامۃ سے خارج ہوتی ہے جیسے دھواں آگ کی علامت ہے اور آگ کی حقیقت میں داخل نہیں ہے اسی طرح حب الانصار بھی ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں ہے لہذا اس باب کو کتاب الایمان کے تحت لانا درست نہیں ہے۔

جواب:

صحیح تر بات یہ ہے جو مولانا یونس صاحب نے بیان فرمائی ہے کہ علامۃ الشیء ذو العلامۃ کے تابع ہوتی ہے جیسے حرارت آگ کی، تو ذو العلامۃ کی قلت و کثرت سے علامت میں قلت و کثرت ہوتی ہے تو ایسے ہی ایمان کی قلت و زیادتی کی وجہ سے حب الانصار میں کمی بیشی ہوگی۔

حب الانصار آیۃ الایمان.....

یہ محبت انصار ہونے کی بناء پر تو علامت ایمان ہے لیکن مادی اسباب کی وجہ سے محبت علامت ایمان نہیں ایسے ہی بغض الانصار انصار ہونے کی وجہ سے تو نفاق کی علامت ہے لیکن کسی اور جھگڑے کی وجہ سے بغض رکھنا نفاق کی علامت نہیں ہے۔

انصار: (۱) یہ ناصر کی جمع ہے جیسے ”اصحاب“ ”صاحب“ کی جمع ہے (۲) نصیر کی جمع

ہے جیسے اشرف شریف کی جمع ہے۔

انصار کی تاریخ:

انصار قبل الاسلام دو قبیلے اوس اور خزرج تھے اور بنو القلیلہ کہلاتے تھے جب اسلام قبول کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی اور آپ کو ہجرت کی دعوت دی تو پوری دنیا کے مقابلے میں آپ اور آپ کے صحابہ کی نصرت کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کا لقب

دیا۔

اشکال:

حب الانصار تو ایمان کی علامت ہے تو کیا ”حب المهاجرین“ علامت ایمان نہیں؟

جواب:

مہاجرین کا مسئلہ تو واضح تھا کہ ان کی محبت ایمان کی علامت ہے کیونکہ ایک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے تھے دوسرے سب سے زیادہ قربانیاں مہاجرین نے ہی دیں، گھریار چھوڑا، البتہ انصار کے بارے میں شبہ ہوتا تھا کہ کیونکہ آپ کے نسب سے نہیں تھے اس لئے ان کو ذکر کر دیا مہاجرین کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

ابن بطال کا قول:

انصار سے محبت اس لئے ضروری ہے کہ ارشاد ہے: قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم.... (البقرة) تو انصار تو انصار نے آپ کی متابعت کی تو وہ اللہ کے محبوب بن گئے اور اللہ کے محبوب سے محبت کرنا ایمان کی علامت ہے۔ اگر کوئی ذاتی حیثیت سے ان کے ساتھ بغض رکھے تو یہ نفاق نہیں ہے۔

باب (بلا عنوان)

حدثنا ابو اليمان ان عبادة بن الصامت (و كان شهيداً بدرًا وهو احد النقباء ليلة العقبة ان النبي صلى الله عليه وسلم قال و حوله عابة من اصحابه بايعوني على ان لا تشركوا بالله شيئاً ولا تسرقوا ولا تزنوا الحديث
پہلی بحث:

امام بخاری چند مقامات پر باب بلا عنوان لائے ہیں ان کے متعلق کئی توجیہات ہیں:

(۱) یہ مصنف سے سہو ہے۔

(۲) یہ راوی سے سہو ہے۔

(۳) کاتب سے سہو رہ گیا۔

(۴) ابن حجر کا قول ہے کہ مصنف نے قصداً بیاض چھوڑا ہے بعد میں مناسب عنوان

لکھنے کا ارادہ تھا لیکن موقع نہ مل سکا۔

(۵) شاہ ولی اللہ کا قول ہے کہ امام بخاریؒ کا یہ باب ”ح“ تحویل کے معنی میں ہے۔ لیکن حضرت شیخ الحدیثؒ نے الابواب والتراجم میں لکھا ہے کہ یہ قاعدہ صرف ایک مقام پر تو چل سکتا ہے دوسرے مقامات پر نہیں چل سکتا۔

(۶) تکثیر طرق کی طرف اشارہ مقصود ہے یعنی حدیث کی سندیں بہت ہوتی ہیں اور الفاظ مختلف ہوتے ہیں تو اس حدیث کو دوسرے طرق سے لانے کیلئے باب بلا عنوان باندھتے ہیں۔

(۷) تکثیر فوائد کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ حدیث میں کئی فوائد ہوتے ہیں، چند مضامین ہوتے ہیں اگر ایک عنوان قائم کیا جائے تو اس کی طرف ذہن مرکوز ہوگا اور دیگر عنوان سے مستفید نہیں ہوگا لہذا بلا عنوان چھوڑ دیا۔

(۸) حضرت شیخ الہند کا قول ہے کہ اس سے تسمیہ الاذہان مقصود ہے کہ ذہن تیز ہو جائے، اب تم خود مناسب عنوان تلاش کرو مثلاً حضرت شیخ الحدیثؒ نے ابواب والتراجم میں لکھا ہے یہاں باب ”الاجتناب عن الکبائر من الایمان“ یا البیعة علی الاجتناب عن الکبائر من الایمان مناسب ہے۔

(۹) یہ عموماً کالفصل من باب السابق ہوتا ہے یعنی یہ مضمون باب سابق سے منسلک ہوتا ہے مثلاً یہاں پہلے باب علامۃ الایمان حب الانصار ہے تو یہاں یہ بیان ہے کہ انصار کے انصار ہونے کی کیا وجہ ہے؟ یا یہ کہ انصار کی محبت علامۃ ایمان کیوں ہے؟ اس کی تصریح علامہ کرمانی، حافظ ابن حجر اور علامہ عینی نے کی ہے۔

(۱۰) گذشتہ باب پر وارد اشکال کا جواب مقصود ہے۔

دوسری بحث:

و کان شہد بدداً وهو احد النقاء لیلۃ العقبة.....

یہ دو جملہ معترضہ بطور تعارف لائے ہیں عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کیلئے۔ شہود بدر اس لئے کہ بدر قربانی دینے کا پہلا موقع تھا لہذا اس میں شرکت کرنے والوں کی قرآن

وحدیث میں بہت تعریف ہے مثلاً حدیث ”لعل اللہ اطلع علی اهل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم“

دوسرا جملہ وهو احد النقباء لیلۃ العقبۃ اس کو سمجھنے کیلئے تمہید کی ضرورت ہے۔

مدینہ (یثرب) میں پہلے یہود آباد تھے اور پھر اوس و خزرج بھی آباد ہو گئے یہ دونوں بھائی تھے یمن میں سیلاب کے باعث یہ مدینہ آ گئے اور یہود کے سردار نے یہ اعلان کیا کہ مدینہ میں جو بھی لڑکی بیاہی جائے گی وہ پہلے میرے شہستان میں آئے گی اس دوران انصار کے ایک سردار مالک بن عجلان کی بہن کی شادی تھی تو جب یہ لڑکی یہودی کی خلوت گاہ میں گئی تو اس وقت مالک بن عجلان نے اس کو قتل کر دیا اور شام کی طرف بھاگ گیا تو شاہ شام نے اس کی مدد کی اور یہود کے رؤساء کو دھوکے سے بلا کر ان کو قتل کر دیا اب یہود کا زور ٹوٹ گیا اور انصار زور پکڑ گئے۔ اس دوران جب یہودی جنگ انصار سے ہوتی تو یہود کہتے کہ عنقریب نبی آخر الزمان کا ظہور ہوگا ہم ان کی معیت میں تم پر غالب ہونگے اس وقت سے انصار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تحقیق کرنے لگے نبوت کے گیارہویں سال جب وہ مکہ آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب عادت ان کو دعوت اسلام دی انصار نے یہود پر سبقت لے جانے کے ارادے سے وہیں اسلام قبول کر لیا اور اپنے وطن لوٹ کر خفیہ دعوت چلاتے رہے۔ اگلے سال بارہ آدمی مسلمان ہوئے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جسے بیعت عقبہ اولیٰ کہتے ہیں اس سے اگلے سال ۷ آدمی مسلمان ہوئے اور یہ بیعت عقبہ ثانیہ ہے اس وقت انصار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت ہجرت دی اس بیعت میں حضرت عباس بھی موجود تھے جو تاجال غیر مسلم تھے انہوں نے انصار سے کہا کہ تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کی دعوت دے رہے ہو لیکن اس پر پورا عرب تمہارا مخالف ہوگا کیا تم اس کیلئے تیار ہو کہ حضور کی ہر طرح سے حفاظت کرو گے انصار نے نصرت کا اقرار کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کی طرح حضرت جبریل علیہ السلام کے اشارے سے بارہ نقیب مقرر کئے اور عبادہ بن الصامت ان ہی نقباء میں سے تھے۔

بايعونني على ان لا تشرکوا.....

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے متعدد بار بیعت لی ہیں مثلاً بیعت علی

الاسلام، بیعت علی الجہاد اور بیعت علی بعض الاعمال یہ بیعت احسان و سلوک کہلاتی ہے اور بیعت علی الموت بھی لی ہے۔

یہ بیعت کونسی تھی؟

قاضی عیاض، امام نووی، امام قرطبی اور علامہ عینی کی رائے یہ ہے کہ یہ بیعت عقبہ یعنی بیعت لیلۃ العقبہ ہے۔ جبکہ حافظ ابن حجر نے ان حضرات کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ وہو احد النقباء صرف تعارف کیلئے ہے اس سے لازم نہیں یہ بیعت عقبہ ہو۔ بلکہ یہ لیلۃ العقبہ کی شکل کی کوئی اور بیعت ہے جو ہجرت کے بعد فتح مکہ کے بعد واقع ہوئی ہے۔ حافظ ابن حجر اور علامہ عینی نے اپنے اپنے موقف کو مدلل بیان کیا ہے۔

لا تفتلوا اولادکم.....

عرب کا دستور تھا کہ وہ اولاد کو قتل کر دیتے تھے بچیوں کو عمار کی وجہ سے قتل کرتے تھے جیسے ارشاد ہے ”واذا بشر احدہم بالانثی ظل وجہہ مسودا وهو کظیم“ اور ایسے ہی اولاد کو کبھی تنگی اور املاق کی وجہ سے قتل کر دیتے تھے جس سے نہی ہوئی ”نحن نرزقہم وایاکم“ اور کبھی اس خوف سے قتل کرتے کہ ہم تو گزارا کر لیں گے لیکن ہمارے بعد ان کا کیا حال ہوگا تو اس بارے میں ارشاد ہوا کہ ”نحن نرزقہم وایاکم“

ولا تاتون ببہتان تفترونہ بین ایدیکم وارجلکم.....

ترجمہ:

اور تم ایسا بہتان مت تراشو جس کو اپنے ہاتھ اور پاؤں کے درمیان گھرتے ہو، بہتان وہ جھوٹ کہلاتا ہے جو سامع کو مبہوت کر دے۔

ایدی وارجل کا معنی:

(۱) تہمت زنا لگانا یعنی مابین انایدی والارجل سے مراد قلب ہے اور مطلب یہ ہے

کہ اپنے دلوں میں گھر کر کسی پر بہتان مت لگاؤ (۲) مواجہۃ تہمت لگانا۔

ولا تعصوفی معروف.....

اور معروف چیز میں نافرمانی سے بچو، حضور کا فرمان تو معروف ہی ہوا کرتا ہے لیکن یہ

ارشاد اس قاعدہ کلیہ کے مطابق ہے کہ ”لا طاعة لمخلوف في معصية الخالق“ معروف سے مراد یا طاعات ہیں یا بر و تقویٰ، معروف مشہور کے معنی میں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ معروف وہ ہے کہ مالم ینہ الشارع عنہ۔

فمن وفى منكم فأجره على الله ومن أصاب من ذلك شيئاً فعوقب فهو كفارة له.....

یعنی جو شخص تم میں سے اس بیعت کے تقاضوں کو پورا کرے گا وہ اپنے وعدوں اور عہدوں کا ایفاء کرے گا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور جو آدمی ان گناہوں میں سے کسی کا ارتکاب کرے گا اور پھر اس کو دنیا میں سزا دیدی گئی تو یہ سزا اس کیلئے کفارہ ہوگی۔

اختلافی مسئلہ:

حدود کفارات ہیں یا زواجر؟

شواہغ کے ہاں حدود کفارات ہیں یعنی اجراء حد سے وہ گناہ بھی معاف ہو جاتا ہے جس پر حد جاری کی گئی ہے اور احناف کے ہاں زواجر ہیں۔ یعنی حدود و انتظام دنیا کو درست رکھنے کیلئے مشروع ہوئی ہیں اور جس فعل میں حد جاری ہوگئی وہ عند اللہ معاف نہ ہوگا، اس کی معافی کیلئے دوسرے کبار کی طرح توبہ کی ضرورت ہے۔ لیکن علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ اب تک اس باب میں احناف کا مسلک واضح نہیں ہو سکا، احناف کا مذہب زواجر کے بارے میں متاخرین نے نقل کیا ہے لیکن متقدمین سے یہ قول منقول نہیں ہے بلکہ ہدایہ میں تو سوا تر اور زواجر کے قول موجود ہے۔

شاہ صاحب کا قول فیصل:

حدود کی تین صورتیں ہیں (۱) آدمی سزا ملنے کے ساتھ ساتھ توبہ بھی کرے اور سزا کے بعد گناہ سے بالکل مجتنب رہے تو اس کیلئے یہ حد سب کے ہاں کفارہ ہے (۲) آدمی توبہ نہ کرے لیکن سزا کے بعد گناہ سے مجتنب رہے تو یہ حد بھی سب کے ہاں کفارہ ہے (۳) آدمی سزا کے بعد بھی گناہ میں لگا رہے تو یہ حد احناف کے ہاں زجر ہے کفارہ نہیں۔

شواہغ کی دلیل:

فرماتے ہیں کہ باب کی حدیث شوائع اور محدثین کی دلیل ہے۔

احناف کی دلیل:

(۱) جزاء بما کسب نکالاً من اللہ (۲) وہ آیات جن میں حدود کے بعد بھی توبہ کا ذکر ہے جیسے ذلك لهم خزی فی الحیوة الدنیا ولهم فی الآخرة عذاب شدید اور الا الذین تابوا وغیرها من الایات (۳) حدیث پاک کہ ”ما ادری حدود کفارات ام لا؟“

باب من الدین الفرار من الفتن

حدثنا عبد الله بن مسلمة عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يوشك أن يكون خير مال المسلم غنم يتبع بها شعف الجبال ومواقع القطر يفر بدينه من الفتن.

ترجمہ: وہ زمانہ قریب ہے کہ جب مسلمان کا بہتر مال بکریاں ہوں گی جن کو لیکر وہ پہاڑ کی چوٹیوں اور بارش کے مقامات میں اپنا دین فتنوں سے بچائے ہوئے بھاگتا پھرے گا۔
ترجمہ الباب کا مقصد:

(۱) حافظ ابن حجر اور دیگر شراح کے ہاں اس سے مقصد مرجیہ کا رد ہے کہ اگر معصیت مضر نہیں ہے تو فتن سے بھاگنے کا کیا معنی؟ کیونکہ فتنے تو معصیات ہیں اور اعمال صالحہ سے بچانے کیلئے ان سے بھاگنے کا حکم ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعمال سیئہ مضر ہیں۔

(۲) حصر فی الخمس کا ابہام رفع کرنا ہے (۳) شعب الایمان میں ایک شعبے کا بیان

ہے۔

فائدہ:

حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ اس سے پہلے ابواب میں امور ایجابیہ کا ذکر تھا اور اور

اب امر سلبی کا بیان ہے۔

طریقہ کار میں تبدیلی:

اس سے پہلے ابواب میں من الاسلام کے الفاظ ہیں لیکن یہاں من الدین کا لفظ

لائے ہیں کیونکہ امام بخاری کے ہاں ایمان، اسلام اور دین سب الفاظ مترادفہ ہیں۔
اشکال:

ترجمہ الباب اور حدیث باب میں مطابقت نہیں ہے کیونکہ وہاں من الدین الفرار ہے اور حدیث میں یفر بدینہ ہے یعنی دین کو لیکر بھاگے گا۔ اس اشکال کو امام نووی نے نقل کیا ہے۔

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں (۱) یہ اشکال تب درست ہے جب ہم من الدین میں ”من“ کو تبعیضیہ یا جنسیہ مان لیں لیکن اگر من ابتدائیہ ہو تو پھر مناسبت واضح ہے کیونکہ اس صورت میں معنی ہوگا کہ اس فرار کا منشاء فتنے ہونگے اور یہی ترجمہ حدیث میں ہوگا۔

(۲) سید فخر الدین فرماتے ہیں کہ من تبعیضیہ ہی مراد لیں لیکن ایمان دو چیزوں کا نام ہے (۱) تصدیق قلبی (۲) اعمال صالحہ تو فتنوں سے عموماً تصدیق متاثر نہیں ہوتی لیکن قوت عملی متاثر ہوتی ہے تو وہ شخص اسی عمل کی حفاظت کیلئے بھاگتا ہے۔ یعنی یفر بدینہ ای بعملہ فتنے سے مراد کیا ہے؟

محدثین نے ذکر کیا ہے کہ فتنے عام ہیں چاہے اعتقادی ہوں یا مال و اولاد ہوں یا غلبہ معاصی ہوں۔ علی العموم اس کا اطلاق ہوگا۔ یعنی دینی امور کی مخالفت عام ہو جائے اور دین کی حفاظت مشکل ہو جائے تو کمزوروں کو اجازت ہے کہ وہ حفاظت دین کی خاطر نکل بھاگیں۔

فتنہ کی تعریف:

وہی التی لا یعلم بحیرھا من شرھا۔

کثرت معاصی کی صورت میں خلوت افضل ہے یا اختلاط و جلوت؟

امام نووی امام شافعی سے نقل کرتے ہیں کہ کثرت معاصی کے وقت اختلاط اولیٰ ہے اور باقی ائمہ کے ہاں فرار اولیٰ ہے۔ لیکن بعض محدثین نے نقل کیا ہے کہ لوگوں کی مختلف قسمیں ہیں (۱) وہ لوگ جو فتنے کو روکنے کی قدرت رکھتے ہوں اور اپنی پختگی کی وجہ سے فتنے سے متاثر ہونے کا خدشہ نہ ہو تو ان کیلئے اختلاط اولیٰ ہے (۲) وہ لوگ جو فتنے کے روکنے پر

قدرت نہ رکھتے ہوں یا خود متاثر ہونے کا خدشہ ہو تو ان کیلئے خلوت اولیٰ ہے۔ یہ خلوت جب ہوگی جب معاشرے میں ایسا فرد موجود نہ رہے جس پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اثر نہ ہوتا ہو بصورت دیگر فرار جائز نہیں۔ حدیث سے ثابت ہے کہ یہ صورت بالکل آخری زمانہ میں ہوگی۔

شَعْفٌ..... یہ جمع ہے شفعة کی بمعنی پہاڑ کی چوٹی

مواقع القطر.....

وہ مقامات جہاں بارش زیادہ ہوتی ہو۔ جیسے وادیاں، اور جنگلات وغیرہ۔

خیر مال المسلم غنم..... صرف بکری کی تخصیص مراد نہیں بلکہ ہر وہ مال جو قلیل المؤمنین اور خفیف الحمل ہو مراد ہے۔
غنم کی تخصیص بالذکر کی وجوہ:

(۱) سہل الانقیاد ہونا (۲) اس کے چرانے سے راعی میں مسکنت پیدا ہوتی ہے کیونکہ یہ مسکین جانور ہے اس لئے تو ہرنبی نے بکریاں چرائی ہیں۔ (۳) اس کی نسل بھی زیادہ ہوتی ہے۔

باب (بلا عنوان)

قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا اعلمکم باللہ وان المعرفة فعل القلب
ولکن یواخذکم بما کسبت قلوبکم.

حدثنا محمد بن سلام..... عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت کان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا امرهم من الاعمال بما یطیقون قالوا انا لسنا
کھیبأتک یا رسول اللہ ان اللہ قد غفر لک ماتقدم من ذنبک وما تاخر فیغضب
حتی یعرف الغضب فی وجہہ..... ان اتقاکم واعلمکم باللہ انا. الحدیث
ترجمہ الباب کا مقصد:

ترجمہ الباب کے دو جز ہیں (۱) انا اعلمکم باللہ اس سے مر جیہ کا رد کرنا مقصد ہے
(۲) ان المعرفة فعل القلب اس سے کرامیہ کا رد کرنا مقصود ہے جو ایمان کو اقرار باللسان

سے تعبیر کرتے ہیں اس تفصیل کو بصورت اشکال مع جواب اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ
اشکال:

اس باب کی مناسبت کتاب الایمان سے نہیں ہے بلکہ اس کو کتاب العلم میں ذکر کرنا
چاہئے؟
جواب جزء نمبر ۱:

حدیث میں انا اعلمکم باللہ سے اشارہ ہے کہ میں ذات باری تعالیٰ و اوصافہ کا تم
سب سے زیادہ عالم ہوں تو تفاوت فی العلم ثابت ہو اور اس سے تفاوت فی العمل خود ثابت
ہو جاتا ہے کیونکہ عمل علم کا نتیجہ ہے اور تفاوت فی العمل سے تفاوت فی الثمرہ ثابت ہوتا ہے
لہذا عمل کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔

جواب جزء ۲:

یہ کرامیہ پر رد ہے اس طرح کہ ایمان صرف اقرار کا نام نہیں ہے بلکہ تصدیق قلبی اور
معرفت قلبی بھی ضروری ہے اور معرفت قلب کا عمل ہے اور قلب کیلئے عمل قرآن سے ثابت
کیا۔
ما قبل سے ربط:

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ما قبل سے مناسبت یہ ہے کہ ما قبل باب میں صحابہ کرام نے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادت فی العبادۃ طلب کی تھی اور کی وجہ ظاہر ہے کہ انہیں حلاوت
ایمان حاصل ہو چکی تھی۔ اس باب میں حلاوت اور اس کے اسباب کا بیان ہے۔
اشکال:

باب میں ایمان کا ذکر ہے اور ذکر کردہ آیات میں ایمان کا ذکر ہے۔

جواب:

(از علامہ کشمیری) آیت سے صرف قلب کا فعل ثابت کرنا مراد ہے پھر اس کے بعد
معرفت کو قلب کا فعل ثابت کرنا ہے آیت کریمہ کو اس لئے نہیں لائے کہ معرفت فعل القلب
ہے۔

حدیث کا واقعہ:

یہ حدیث مختصر ہے واقعہ اس طرح تھا کہ تین صحابی آپ کے گھر تشریف لائے اور آپ کا نمل مبارک دریافت کرنے لگے جب ان کو بتایا تو کانہم تقالوا انہوں نے کم سمجھا اور کہا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرتے ہیں تو وہ مغفور ہیں، ہمیں زیادہ عمل کرنا چاہئے۔ ایک نے کہا کہ میں ساری عمر رات میں نماز پڑھوں گا، دوسرے نے کہا کہ میں تمام عمر شادی نہیں کروں گا اسی اثناء میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ان کے جوابات سن کر غصہ ہو گئے پھر فرمایا "ان اتقاکم واعلمکم باللہ انہ" اور فرمایا کہ وہ عمل اختیار کرو جو نبھا سکو اگر چہ قلیل ہو۔

امرہم من الاعمال بما یطیقون.....

جامع ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو اشق کو اپنے لئے اور اخف (آسان) کو امت کیلئے منتخب فرماتے۔ علامہ انور شاہ کشمیری نے فرمایا ہے کہ شفقت علی الامہ اور شق علی النفس کرنا نبوت کا خاصہ ہے جیسے تہجد اور وضو کل صلوة کے مسائل میں اشق اور اہل کافرق ہے۔

ان اللہ قد غفر لك ما تقدم من ذنبك.....

مسئلہ عصمتِ انبیاء:

انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں اجماع ہے کہ وہ کفر اور کبائر سے معصوم ہوتے ہیں اور بقول اکثر اہل سنت والجماعت صغائر سے بھی معصوم ہوتے ہیں خصوصاً وہ صغائر جو نحت اور رذالت پر دال ہوں۔

ذنب..... ایک معاصی ہے جو سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے لیکن یہاں ذنب سے مراد وہ باتیں ہیں جو حضور کی شان سے کم ہوں یعنی حسنات الابرار سیئات المعقربین کے تحت ذنب کہا۔

(ان اللہ قد غفر لك من ذنبك) اس میں ذنب کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

طرف کی گئی ہے اس سے مراد (۱) بعض کے ہاں امت کے ذنوب ہیں (۲) آپ کی طرف ہی نسبت ہے لیکن وہی ذنب مراد ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ آپ کی شان کے خلاف امور کو ذنب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

باب من کرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یلقی فی النار من الایمان

حدثنا سليمان حرب عن أنس رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ثلث من كن فيه وجد حلاوة الايمان من كان الله ورسوله احب اليه مما سواهما، ومن احب عبدا لا يحبه الا لله ومن يكره ان يعود في الكفر بعد اذ انقذه الله كما يكره ان يلقى في النار
ترجمة الباب کا مقصد:

عام شارحین کا قول یہ ہے کہ اس سے مر جیہ پر رد مقصود ہے کیونکہ حدیث میں مذکور امور مثلاً طاعات ہیں اور ان کا فائدہ حلاوت ایمان کا پانا ہے تو معلوم ہوا کہ طاعات مفید ہیں اور معاصی مضر ہیں۔

اشکال:

اس ترجمہ الباب کی مناسبت کتاب الایمان سے نہیں ہے بلکہ ضد ایمان یعنی کفر سے ہے؟

جواب:

امام بخاری کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ اضداد کو ذکر کرتے ہیں اور یہ قاعدہ مسلم ہے کہ بضدها تتبين الاشياء

اشکال:

ابن حجر نے لکھا ہے کہ امام بخاری کے اصول موضوعہ میں سے ہے کہ وہ تکرار نہیں کریں گے لیکن یہاں تکرار کی ہے کیونکہ یہ حدیث باب حلاوة الایمان میں گزر چکی ہے؟

جواب:

اس حدیث میں اور گزشتہ حدیث میں فرق ہے۔ (۱) اختلاف رواۃ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ تمام رواۃ مختلف ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ اختلاف رواۃ سے حدیث مختلف ہو جاتی ہے (۲) الفاظ دونوں کے مختلف ہیں وہاں پر ان یکون اللہ، وان یحب المرء اور یکرہ کے الفاظ ہیں جبکہ اس حدیث میں من کان اللہ، ومن یکرہ کے الفاظ ہیں (۳) کچھلی حدیث میں بعد اذ انقذہ اللہ نہیں ہے (۴) وہاں پر ان یقذف فی النار ہے اور یہاں پر ان یلقی فی النار ہے۔ عام مسلمان پہلے کافر تھے اس اعتبار سے اذ انقذہ اللہ فرمایا۔

باب تفاضل اهل الایمان فی الاعمال

حدثنا اسماعیل عن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یدخل اهل الجنة الجنة واهل النار النار ثم یقول اللہ اخرجوا من کان فی قلبه مثقال حبة من خردل من ایمان وقال وهیب حدثنا عمرو الحیاہ وقال خردل من خیر.

حدثنا محمد بن عبد اللہ عن ابی امامة بن سہل بن حنیف سمع اباسعید الخدری یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینا انا نائم الحدیث.

ترجمہ الباب کا مقصد:

(۱) یہ رد علی المرجیہ ہے کیونکہ جب فضیلت کا مدار اعمال پر ہے تو اعمال کا مفید ہونا ثابت ہوا۔

(۲) حضرت گنگوہی کا قول ہے کہ اس سے خوارج و معتزلہ پر رد ہے کیونکہ گذشتہ ابواب میں عمل کی اہمیت کو ثابت کیا تو خوارج کی تائید کا شبہ ہوا تو اس باب سے خوارج پر رد کیا اس طرح کہ گناہوں کے سبب لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے اور پھر نکالے جائیں گے حالانکہ خوارج کے ہاں مرتکب کبیرہ مخلص فی النار ہوگا۔

(۳) علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اعمال کو ایمان کے اندر داخل کرنا مقصد ہے کیونکہ فی

الاعمال میں ”فی“ ظرفیہ اور سیبہ دونوں ہو سکتا ہے تو اگر سیبہ مانیں گے تو معنی ہوگا کہ عمل کے سبب اہل ایمان ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔

(۴) زیادت و نقصان کا ثبوت دینا مقصد ہے کہ ایمان اعمال سے گھٹتا اور بڑھتا ہے اب یہ زیادت یا تو نفس تصدیق میں ہوگی یا باعتبار اعمال کے زیادت ہوگی تو بتا دیا کہ زیادت فی الاعمال مراد ہے۔ حضرت گنگوہی فرماتے ہیں کہ بعینہ یہی قول احناف اور متکلمین کا بھی ہے۔

اشکال:

یہ دعویٰ کہ الایمان یزید وینقص تو پہلے کتاب الایمان میں کیا تھا اب دوبارہ، یہ تو تکرار ہے۔

جواب:

(۱) اولاً ترجمہ جامعہ تھا اور اس میں اجمال تھا اور اب اس کی تفصیل ہے۔
(۲) وہاں یہ شبہ بھی ہو سکتا تھا کہ زیادۃ فی التصدیق مراد ہو۔ تو اب اس کی تفصیل بیان کی کہ زیادت فی الاعمال مراد ہے۔

اشکال:

یہاں پر ترجمہ الباب اور آگے زیادۃ الایمان و نقصانہ میں کیا فرق ہے؟

جواب:

(۱) امام بخاری کا طریقہ یہ ہے کہ جب کسی دعویٰ کو ثابت کرتے ہیں تو اس کیلئے مختلف عنوانات قائم کرتے ہیں تاکہ تاکید حاصل ہو جائے یہاں بھی زیادت و نقصان ایمان کیلئے مختلف ابواب قائم فرمائے ہیں۔

(۲) اس باب میں زیادت و نقصان کا ثبوت اعمال کے اعتبار سے ہے اور اگلے باب میں نفس تصدیق کی زیادت کا ثبوت ہے۔

(۳) یہاں پر مؤمن بہ کے اعتبار سے زیادت کا بیان ہے اور آگے نفس تصدیق کی

زیادت کا بیان ہے۔

اشکال:

اس حدیث میں من خردل من ایمان ہے اور آگے باب میں برّة من خیر ہے اور خیر عمل ہے تو اس حدیث مذکور کو وہاں ذکر کرنا مناسب تھا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ والی روایت یہاں مناسب تھی۔

جواب:

علامہ کشمیری فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اجمال ہے۔ کتاب التوحید میں امام بخاری اور اسی طرح امام مسلم نے کتاب الایمان میں بعینہ یہی روایت مفصل ذکر کی ہے جس میں اعمال کا ذکر ہے لہذا یہ حدیث یہاں مناسب ہے۔

فائدہ:

اس باب کی دوسری حدیث میں اشکال ہے قیص کی دین کے ساتھ کیوں تعبیر دی؟ جواب یہ ہے کہ قرآن سے اقتباس کر کے کیونکہ وہاں ارشاد ہے ولباس التقویٰ ذلک خیر۔

اشکال:

حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ افضل ہیں جبکہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ افضل ہیں؟ جواب:

(۱) اس حدیث میں حضرت ابو بکر مسکوت عنہ ہیں گویا وہ اس خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلائے ہی نہیں گئے۔

(۲) یہ جزوی فضیلت ہے لیکن کلی فضیلت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے اور جزوی فضیلت مفضول کو حاصل ہو سکتی ہے اور اس میں منافات نہیں ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ایمان اس قدر مکمل تھا کہ عرض کی ضرورت ہی نہیں تھی، اور اسی جواب کو علامہ عینی نے بھی پسند فرمایا ہے۔

فتحہ اور ضمہ کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ اس معنی جنگلی بیج کے ہیں۔

باب الحياء من الايمان

حدثنا عبد الله بن يوسف عن سالم بن عبد الله عن ابيه ان النبي صلى الله عليه وسلم مر على رجل من الانصار وهو يعظ اخاه في الحياء فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم دعه فان الحياء من الايمان.

ما قبل سے ربط:

اس سے پہلے باب میں تفاضل ایمان فی الاعمال کا بیان تھا اس باب میں اس چیز کو بیان کیا جا رہا ہے جس سے ایمان کے اندر زیادتی پیدا ہوتی ہے اور وہ حیا ہے۔
ترجمہ الباب کا مقصد:

(۱) حسب سابق رد علی المرجیہ ہے کیونکہ حیا ایک عمل ہے اور اس کو ایمان کا جز قرار دیا ہے لہذا اعمال کی اہمیت ثابت ہوئی۔

(۲) یہ بتانا مقصود ہے کہ اعمال ایمان کا جزء ہیں تو اس سے ایمان کی ترکیب ثابت ہوتی ہے اور ترکیب سے زیادت و نقصان ثابت ہوتا ہے کیونکہ ہر مرکب چیز قابل للزیادة والنقصان ہوتی ہے۔

(۳) شعب الايمان میں سے ایک شعبے کا بیان ہے۔

مر على رجل من الانصار وهو يعظ اخاه.....

عبارت کی تشریح میں چند باتیں ہیں:

(۱) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ کافی تتبع اور تلاش کے بعد بھی اس رجل انصاری اور

اس کے اخ کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

(۲) بعض روایات میں بعض اخاه کے بجائے يعاتب اخاه ہے اور امام بخاری نے

الادب المفرد میں کچھ اضافہ نقل کیا ہے کہ يعاتب اخاه كأنه يقول قد اضرک الحياء کیونکہ حیا کی وجہ سے انسان بسا اوقات اپنا حق بھی وصول نہیں کر پاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیا ایمان ہے ہے اور حیا کی وجہ سے جو اجر ملتا ہے وہ اس نقصان سے بہتر

ہے۔

(۳) جس طرح ایمان معاصی سے مانع ہے اسی طرح حیا بھی معاصی سے مانع

ہے۔

(۴) حیا کی تعریف امام اصفہائی نے اس طرح فرمائی ہے ”هو انقباض النفس

عن القبيح“ اور حیا جین اور عفت سے مرکب ہے کیونکہ کبھی ملامت کے خوف سے حیا ہوتی ہے اور کبھی عفت کی وجہ سے۔ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ بزدل بہت کم فاسق ہوتا ہے اور جرأت مند بہت کم حیا دار ہوتا ہے۔ دوسری تعریف حیا کی یہ کی گئی ہے: الحياء حالة

تولد من رؤية الآلاء ورؤية التقصير

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حیا کے اوپر اگر باعث شرع ہو تو یہ حیا شرعی ہے اگر

باعث عقل ہو تو حیا عقلی ہے اور اگر باعث عرف ہو تو حیا عرفی کہلائے گی۔

حیا کی مخالفت کا حکم:

حیا شرعی کی مخالفت کرنے والا فاسق ہوتا ہے، حیا عقلی کی مخالفت کرنے والا مجنون

اور حیا عرفی کی مخالفت کرنے والا ابلہ ہوتا ہے۔

باب فان تابوا واقاموا الصلوة واتوا الزكوة فخلوا سبيلهم الاية

عن عمر رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أمرت ان

اقاتل الناس حتى يشهدوا ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله و يقيموا

الصلوة و يؤتوا الزكوة فاذا فعلوا ذلك عصموا منى دماءهم و امولهم الا بحق

الاسلام و حسابهم على الله. الحديث

ترجمہ الباب کا مقصد:

(۱) رد علی المرجیہ ہے وہ اس طرح کہ حدیث میں عصمت اموال اور عصمت جان

کیلئے شہادتین، اقامت صلوٰۃ اور ایتاء الزکوٰۃ کو موقوف علیہ قرار دیا گیا ہے لہذا جب دنیا میں

اعمال کی وجہ سے جان و مال محفوظ ہیں تو آخرت میں بھی اعمال صالحہ کی وجہ سے جان عذاب

الہی سے محفوظ ہوگی (۲) حسب سابق جزئیت ایمان، ترکیب اعمال اور زیادت و نقصان کو

ثابت کرنا مقصد ہے۔

اشکال:

اس حدیث کی صحت پر علامہ ابن حجرؒ نے اشکال نقل کیا ہے کہ یہ حدیث اگر صحیح ہوتی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس موجود ہوتی تو وہ حضرت عمر کو ضرور بتاتے جبکہ حضرت عمر اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کے درمیان منکرین زکوٰۃ کے بارے میں مناظرہ ہوا تھا لہذا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے؟

واقعہ کی تفصیل:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لوگوں کے کئی طبقے ہو گئے تھے (۱) اکثر لوگ تو اسلام پر قائم رہے (۲) دوسرا طبقہ منکرین زکوٰۃ کا تھا اس میں بھی دو گروہ تھے ایک وہ تھے جو مطلقاً زکوٰۃ کے منکر تھے (۳) دوہم وہ لوگ تھے جو کہتے تھے کہ زکوٰۃ لینا صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تھا اب ہم سے حکومت نہیں لے سکتی ہم اپنی مرضی سے جو چاہیں گے دیں گے۔ وہ استدلال کرتے تھے آیت ”حذمن اموالہم صدقة تطہرہم“ سے یہ خطاب آپ کو ہے۔ (۴) چوتھا طبقہ وہ تھا جو کافر ہو گئے تھے ان میں پھر دو گروہ ہو گئے تھے ایک وہ جو اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ گئے دوسرے وہ جنہوں نے جھوٹے مدعیان نبوت کی پیروی کی جیسے مسیلمہ کذاب وغیرہ

تو اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان مرتدین سے قتال کے بارے میں اتفاق تھا البتہ منکرین زکوٰۃ کے بارے میں اختلاف رائے تھا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تو قتال کا ارادہ رکھتے تھے جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”کیف تقاتل الناس وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أمرت ان أقاتل الناس حتی یشہدوا ان لا الہ الا اللہ ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکوٰۃ فان فعلوا ذلك عصموا منی اموالہم ودمائہم“ تو حضرت ابو بکر نے جواب دیا کہ ”واللہ لا قاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ“ آخر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شرح صدر ہو گیا اور وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حامی ہو گئے تو اگر یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے والد سے بیان کر لیتے تو سرے

سے اختلاف ہی پیش نہ آتا۔

جواب:

(۱) اس وقت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ حدیث مستحضر نہیں تھی (۲) اس مجلس میں ابن عمر رضی اللہ عنہما موجود نہیں تھے (۳) ممکن ہے بعد میں سنادی ہو۔

امرت ان اقاتل الناس.....

اُمّرت فعل مجہول ہے اور امر متعین ہے کیونکہ پیغمبر جب بھی اُمّرت کہے تو امر اللہ تعالیٰ ہوں گے اور جب صحابی کہے تو پھر امر نبی متعین ہے اور جب تابعی کہے تو صحابی ہونا ضروری نہیں ہے۔

اشکال:

حدیث میں انتہاء قتال ایمان، اقامت صلوٰۃ اور اداء زکوٰۃ ہے جبکہ قرآن کریم میں ذمی (جزیہ دینے والا) اور معاہد سے قتال کو منع کیا گیا ہے۔

جواب:

(۱) اس حدیث کا عمومی حکم جزیہ اور معاہد کے حکم سے منسوخ ہے۔

(۲) یہ عام مخصوص منہ البعض ہے یعنی معاہد اور ذمی اس کے خاص ہیں۔

(۳) الناس عام ہے لیکن اس سے خاص لوگ (مشرکین) مراد ہیں۔

قبول جزیہ کی تفصیل:

(۱) حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے ہاں ہر اہل کتاب سے جزیہ لیا جائے گا چاہے عربی ہو یا عجمی (۲) امام مالک کے ہاں ہر کافر سے جزیہ لیا جائے گا البتہ مرتد سے نہیں لیا جائے گا۔ (۳) امام ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ عرب میں صرف اہل کتاب سے اور عجمیوں میں ہر کافر سے جزیہ لیا جائے گا چاہے مشرک ہو یا اہل کتاب البتہ عرب میں مشرکین سے نہیں لیا جائے گا۔

حتیٰ بشہلوا..... اس سے مراد حتیٰ بذعنوا ہے کہ اسلام قبول کر لیں اور یہ قبول یا تو حالاً ہوگا یا مآلاً ہوگا حالاً تو لا الہ الا اللہ کہنا ہے اور مآلاً جزیہ دینا ہے کہ آہستہ آہستہ اسلام

سے مانوس ہوگا تو قبول کر لیگا۔

شہادتین سے مراد یہ ہے کہ اسلام کے راستے کی رکاوٹ ہٹ جائے اور یہ رکاوٹ ہٹنا اسلام لانے سے ہوگا اور اسی طرح جز یہ ادا کرنے سے بھی یہ رکاوٹ ہٹ جاتی ہے۔
تارک صلوٰۃ کا حکم:

ترک صلوٰۃ کی کئی قسمیں اور صورتیں ہیں: (۱) تارک منکر کہ نماز کی فرضیت کا منکر ہو یہ بالاتفاق کافر ہے اور مباح الدم ہے
(۲) نماز بھول جائے یا نماز کے وقت سو جائے اس صورت میں بالاتفاق کافر نہ ہوگا اور نہ گنہگار۔

دلیل: (۱) حدیث میں ہے ”من نام عن صلوتہ او نسیہا فلیصلہا اذا ذکرہا“
(۲) رفع القلم عن ثلث اس میں عن النائم حتی استيقظ (۳) استخفافاً ترک کرنا یہ بھی اکثر کے ہاں کفر ہے کیونکہ کتب عقائد میں ہے کہ استخفاف الفرائض کفر ہے۔ (۴) تساہل یا نکاسل کی وجہ سے ترک کرنا اس میں اختلاف ہے جو یہ ہے:
امام احمد بن حنبل اور بعض محدثین کے ہاں تارک صلوٰۃ عمد مرتد ہے اور بوجہ ارتداد کے قتل کیا جائے گا۔

امام شافعی اور امام مالک کے ہاں بھی تارک صلوٰۃ کا حکم قتل کا ہے لیکن ارتداد کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ ترک صلوٰۃ کی سزا ہے۔

امام ابو حنیفہ ان ہاں تارک الصلوٰۃ کو قید کیا جائے گا اور مارا جائے گا حتیٰ کہ خون آلود ہو جائے و یحبس حتیٰ یموت او یتوب۔

اور اہل ظواہر کے ہاں تارک صلوٰۃ کو دس کوڑے ماریں جائیں گے پھر اس سے نماز پڑھنے اور توبہ کا مطالبہ ہوگا اگر انکار کرے تو پھر دس کوڑے ماریں جائیں گے ہلم جراہیہ سزا نماز کا وقت ختم ہونے تک ہوگی وقت ختم ہونے تک اس نماز کی سزا ختم ہو جائے گی پھر اگلی نماز کا مطالبہ ہوگا اور انکار پر سزا ہوگی لیکن طلوع آفتاب سے لیکر زوال تک سزا موقوف رہے گی کیونکہ اس وقت کوئی نماز فرض نہیں ہے اور اسی طرح نصف لیل یا ثلث لیل سے طلوع

فجر تک بھی سزا موقوف رہے گی اگر اس سزا سے خود بخود مر جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن قتل کرنے کا ارادہ نہیں کیا جائے گا۔
تارک صلوٰۃ کو مرتد کہنے کی دلائل:

(۱) ان العهد الذی بیننا و بینہم الصلوٰۃ فمن ترکہا فقد کفر (۲) انما بین الرجل و بین الکفر و الشریک ترک الصلوٰۃ (۳) فمن ترکہا متعمدا فقد برئت منه الذمۃ
جمہور کی تاویلات:

(۱) یہ احادیث مستحل پر محمول ہیں یعنی ترک الصلوٰۃ کو جائز سمجھنے والا بالاتفاق کافر

ہے۔

(۲) کفر کا استعمال کفرانِ نعمت کیلئے ہے کہ نعمت خداوندی کا تقاضا تو یہ تھا کہ نماز پڑھتا لیکن یہ نماز نہ پڑھ کر کفرانِ نعمت کر رہا ہے۔

(۳) اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے کافروں جیسا عمل کیا فقد فعل فعل الکفر یہ تاویلات اس لئے کرتے ہیں کہ یہ بات اصول و نصوص سے ثابت ہے کہ ترک الصلوٰۃ گناہ کبیرہ ہے اور اتکاب کبیرہ سے آدمی کافر نہیں ہو جاتا۔
امام شافعیؒ اور امام مالک کے دلائل:

دلیل (۱): ترجمۃ الباب کی حدیث سے کہ حدیث میں عصمت دم اور مال کیلئے حد شہادتین یعنی قبول اسلام، نماز اور زکوٰۃ کو مقرر کیا گیا ہے تو مفہوم مخالف سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز نہ پڑھنے سے خون محفوظ نہیں رہتا۔ (۱) أمرت ان اقاتل الناس حتی یشہدوا الخ سے اس حدیث سے دو طرح سے استدلال کیا گیا ہے (۱) یہ امام نوویؒ کی طرف منسوب ہے کہ حدیث میں قتال کا ذکر ہے اور اس سے قتل مراد ہے لیکن یہ نسبت امام نوویؒ کی طرف غلط ہے اور یہ استدلال بھی ضعیف ہے کیونکہ قتال تلحیدہ چیز ہے اور قتل تلحیدہ چیز ہے امام شافعیؒ کا قول مشہور ہے کہ "لیس القتال من القتل بسبیل قد یحل قتال الرجل ولا یحل قتله" چنانچہ سترہ کی حدیث میں ہے کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو روک

دو ”فان ابی فلیقاتله فبما هو الشیطان“ لیکن اہل سنت میں کسی کے ہاں بھی اس کو قتل کرنے کا جواز نہیں ہے۔

(۳) لوگوں کی عصمت خون اور مال کیلئے توبہ، نماز اور زکوٰۃ کو موقوف علیہ قرار دیا گیا ہے اور ایمان لا کر نماز نہ پڑھنے والے کی عصمت دم باقی نہیں رہے گی اور زکوٰۃ نہ دینے والے کی عصمت مال باقی نہیں رہے گی۔

احناف کا جواب:

یہاں قتال کا حکم ہے اور قتال ہمارے ہاں بھی ہے چنانچہ امام محمد فرماتے ہیں کہ ختنہ ترک کرنے والے قریہ سے قتال کیا جائے گا تو ترک صلوة کرنے والوں کے ساتھ تو بطریق اولی قتال ہوگا۔

احناف کی دلیل:

حدیث جو سندا بھی صحیح ہے اور صریح بھی ہے کہ ”لایحل دم امرء مسلم یشہد ان لا الہ الا اللہ وانى رسول لله الا باخذی ثلاث: النفس بالنفس والشیب الزانی والمفارق لدينه تارك الجماعة۔“

مناظرہ:

اس مسئلہ میں امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے درمیان مناظرہ ہوا امام شافعی نے پوچھا کہ تارک صلوة کا کیا حکم ہے؟ تو امام احمد نے فرمایا کہ ”ہو کافر“ امام شافعی نے پوچھا تو پھر اس کے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ تو امام احمد نے فرمایا کہ توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔ امام شافعی نے فرمایا کہ اگر توبہ سے مراد کلمہ پڑھنا ہے تو اس سے توبہ انکار نہیں کرتا اور اگر توبہ سے مراد نماز پڑھنا ہے تو کافر کی نماز تو قبول نہیں ہوتی۔ فسکت الامام احمد بن حنبل

زندیق کی توبہ کا مسئلہ:

زندیق کی تعریف:

المبطن للكفر والمظهر للاسلام كالمنافق

صاغائی نے نقل کیا ہے کہ زندیق ”زن دین“ سے معرب ہے یعنی عورتوں جیسا

مذہب رکھنے والا، یہ عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ دل میں کچھ رکھتی ہیں اور زبان سے کچھ کہتی ہیں۔

زندیق کا حکم:

(۱) امام شافعیؒ اور امام صاحبؒ سے ایک روایت کے مطابق اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول ہوگی (۲) امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس کی توبہ احکام دنیویہ کے اعتبار سے قبول نہیں ہوگی بلکہ قتل کیا جائے گا البتہ اگر توبہ صادقہ ہو تو عند اللہ نافع ہوگی (۳) ایک مرتبہ توبہ قبول ہوگی لیکن دوبارہ زندیقہ ثابت ہو جانے پر توبہ قبول نہیں ہوگی (۴) حکومت کے گرفتار کرنے سے پہلے اگر توبہ کر لے تو توبہ قبول ہے ورنہ گرفتاری کے بعد قبول نہیں ہوگی۔ یاد رہے کہ یہ اختلاف اقوال اس زندیق کے بارے میں ہے کہ جو ظاہر اُمسلمان ہو اور باطن میں کفر کو چھپائے، اور اس کا علم اس طرح ہو سکتا ہے کہ اس کے کفر پر کچھ شہود مطلع ہو جائیں یا خود اس کا اپنا اقرار ہو۔

قول صحیح:

احکام دنیویہ کے لحاظ سے توبہ قبول نہیں ہوگی بلکہ قتل کیا جائے گا۔

باب فان تابوا.....

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ لفظ ”باب“ رولیتہ منون ہے اور اس صورت میں اصل عبارت کی تقدیریوں ہوگی ”باب فی تفسیر قولہ تعالیٰ فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ

الایۃ

یہ تقدیر نکالنے پر علامہ عینیؒ نے حافظؒ پر اعتراض کیا ہے کہ یہ کتنا التفسیر نہیں کہ تفسیر کیلئے ابواب قائم کریں لیکن جمہور محدثین نے حافظؒ کی بات کو تسلیم کیا ہے کہ اس سے محض تفسیر مراد نہیں بلکہ مرجیہ پر رد کرنا بھی مقصود ہے۔

عصموا منی دعائهم الا بحق الاسلام.....

مثلاً اگر مسلمان چوری کرے مخصوص مقدار کی اور ثابت ہو جائے تو قطع الید کا حکم ہوگا بحکم اسلام یا شادی شدہ زنا کرے تو قتل کیا جائے گا۔

و حسابہم علی اللہ.....

یعنی ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے۔ علی ایجاب کیلئے آتا ہے اور اہل سنت کے ہاں اللہ تعالیٰ پر کوئی شے واجب نہیں ہے لہذا علی بمعنی الی یعنی موکول الی اللہ۔ مطلب یہ ہے کہ ظاہر اعمال کی وجہ سے تو ہم مسلمان کے احکام جاری کریں گے لیکن اندرونی ایمان کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے لہذا یہ حساب اللہ تعالیٰ کی طرف موکول ہے۔

التعلیق الصبیح میں اس مسئلہ سے متعلق یہ اشعار لکھے ہیں:

بحسر الذی ترک الصلوۃ و خاب	و أبی معاداً صالحاً و ماباً
إن کان یحجدها فحسبک أنه	أمنی بربک کافراً مرتاباً
أو کان یترکها لنوع تکاسل	غطی علی وجه الصواب حجاباً
فالشافعی و مالک رأیالہ	إن لم یتب حد الحسام عقاباً
و أبو حنیفہ قال یترک مرة	هملاً و یحبس مرة ایجاباً
و یکف عنه القتل طول حیاته	حتى یلاقی بالحساب ماباً

باب من قال ان الايمان هو العمل

لقول اللہ تعالیٰ: تلك الجنة التي أورثتموها بما كنتم تعملون ﴿۱﴾ وقال عدة من أهل العلم في قوله تعالى: فَوَرَبِّكَ لَنَسْتَلْتَنَّهُمَ اجْمَعِينَ عما كانوا يعملون عن قول لا إله الا الله، وقال تعالیٰ لمثل هذا فليعمل العملون حدثنا احمد بن يونس..... عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ سئل أي العمل افضل؟ قال ايمان بالله ورسوله قيل ثم ماذا؟ قال الجهاد في سبيل الله قيل ثم ماذا؟ قال حج مبرور.

ترجمہ الباب میں عمل سے مراد کیا ہے؟

(۱) علامہ رشید احمد گنگوہی اور علامہ انور شاہ کشمیری کے ہاں عمل سے مراد عمل القلب ہے۔ (۲) علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عمل الجوارح ہے (۳) عام شراح کرام فرماتے ہیں کہ عمل عام ہے عمل القلب اور عمل الجوارح سب کو شامل ہے۔

ترجمہ: الباب کا مقصد:

علامہ گنگوہی فرماتے ہیں یہ ایک اشکال کا جواب ہے کیونکہ ابتداء میں امام بخاری نے سلف کا قول نقل کیا ہے کہ الایمان هو قول وفعل لیکن یہ بداہت کے خلاف ہے کیونکہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عمل سے مراد عمل القلب ہے اور تصدیق بھی عمل القلب ہے لہذا اشکال نہیں ہوتا۔

علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں اس سے اُن لوگوں پر رد ہے جو ایمان کو فقط قول سے تعبیر کرتے ہیں اس پر رد ہے کہ اقرار کے ساتھ ساتھ تصدیق قلبی بھی ضروری ہے بغیر تصدیق قلبی کے ایمان کا اعتبار نہیں ہے۔

علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کو متعدد بار اعمال صالحہ کو ایمان پر عطف کیا گیا ہے اور قاعدہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں تغایر ہوتا ہے گویا ایمان اور عمل میں تغایر ہے۔ تو اس کا جواب دیا کہ یہ عطف الخاص علی العام ہے جس کا مقصود استیفاء اور استقصاء ہے۔ مغایرت کی وجہ سے عطف نہیں کیا گیا۔

عام شارحین فرماتے ہیں کہ امام بخاری اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کیلئے قرآن وحدیث سے استدلال کر رہے ہیں دعویٰ یہ تھا کہ ”الایمان هو قول وفعل“ تو ثابت کر رہے ہیں اعمال ایمان کا جزء ہیں۔

ایک اور رائے یہ ہے کہ اس سے جہمیہ کا رد مقصود ہے کہ ایمان فقط معرفت کا نام نہیں کیونکہ معرفت تو غیر اختیاری بھی ہوتی ہے اس سے تو یہود کو مسلمان ماننا پڑے گا لہذا ایمان عمل یعنی معرفت اختیاری کا نام ہے۔

وتلك الحنة التي اورثتموها

یہاں اس بات کا بیان ہے کہ جنت کا حصول عمل کے ذریعے ہوگا حالانکہ ظاہر ہے کہ عمل مجرد عن الایمان پر جنت نہیں ملے گی بلکہ قبول عمل کیلئے ایمان شرط ہے تو بمعنی بما کنتم تؤمنون ہے لہذا معلوم ہوا کہ ایمان اور عمل ایک ہی چیز ہے۔

جنت پر وراثت کا اطلاق:

یہاں یہ اشکال ہے کہ مندرجہ بالا آیات میں جنت پر وراثت کا اطلاق ہوا ہے حالانکہ وراثت تو مورث کے ترکہ کو کہتے ہیں جو وارث کو مورث کی وفات کے بعد ملتی ہے اور جنت تو اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور ذات واجب الوجود پر فنا اور موت نہیں آتی؟

جواب (۱): یہ اطلاق تشبیہاً ہوا ہے جنت کو وراثت کے ساتھ دو صفت میں مشابہت حاصل ہے (۱) وارث میراث میں تصرف کرنے میں مکمل آزاد ہوتا ہے ایسے مسلمان بھی جنت میں مکمل طور پر تصرف کرنے میں آزاد ہوگا لکم فیہا ما نشتہہ الانفس (۲) جیسے وراثت وارث کو دونا ملتی ہے ایسے جنت بھی دونا ملتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں خلدین فیہا، لایخرجون منها۔

جواب (۲): علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ہر آدمی کیلئے ایک گھر جنت میں اور ایک گھر جہنم میں ہوتا ہے تو کفار جب جہنم میں چلے جاتے ہیں تو ان کا گھر مسلمانوں کو میراث میں مل جاتا ہے۔

جواب (۳): یہ اطلاق اس لئے ہوا ہے کہ جس طرح میراث بغیر مشقت کے ملتی ہے جب مورث مر جاتا ہے، لیکن اس کا ترکہ باقی رہتا ہے اسی طرح سے اہل ایمان کا عمل تو ختم ہو گیا لیکن اس کی جزاء اور ثواب جنت کی صورت میں باقی رہے گا۔

جواب (۴): کیونکہ ابوالانس حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے جنت میں تھے لیکن بعد میں نکالے گئے تو جب جنت دوبارہ ان کی اولاد کو ملے گی تو گویا یہ حضرت آدم علیہ السلام کی میراث ہے اور ان کے بیٹوں کو دی جا رہی ہے۔

اشکال:

حدیث اور آیت میں تعارض ہے یہ آیت بخاری کی حدیث سے متعارض ہے وہاں ہے "لن یدخل احداً عملہ الحنۃ قالوا ولا انت یا رسول اللہ؟ فقال ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ بفضلہ ورحمۃ

جواب (۱) آیت میں باء سمیت کیلئے نہیں بلکہ ملاہست کیلئے ہے سمیت میں مسبب

موقوف ہوتا ہے سب پر جبکہ ملاہست میں یہ معنی نہیں ہوتا لہذا کوئی تعارض نہیں۔

جواب (۲): باء مقابلہ کیلئے ہے سب کیلئے نہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے اعمال اس لائق نہیں تھے کہ ان کے ذریعے جنت حاصل ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے تمہارے عمل کو قبول کر کے جنت عطا کی۔

جواب (۳): باء سمیت کیلئے ہی ہے لیکن تعملون کا معنی تو منون ہے

(دوسری آیت) فوربك لنستلهم اجمعين عما كانوا يعملون ﴿۱﴾ عن قول لا

الا الا الله.....

یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی عنہما سے منقول ہے۔ حافظ ابن حجر ان کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن سب سے ایمان کے متعلق سوال ہوگا لیکن اعمال کے بارے میں اختلاف ہے جمہور کے ہاں مسلمان سے سوال ہوگا جبکہ کفار سے نہیں ہوگا کیونکہ بغیر ایمان کے عمل معتبر نہیں۔ جبکہ بعض کے ہاں کفار سے بھی سوال ہوگا کیونکہ قرآن کریم میں ہے ”فی جنت یتساءلون ﴿۱﴾ عن المعرین ما سئلکم فی سفر قالوا لم نك من المصلین“ اور کیونکہ آیت میں تاکید ہے کہ سب سے سوال ہوگا تو یقیناً یہ ایمان کا سوال ہے لہذا ایمان پر عم کا اطلاق ہوا ہے اور یہی امام بخاری کا دعویٰ ہے۔

(تیسری آیت) لکمئل هذا فلیعمل الغملون (الشفقت) هذا سے اشارہ ہے فوز عظیم کی طرف اور فوز عظیم صرف عمل مجرد عن الایمان سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ عمل مع الایمان سے ملتی ہے لہذا معنی ہوگا فلیؤمن المؤمنون احناف کے ہاں بھی یہی قول ہے لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں امام بخاری کے ہاں اطلاق الجزاء علی الكل ہے اور احناف کے ہاں اطلاق الفرع علی الاصل ہے۔

ای الاعمال افضل قال الایمان باللہ ورسولہ عمل پر ایمان کا اطلاق ہوتا ہے اور ایمان پر عمل کا اطلاق ہوتا ہے گویا ایمان اور عمل کے درمیان تلازم ہے۔ حدیث میں افضل الاعمال کا اطلاق ایمان پر ہوا ہے گویا یہ ہے من افضل الاعمال کذا اور اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

اشکال:

حدیث میں ایمان کے بعد جہاد کا ذکر ہے اور پھر حج کا حالانکہ اس کا عکس مناسب تھا کیونکہ حج فرض عین ہے اور جہاد فرض کفایہ ہے اور فرض کفایہ سے فرض عین مقدم ہوتا ہے۔

جواب:

- (۱) فرض کفایہ فرض عین سے افضل ہوتا ہے کیونکہ فرض عین سے صرف اپنی ذمہ داری ساقط ہوتی ہے جبکہ فرض کفایہ سے ساری امت کا ذمہ ساقط ہو جاتا ہے۔
 - (۲) جہاد کا نفع متعدی ہے جبکہ حج کا نفع اپنے نفس کو ہوتا ہے۔
 - (۳) حج کی فرضیت بعد میں ہوئی جبکہ جہاد پہلے سے فرض تھا۔
 - (۴) یہ جواب اس وقت پر محمول ہے جبکہ جہاد فرض عین ہو یعنی کہ جنگ کا زمانہ ہو۔
 - (۵) حج کی فرضیت مرتباً واحدہ ہے جبکہ جہاد کی فرضیت متکرر ہے لہذا اس کو مقدم کیا۔
- حج مبرور (۱) بعض حضرات نے فرمایا کہ حج مبرور کہتے ہیں مقبول حج کو (۲) ای الذی لا یخالطہ اثم (۳) وقیل الذی لا ریاء فیہ۔

باب إذا لم یکن الاسلام علی الحقیقة

وکان علی الاستسلام والخوف من القتل

لقوله تعالى: قالت الاعراب امنا قل لم تؤمنوا ولكن قولوا اسلمنا الآية .
وإذا كان علی الحقیقة فهو علی قوله جل ذكره: ان الدين عند الله الاسلام
الآية.

حدثنا ابو الیمان عن سعد رضی اللہ عنہ قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطی رهطاً وسعد جالس، فترك رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلاً هو اعجبهم الی فقلت یا رسول اللہ مالک عن فلان؟ فواللہ انی لاراه مؤمناً فقال او مسلماً فقال یا سعد! انی لأعطى الرجل وغیره احب الی منه خشية ان یکبه اللہ فی النار. (رواه یونس وصالح ومعمرو ابن اخی الزهری عن

(الرهری)

سب سے پہلی بات:

(۱) اذالم یکن الاسلام علی الحقیقة یہ شرط ہے اور جزاء محذوف ہے یعنی فہو

مصداق قوله تعالیٰ قالت الاعراب امنا

(۲) وکان علی الاستسلام او الخوف من القتل میں استسلام کی علت

محذوف ہے جس پر او الخوف عطف ہے عبارت یوں ہوگی ”وکان علی الاستسلام

لطمع او الخوف من القتل۔

تمہیدات ثلاثہ:

(۱) ترجمہ الباب میں حقیقت کا لفظ آیا ہے کہ اور حقیقت کا لفظ دو معنی میں استعمال ہوتا

ہے (۱) بمعنی حقیقت شرعیہ جو مجاز کے مقابل ہے (۲) نفس الامر کے معنی میں۔

(۲) آیت کا شان نزول: بنو اسد کے کچھ لوگ قحط سالی سے تنگ آ کر بیع اہل و عیال

کے آپ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ہم بغیر قتال کے ایمان لائے ہیں لہذا اس مصیبت

کے وقت میں آپ ہمیں کچھ مال و دولت دیدیں تو یہ آیت اتری ”قالت الاعراب امنا“

(۳) ان اعراب کے بارے میں اختلاف ہے امام بخاری اور امام مروزی کی طرف

منسوب ہے کہ ان کے ہاں یہ اعراب منافق تھے کیونکہ یہ ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اور قرآن

کریم نے لم تؤمنوا کہہ کر ان کے ایمان کی نفی کی ہے۔ جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ

عنه اور عام مفسرین کے ہاں یہ لوگ خالص مسلمان تھے لیکن ابھی تک ایمان ان کے دل میں

راخ نہیں ہوا تھا یعنی لم تؤمنوا میں کمال ایمان کی نفی ہے مطلقاً ایمان کی نفی نہیں ہوئی ہے۔

ترجمہ الباب کا مقصد:

(۱) اس ترجمہ الباب سے ایک اشکال دفع کرنا مقصود ہے اشکال یہ ہے کہ گذشتہ

ابواب میں امام بخاری نے ایمان اور اسلام کو مترادف ثابت کیا تھا اسی لئے تو کبھی من الایمان

اور کبھی من الاسلام کے باب قائم کئے ہیں لیکن قرآن میں تو ایمان اور اسلام کے درمیان

تباہین ثابت ہے جیسے قالت الاعراب امنا قل لم تؤمنوا ولكن قولوا اسلمنا اور اسی

حدیث میں ہے کہ حضرت سعد نے کہا انسی لاراه مؤمناً تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا

کہ مؤمن مت کہو بلکہ مسلم کہو۔

امام بخاری نے اس اشکال کا جواب یہ دیا کہ اسلام کے دو مصداق ہیں (۱) اسلام حقیقی (۲) استسلام اور انقیاد ظاہری تو اسلام سے جب حقیقی اسلام مراد ہو تب تو اسلام اور ایمان مترادف ہیں لیکن جب اسلام سے ظاہری انقیاد مراد ہو تو پھر اسلام اور ایمان میں تباہی ہوگا۔

(۲) علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ اس مقام سے ایک تحقیق مراد ہے کہ اسلام کا اطلاق کبھی حقیقت اور نفس الامر پر ہوتا ہے اور کبھی انقیاد ظاہری اور استسلام پر اطلاق ہوتا ہے۔

اس سے مقصد نصوص کے تعارض کو دفع کرنا ہے کہ نصوص میں کہیں ایمان اور کہیں اسلام میں اتحاد ہے اور کہیں تغایر ہے تو اس کا دفع یوں ہوگا کہ جہاں اسلام سے مراد اسلام حقیقی ہے وہاں تو اسلام اور ایمان میں اتحاد ہے اور جہاں اسلام سے مراد انقیاد ظاہری ہو تو وہاں اسلام اور ایمان کے اندر تغایر ہے۔

خلاصہ کلام:

قالت الاعراب میں اسلام ظاہری مراد ہے لہذا یہ ایمان کے مترادف نہیں اور ان الدین عند اللہ الاسلام میں اسلام حقیقی مراد ہے لہذا یہ دین کے مترادف ہے اور چونکہ دین اور ایمان مترادف ہیں تو حبیب الحبيب حبيب کی طرح متحد المتحد متحد کے تحت اسلام اور ایمان متحد ہیں۔

شرح حدیث:

کچھ لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ فرما رہے تھے اور ایک آدمی کو نہیں دیا حالانکہ وہ ان میں سب سے افضل تھا تو حضرت سعد نے فرمایا کہ یا رسول اللہ املك عن فلان فواللہ انی لاراه مؤمنالہ

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ آدمی جعیل بن سراقہ الضمیری تھا اور حدیث میں ان کی منقبت آئی ہے کہ حضرت ابوذر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا جعیل کے

بارے میں تو کہا ”کشکله من المسلمین“ یعنی دوسرے مسلمان لوگوں کی طرح ہے پھر آپ نے ایک اور آدمی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ”سید السادات المسلمین“ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس جیسے لوگوں سے زمین بھر جائے تو بھی جعیل ان سے بہتر ہے اور اس مذکورہ حدیث میں بھی ان کی تعریف کی طرف اشارہ ہے کہ ارشاد ہے کہ ”انسی لاعطی الرجل وغیرہ احب الی لیکن یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے جعیل کو کچھ نہیں دیا کہ حضرت جعیل کے ایمان پر اعتماد تھا کہ کچھ نہ بھی ملے تو دل میں کدورت پیدا نہیں ہوگی۔

انی لاراه مؤمناً.....

(۱) اَرَاهُ بِفَتْحٍ هَمْزُهُ بِمَعْنَى اَعْلَمُ (۲) اَرَاهُ بِضَمِّ هَمْزُهُ بِمَعْنَى اِظُنُّ.

عام شرح نے اسی طرح درست سمجھا ہے لیکن امام نووی نے اَرَاهُ کو صحیح کہا ہے کیونکہ اس کے بعد حدیث میں ہے کہ ثم غلبنی اعلم منه یہاں علم کا ذکر ہے لہذا اَرَاهُ ہی متعین ہے کیونکہ اَرَاهُ بمعنی علم کے ہے لیکن حافظ ابن حجر نے اَرَاهُ کو بھی جائز سمجھا ہے کہ اَرَاهُ سے ظن غالب مراد لیا جائے اور ظن غالب علم کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

فقال او مسلماً.....

(۱) اِسْكَونَ الوَاوِ (۲) بَفَتْحِ الوَاوِ

حافظ ابن حجر کا قول ہے کہ ”او“ تنویح کیلئے بھی آتا ہے اور تشریح کیلئے بھی، تنویح کا مطلب ہوگا کہ صرف مؤمنانہ کہو بلکہ مسلماً کہو جبکہ تشریح کا معنی ہوگا بالجزم ایک حکم مت لگاؤ بلکہ مسلماً بھی لگا دو یعنی انی لاراه مؤمناً او مسلماً۔

حدیث کے بعض دوسرے طرق:

بعض روایات میں اَفْتَالاً یا سَعْدُ! اس کا مطلب یہ ہے کہ کیا لڑنے کا ارادہ ہے جو بار بار کہہ رہے ہو۔ بعض میں اِقْبَالاً یا سَعْدُ ہے اس صورت میں یہ یا تو باب افعال کا مصدر ہے اور مفعول مطلق ہے اور تقدیر عبارت ہے اَقْبِلْ عَلَيَّ اِقْبَالاً یعنی اے سعد! میری طرف اچھی طرح متوجہ ہو جاؤ اور بعض میں اِقْبَالاً یا سَعْدُ آیا ہے یعنی ہمزہ استفہام کا ہے

اور اور قبلاً باب مفاعلہ کا مصدر ہے اور مطلب یہ ہے کہ اُنقابلتی قبلاً بہذہ المعارضۃ یعنی کیا اس معارضہ سے تم میرا معارضہ کرنا چاہتے ہو۔

باب افشاء السلام من الاسلام

وقال عمار ثلاث من جمعہن فقد جمع الايمان الانصاف من نفسك
وبذل السلام للعالم والانفاق من الافتار۔

حدثنا قتيبة..... عن عبد الله بن عمرو ان رجلاً سأل النبي صلى الله عليه
وسلم اى الاسلام خير قال تطعم الطعام وتقرأ السلام على من عرفت ومن لم
تعرف. الحديث.....

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) اس باب میں امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح فرائض و واجبات ایمان کے اجزاء ہیں اسی طرح سنن و مستحبات بھی ایمان کے اجزاء ہیں اور ان کی مثال کے طور پر افشاء السلام کو ذکر کیا ہے اور اجماع ہے کہ افشاء السلام واجب نہیں بلکہ سنت ہے لیکن حدیث میں من الاسلام ثابت ہے۔ یعنی یہ بتانا مقصود ہے کہ سلام کی کثرت اور اس کا رواج اسلام کی حقیقی علامت ہے۔

(۲) مرجیہ کا رد ہے کہ طاعات مفید اور معاصی مضر ہیں چنانچہ یہ بات حضرت عمار کے قول سے ثابت ہے۔

(۳) ترکیب ایمان کا دعویٰ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ایمان تصدیق، اقرار اور اعمال سے مرکب ہے۔

(۴) ایمان میں زیادت و نقصان کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کیونکہ اعمال گنہگار اور بڑھتے رہتے ہیں جس سے ایمان میں زیادت و نقصان آتا ہے۔

(۵) بنی الاسلام علی خمس سے پیدا ہونے والے حصر کے ابہام کو دور کرنا مقصد ہے۔

(۶) شعب الايمان کی تفصیل بیان کرنا مقصد ہے کہ افشاء السلام وغیرہ بھی شعب

ایمان میں سے ہے۔

الانصاف من نفسک.....

(۱) من یا تو ابتداءً یہ ہے اس صورت میں معنی ہوگا کہ الانصاف الناشی من نفسک یعنی کسی خارجی دباؤ کے بغیر اپنے نفس کی وجہ سے انصاف پر آمادہ ہوتا۔

(۲) یا یہ من فی کے معنی میں ہے اس صورت میں معنی ہوگا انصاف فی نفسک یعنی جو تقاضا تم دوسروں سے کرتے ہو تو تم بھی دوسروں کیلئے ان کے تقاضوں کو پورا کرو یعنی خود عزت چاہتے ہو تو دوسروں کی بھی عزت کرو۔

وبذل السلام.....

سلام کا عام کرنا کے بغیر تقید شخص وقت کے اور بغیر تقید معرفت سلام کیا کرو اور لفظ عالم کے استعمال سے یہ بتلانا ہے کہ اس میں بخل نہ کرو (البتہ مستثنیٰ صورتوں کا حکم الگ ہے)

الانفاق من الاقتار.....

اقتار بمعنی افتتقار اس کے دو معنی ہیں (۱) قحط سالی کے زمانہ میں انفاق کرنا (۲) فقر کے باوجود انفاق کرنا۔

حضرت شیخ الحدیث فرماتے ہیں کہ باوجود فقر کے خرچ کرنا اس آدمی کیلئے باعث فضیلت ہے جو ذات باری تعالیٰ پر مکمل اعتماد رکھتا ہو اگر خرچ کرنے کے بعد سوال کیلئے مجبور ہوتا ہے تو اس کو خرچ نہیں کرنا چاہئے۔ اس کی نظر احادیث میں موجود ہیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی عنہ سے تو گھر کا سارا سامان قبول کر لیا لیکن ایک آدمی سونے کی ایک ڈلی لایا اور اس کے تین مرتبہ پیش کرنے کے باوجود آپ نے قبول نہیں فرمایا۔

ابوالزناد کا قول: حضرت عمار کا یہ اثر تمام صور خیر کو شامل ہے کیونکہ انصاف من نفسک میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورا کرنا ہے۔ اور بذل السلام اعمال صالحہ کی ترغیب دینے کا عمل ہے کیونکہ سلام کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ آدمی متکبر نہیں اور انفاق من الاقتار سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل اعتماد ظاہر ہوتا ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ اس اثر کو جوامع الکلم میں سے شمار کیا ہے۔ یہ بظاہر تو حضرت عمار کا اثر لگتا ہے مگر درحقیقت یہ حدیث

مرفوع ہے۔

علامہ عینی نے ایک اور طرح اس کی تعبیر سے خیر کی صورتوں کا مجموعہ ثابت کیا ہے کہ انصاف من نفک میں حقوق اللہ اور بذل السلام میں حقوق العباد کا بیان ہے اور اسی طرح احکام یا بدنی ہوتے ہیں یا مالی تو پہلے دونوں جملوں میں احکام بدنیہ کا بیان ہے اور تیسرے حملے میں عبادت مالیہ کا بیان ہے۔

یہ حدیث پہلے باب ”اطعام الطعام من الايمان“ کے تحت گذر چکی ہے مگر اساتذہ میں فرق ہے کہ یہاں تمبیہ سے نقل کرتے ہیں اور وہاں عمرو بن خالد سے اس لئے حافظ ابن حجر نے لکا ہے کہ امام بخاری بغیر فائدہ کے تکرار نہیں کرتے اور اسی طرح گذشتہ متن اور سند سے دوبارہ حدیث نقل نہیں کرتے۔

اشکال

علامہ کرمانی سے نقل کیا گیا ہے کہ امام بخاری نے ایک ہی باب میں دونوں حدیثوں کو جمع کیوں نہیں کیا؟ اور دونوں کیلئے الگ الگ باب قائم کئے؟

جواب:

اس کا جواب علامہ کرمانی یہ دیتے ہیں کہ ممکن ہے امام بخاری نے گذشتہ حدیث اپنے شیخ سے اطعام الطعام کے باب کے تحت سنی ہو اور یہ حدیث اپنے شیخ سے افشاء السلام کے باب کے تحت لی ہو لہذا شیوخ کے اتباع میں الگ الگ ابواب قائم کئے۔ لیکن حافظ ابن حجر نے اس بات کو دو وجوہ سے غلط کہا ہے (۱) اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ بخاری کے دونوں شیوخ کی مبوب کتابیں مبوبہ تھیں حالانکہ یہ بات کہیں بھی ثابت نہیں ہے (۲) اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ امام بخاری نے وضع تراجم میں غیر کی تقلید کی ہے حالانکہ یہ مسلم ہے کہ امام بخاری نے وضع تراجم میں کسی کی تقلید نہیں کی بلکہ خود احادیث سے استنباط کر کے باب قائم کئے ہیں۔ بہر حال اگر علامہ کرمانی کی بات مان لی جائے تو دونوں حدیثوں کو ایک ہی باب میں جمع کرنا ممکن تھا۔

قول فصیح:

امام بخاریؒ کا مقصد شعب الایمان کو تفصیلاً بیان کرنا ہے لہذا ہر شعبہ کیلئے الگ الگ باب قائم کیا۔

باب کفران العشیر و کفر دون کفر

فیہ عن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حدثنا عبد اللہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال النبی صلی

اللہ علیہ وسلم أريت النار فاذا اکثر أهلها النساء یکفرن قیل ای کفرن باللہ قال

یکفرن العشیر و یکفرن الاحسان. الحدیث

تمہید:

کفر کا معنی:

لغت میں کفر ستر الشیء کو کہتے ہیں اسی سے کفر کا اطلاق ان چیزوں پر بھی ہوتا

ہے۔ (۱) یسمى اللیل کافراً لستره ما بین السماء والارض (۲) ویسمى البحر

کافراً لستره ما فیہ (۳) ویسمى الزارع کافراً لستر البذر فی الارض اور کافر حقیقی

ویسمى الکافر الحقیقی کافراً لستره نعم اللہ تعالیٰ و جحدھا۔

امام راغبؒ کا قول:

الکفران اکثر استعمالاً فی جحد النعمة والکفر فی جحد اللہ والکفور

فیہما جمعاً

ترجمہ الباب کا مقصد:

(۱) حافظ ابن حجر قاضی ابوبکر ابن العربی المائلی سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مقصد

یہ ہے کہ جس طرح طاعات پر ایمان کا اطلاق ہوتا ہے اسی طرح معاصی پر کفر کا اطلاق ہوتا

ہے لیکن یہ خروج من الملة نہیں ہوتا۔

(۲) مقصد یہ ہے کہ بس طرح اعمال ایمان کے اجزاء ہیں ایسے معاصی کفر کے اجزاء

ہیں اور جس طرح اعمال صالحہ کے مختلف درجات کی بناء پر ایمان کے مختلف درجات ہیں

ایسے ہی معاصی کے مختلف ہونے کی بناء پر کفر کے مختلف درجات ہیں۔ گویا: ضدھا تبیین

الاشیاء پر عمل کیا ہے۔

کفر کے مختلف درجات ہیں ایک اعلیٰ جو مخرج عن العلة ہے اور ایک ادنیٰ جو مخرج عن العلة نہیں ہے نصوص میں جہاں معاصی پر کفر کا اطلاق ہوا ہے یہ کفر مخرج عن العلة نہیں ہے مثلاً ان بین الرجل والشرك والكفر ترك الصلوة، من ترك الصلوة متعمدا فقد كفر جہاراً اور سبب المسلم فسق وقتاله کفر وغیرہ میں آیا ہے۔

مراتب کفر، ظلم، نفاق اور شرک:

قرآن وحدیث میں کفر و شرک وغیرہ کے مختلف مراتب بیان ہوئے ہیں بعض مخرج عن العلة ہیں اور بعض مخرج عن العلة نہیں ہیں مثلاً کفر کے بارے میں اوپر احادیث ذکر کی گئی ہیں اور ظلم کے بارے میں جیسے والکافرون ہم الظلمون میں اور کبھی معمولی تقصیر پر ظلم کا اطلاق ہوا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی طرف بھی نسبت کی گئی ہے جیسے ربنا ظلمنا انفسنا اور لا اله الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین اور ایسے ہی اربع من کن فیہ کان منافقاً خالصاً لیکن بالاجماع ایسا آدمی منافق نہیں ہوتا۔

اشکال:

مسلمان کے اندر اگر خصلت کفر پائی جائے تو اس پر کفر کا اطلاق ہوتا ہے لہذا اگر کافر کے اندر کوئی ایمان کی خصلت پائی جائے تو اسے مؤمن کہنا چاہئے حالانکہ ایسا نہیں ہے؟

جواب:

قاعدہ ہے کہ نتیجہ اخس ارذل کے تابع ہوتا ہے لہذا خصلت کفر ارذل ہے اور خصلت ایمان اخس ارذل نہیں ہے مثال کے طور پر اگر ایک تندرست آدمی کو صرف آنکھ میں تکلیف ہو تو اس کو بیمار کہتے ہیں لیکن ایک آدمی کا پورا بدن زخمی ہو لیکن آنکھ، ناک اور کان صحیح ہوں تو اس کو صحیح نہیں کہتے بلکہ اس کو بھی بیمار کہتے ہیں۔

کفر دون کفر کا مقولہ

حافظ ابن حجر کا قول ہے کہ یہ کفر دون کفر حضرت عطاء بن ابی رباح کا قول ہے

اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں چنانچہ ان سے آیت ”وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأَلَّنِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ“ اور ”فَأَلَّنِكَ هُمُ الفاسقون“ کے تحت کفر دون کفر، ظلم دون ظلم اور فسق دون فسق منقول ہے۔

دون کا معنی:

حافظ ابن حجر کا قول:

ان کے ہاں اقرب اور ادنیٰ الشیء کے معنی میں آتا ہے یہاں اقرب کے معنی میں ہے یعنی کفر قارب کفر اور علامہ کشمیری کے ہاں غیر کے معنی میں ہے علامہ شبیر احمد عثمانی نے ابن حجر کے قول کو ترجیح دی ہے۔

العشیر.....

الف لام اگر عہدی ہے تو زوج مراد ہے اگر الف لام جنسی ہے تو کل من یعاشر مراد ہے۔

وفیہ عن ابی سعید الخدری.....

(۱) علامہ عینی اور حافظ کے ہاں کتاب الحیض کی روایت مراد ہے کہ ”بامعشر النساء تصلقن..... تکثر اللعن وتکفرن العشیر (۲) ابن العربی المائکلی کا قول ہے کہ ترمذی کی روایت کہ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ مراد ہے مسئلہ اختصار فی الحدیث:

یہاں پر حدیث میں اختصار ہے صلوة الکسوف میں یہ حدیث مفصل لائیں گے۔ اب اختصار فی الحدیث کے بارے میں مندرجہ ذیل اقوال ہیں:

(۱) مطلقاً جائز ہے۔ (۲) مطلقاً ناجائز ہے۔ (۳) کچھ شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ مثلاً اختصار وہ کرے جو مجتہد ہو اور مدارج کلام سے واقف ہو اور کلام کا ما قبل کے ساتھ تعلق کو جانتا ہو ایسے جملے کا اختصار کرے جس کو مختصر کرنے سے معنی میں خلل واقع نہ ہو۔ یہ جمہور کا (بمع امام بخاری) مسلک ہے۔

امام نووی نے قاضی عیاض سے نقل کیا ہے کہ امام مسلمؒ مطلقاً جواز کے قائل ہیں۔

فاذا اكثر اهلها النساء.....

اشکال:

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں عورتیں زیادہ ہوں گی جبکہ ایک حدیث ہے لکل واحد منهم زوجان جس سے جنت میں عورتوں کا زیادہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

جواب: (۱) یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہنم دکھایا گیا تھا، بعد میں عورتوں کی تعداد جنت میں زیادہ ہو جائے گی۔

(۲) ابتداء میں گنہگار مومنات جہنم میں جائیں گی تو وہاں تعداد زیادہ ہوگی اور جب عذاب بھگتنے کے بعد جنت میں آئیں گی تو جنت میں ان کی تعداد زیادہ ہو جائے گی۔

(۳) عورتیں بالقوة جہنم کی زیادہ مستحق ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے معاف فرما کر جنت میں داخل فرمائیں گے۔

(۴) عورتیں فی نفسہ زیادہ ہیں لہذا جنت میں بھی زیادہ ہوں گی اور جہنم میں بھی زیادہ ہوں گی۔ واللہ اعلم

باب المعاصی من أمر الجاهلیة

ولا یکفر صاحبها بارتکابها الا بالشک لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انک امرء نیک جاهلیة قول اللہ تعالیٰ ان اللہ لا یغفر ان یشک به ویغفر ما دون ذلك لمن یشاء۔ وان طائفان من المؤمنین اقتلوا فاصلحوا بینہما فسمامہم مؤمنین۔ حدثنا عبد الرحمن ابن المبارک..... عن الاحنف بن القیس قال ذهب فیانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا التقا المسلمان بسیفیہما فالقاتل والمقتول فی النار قلت یا رسول اللہ! هذا القاتل فما بال المقتول قال انه حریص علی قتل صاحبه.

الحديث الثاني: حدثنا سليمان بن حرب..... عن المعرور قال لقيت

ابا ذرّ بالربذة وعليه حلة وعلي غلامه حلة فسأله عن ذلك. الحديث

ترجمہ الباب کا مقصد:

(۱) مقصد یہ ہے کہ جس طرح معاصی کفر کے اجزاء ہیں ایسی ہی طاعات بھی ایمان کے اجزاء ہیں تو بقاعدہ بضد ہاتھتین الاشیاء کے تحت ایمان کا مرکب ہونا ثابت ہوا اور مرکب قابل نقصان و الزیادہ ہوتا ہے تو ایمان بھی قابل نقصان و الزیادہ ہے اور اسی سے مرجیہ پر بھی رد ہو گیا۔

(۲) الابواب و التراجم میں حضرت البند سے منقول ہے کہ ترجمہ الباب کے دو جزء ہیں اول جزء سے مرجیہ پر رد ہے اور دوم جزء سے جواب اشکال بمع رد علی الخبواج و المعتزلہ ہے اول جزء سے یہ ثابت کیا تھا کہ معاصی کفر کے کام ہیں تو اس سے اشکال پیدا ہوتا تھا کہ اس سے تو خوارج کی تائید ہوتی ہے اس لئے ولا یکفر صاحبها بار تکابھا الا بالشراک سے اس اشکال کو دور کر کے خوارج پر رد کیا۔

(۳) ابن بطال کو قول ہے کہ روافض اور عام خوارج کے ہاں مرتکب کبیرہ خارج از ایمان ہے لہذا ان پر رد کرنا مقصود ہے۔

المعاصی من امر الجاهلیة جاہلیت سے کیا مراد ہے؟ اس میں چند اقوال

ہیں:

(۱) امام نووی کے قول کے مطابق اس سے مراد قبل البعث کا زمانہ ہے۔

(۲) ما بین ولادۃ النبی و بعثہ

(۳) قبل فتح المکہ

(۴) جاہلیت سے خود مبتلی بہ کا قبل الاسلام کا زمانہ جاہلیت مراد ہے۔ یعنی جب تک

آدمی مسلمان نہ ہو تو جاہلیت کے دور میں ہے اور جب مسلمان ہوگا تو جاہلیت سے دور ہوگا۔

انک مارء فیک جاہلیة حدیث کا یہ نکر ترجمہ الباب کے ثبوت کیلئے لائے

ہیں اس کی تفصیل آگے آرہی ہے کہ ایک دفعہ حضرت اب ذر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی

اللہ عنہ کے درمیا کسی معاملے پر اختلاف ہوا اور نوبت سباب تک پہنچی تو حضرت ابوذر نے بلال

رضی اللہ عنہ کو یا ابن السوداء کا طعنہ دیا حضرت بلال نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے

شکایت کی فقال یا ابا ذر اعیرتہ بسواد أمہ فقال نعم فقال ما ارض انک بنی فیت
 حصلة من الجاهلیة پھر فرمایا انک امرء فیک جاهلیة تو حضرت ابو ذر نے کہا کہ میرے
 اس بڑھاپے کے باوجود بھی میرے اندر جاہلیت ہے فوضع و جہہ علی الارض وقال
 والسہ لا ارفعه من الارض حتی یطأم بلال علی خدی فوطأ فیرفعہ تو اس حدیث
 سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) معاصی امر جاہلیت سے ہیں۔

(۲) معاصی کا مرتکب کافر نہیں ہوتا۔

ولا یکفر صاحبہا بارتکابها الا بالشک یہاں دو باتیں ہیں:

(۱) یہ ارتکاب کی قید لگائی ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ ارتکاب معاصی سے آدمی کافر تو

نہیں ہوتا لیکن اعتقاد معاصی سے کافر ہو جاتا ہے۔

(۲) اشکال ہوتا ہے کہ جس طرح مشرک کی مغفرت نہیں ہوتی ایسے ہی کافر کی بھی

غیر مغفور ہے لیکن آیت میں کافر کا ذکر نہیں ہے۔

جواب: (۱) آپ کے زمانے میں جو لوگ مشرک تھے وہ کافر بھی تھے لہذا ان مشرک

سے ان یکفر مراد ہے۔

جواب: (۲) کفر عام ہے شرک خاص ہے تو کفر کی وہ صورتیں جو شرک کے تحت داخل

ہیں ان کا تو یہی حکم ہے اور جو صورتیں شرک کے تحت داخل نہیں ہیں وہ شرک سے اعلیٰ ہیں

لہذا ان کی مغفرت تو بطریق اولیٰ نہیں ہوگی۔

جواب: (۳) دوسرے مقامات پر کفار کیلئے تعذیب بالنار کا حکم ہے جس سے کفار کا

عدم مغفور ہونا ثابت ہوتا ہے۔

وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا خوارج پر رو ہے کہ قتال کے باوجود ان پر

مؤمن کا اطلاق ہوا ہے حالانکہ قتال گناہ کبیرہ ہے معلوم ہوا کہ ارتکاب کبیرہ سے خروج عن

الاسلام لازم نہیں۔

حدیث: ذہبت لا نصر هذا الرجل یہ جنگ جمل کا واقعہ ہے اور یہ جھڑپ

قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہوئی۔ احنف بن قیس حضرت علی کی مدد کیلئے جمع

لشکر کے نکلے تھے تو حضرت ابو بکرؓ نے منع کیا اور شدت کیلئے یہ حدیث سنائی ”اذا التقوا المؤمنان بسيفهما فالقاتل والمقتول في النار“۔

فتنہ کے وقت صحابہ کرام کے مذاہب:

(۱) کسی بھی فریق کا ساتھ نہ دیا جائے یہ حضرت عبد اللہ بن عمر، ابوسعید خدری اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہم کا مذہب تھا۔

(۲) ان میں سے بعض اپنے دفاع کے قائل بھی نہیں تھے بلکہ شہادت کو پسند کرتے تھے۔

(۳) جبکہ بعض دفاع کے قائل تھے جبکہ بعض ایسے شہر کو چھوڑنے کے قائل تھے۔

مشاجرات صحابہ کے بارے میں اہل سنت کا مسلک:

کسی فریق کا حق پر یا باطل پر ثابت کرنے کیلئے کلام جائز نہیں۔ مختصر یہ کہ جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مجتہد مصیب تھے اور حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم مجتہد خطی تھے اور جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مجتہد مصیب اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد خطی تھے۔ اسی لئے حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے ”قال عمر بن عبد العزيز حين سئل تلك دعاء طهر الله منها ابدينا نظهر منها قلوبنا“۔

القاتل والمقتول في النار..... قاتل کا جہنمی ہونا تو ظاہر ہے لیکن مقتول اس لئے کہ اس نے بھی قتل کا پکا ارادہ کیا تھا یعنی قتل کے اسباب پیدا کئے تھے اور یہ عزم ہے اور عزم پر مواخذہ ہوتا ہے۔

نوٹ: قصد کے مراتب پانچ ہیں: (۱) ہاجس (۲) خاطر (۳) حدیث النفس (۴) ہم (۵) عزم، ان پانچ مراتب کو ایک شاعر نے یوں بیان کیا ہے:

مراتب القصد خمس هاجس ذكروا فحاطر فحدیث النفس فاستمعا

يليه هم وعزم كلها رفعت سوى الاخير ففيه الاخذ قد وقعا

(۱) ہاجس: یہ قصد کا پہلا درجہ ہے کہ ایک چیز دل میں آئی اور فوراً چلی گئی۔

(۲) خاطر: یہ درجہ ہے کہ ایک بات دل میں آئی، بٹھہری لیکن دل نے کوئی فیصلہ

نہیں کیا کہ آیا فعل کیا جائے یا نہ کیا جائے۔

(۳) حدیث النفس: یہ تیسرا درجہ ہے قصد کا کہ دل میں بات آئی، ٹھہری اور دل میں

فعل یا ترک فعل کے درمیان تردد رہا کسی طرف جھکاؤ نہیں ہوا۔

(۴) ہم: یہ چوتھا درجہ ہے کہ جس میں فعل یا ترک فعل کی طرف جھکاؤ تو ہو جاتا ہے

لیکن اس میں پختگی نہیں ہوتی۔

(۵) عزم: یہ آخری درجہ ہے، اس میں جھکاؤ ہی نہیں بلکہ پختگی بھی آ جاتی ہے اور اس

پر مؤاخذہ ہوگا۔

حدیث ثانی: فمن كان اخوه تحت يده..... غلام کے ساتھ مساوات کا حکم جمہور

ائمہ کے ہاں استحباب پر محمول ہے۔

باب ظلم دون ظلم

حدثنا ابو الوليد حدثنا شعبه ح حدثنا بشر حدثنا شعبه..... لما نزلت

”الذين امنوا ولم يلبسوا ايمانهم بظلم“ قال اصحاب رسول الله صلى الله عليه

وسلم اينالم يظلم فانزل الله عز وجل ان الشرك لظلم عظيم.

ترجمہ الباب کا مقصد:

(۱) ابن بطال فرماتے ہیں کہ مقصد یہ بتانا ہے کہ ان اتمام الايمان بالاعمال

الصالحه ونقصانه بالمعصية

(۲) بالواسطه ترکیب ایمان کا ثبوت مقصود ہے۔

(۳) زیادت و نقصان ایمان کا ثبوت مقصود ہے۔

(۴) مرجیہ پر رد کرنا مقصد ہے کیونکہ ظلم معصیت ہے اور یہ مضر ہے ورنہ صحابہ کرام

رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس سے تشویش کیوں ہوتی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی تشویش کا سبب:

(۱) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں آیت میں بظلم نکرہ ہے اور تحت اللفظی واقع ہوا ہے اور نکرہ

تحت اللفظی عموم کا فائدہ دیتا ہے تو صحابہ نے اس سے عام معنی مراد لیا کہ کسی اذحق مارنا،

زد و کوب کرنا، سب و شتم کرنا حقوق اللہ میں کوتاہی کرنا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ اس سے مراد شرک ہے لقولہ تعالیٰ ان الشرك لظلم عظیم۔ مطلب یہ کہ اس میں تنوین تعظیم کیلئے ہے۔

(۲) کیونکہ ظلم مطلق ہے اور مطلق کے ذکر سے عموم کا فائدہ ہوتا ہے تو صحابہؓ نے عام معنی مراد لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ ظلم مقید ہے بقید عظیم اور اس سے مراد شرک ہے۔

ظلم کی تفسیر شرک سے کیوں کی؟

(۱) حضرت گنگوہی اور مولانا نانوتوی رحمہما اللہ سے منقول ہے۔ آیت میں خود قرینہ موجود ہے کہ آیت میں ہے کہ ولم یلبسوا ایمانہم بظلم اور دو چیزوں کا لبس اور خلط تب ہو سکتا ہے جب دونوں کا محل ایک ہو تو ہم نے دیکھا کہ ایمان کا محل تو قلب ہے اور ظلم کی اقسام میں سے شرک کا محل قلب ہے اور باقی ظلم کا محل جو ارجح ہے تو ظلم سے مراد وہ ظلم ہوگا جس کا محل قلب ہو اور وہ شرک ہے۔

(۲) ظلم میں تنوین تعظیم کیلئے ہے اس سے ظلم عظیم مراد ہے اور یہ شرک ہے۔

سند کی تحویل:

ح، وحدثنا بشر قال: حدثنا محمد عن شعبه.....

(۱) پہلی سند عالی ہونے کے باوجود امام بخاریؒ نے دوسری نازل سند ذکر کی اس کی وجہ یہ ہے کہ محدثین کا اتفاق ہے کہ شعبہ کے تلامذہ میں سے سب سے اشدت محمد ہیں لہذا اثبت ہونے کی وجہ سے ان کی سند ذکر کی ہے۔

(۲) حدیث کے الفاظ دوسری سند کے ہیں اور یہی امام بخاریؒ کا عمومی طریقہ ہے۔

(۳) یہ سند اصح الاسانید ہے کیونکہ اس سند میں سلیمان الاعمش عن ابراہیم عن علقمة عن ابن مسعود ہے یہ سند یحییٰ بن معین کے ہاں اصح الاسانید ہے کیونکہ یہ فقیہ عن فقیہ عن فقیہ عن فقیہ ہے۔

ان الشرك لظلم عظیم..... یہ آیت یا تو اسی وقت نازل ہوئی ہے یا پہلے سے نازل

تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظلم اس آیت کا مصداق ہے۔

باب آية المنافق

حدثنا سليمان عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم

قال آية المنافق ثلاث إذا حدث كذب وإذا وعد أخلف وإذا أتمن خان.

حدثنا قبيصة عن عبد الله بن عمرو ان النبي صلى الله عليه

وسلم قال اربع من كن فيه كان منافقا خالصاً تابعه شعبه عن
الاعمش.

ترجمہ الباب کا مقصد:

(۱) مرجیہ کا رد ہے کہ معاصی مضر ہیں اور یہ اس حدیث سے ثابت ہے کیونکہ علامات

النفاق پائے جانے کی وجہ سے آدمی کو منافق قرار دیا گیا ہے۔

(۲) اس سے نفاق دون نفاق کا بیان ہے کہ ایک نفاق کا اعلیٰ درجہ ہے جس کے

بارے میں ہے "ان المنافقين في الدرك الاسفل من النار" اور ایک نفاق کا ادنیٰ درجہ

ہے کہ نفاق کی علامت پائی جائے۔ اس سے آدمی خارج از ایمان نہیں ہوتا تو نفاق کیلئے

مراتب ثابت کئے اور قاعدہ "بضلها تتبين الاشياء" کے تحت ایمان کے مراتب ثابت

کئے ہیں اور اسی طرح بالواسطہ ترکیب ایمان اور زیادت و نقصان کو ثابت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر امام نووی سے نقل فرماتے ہیں کہ اس ترجمہ الباب کا مقصد یہ ہے کہ

معاصی سے ایمان میں نقصان آتا ہے جیسے کہ طاعات کے ذریعہ بڑھتا ہے۔ اس طرح

الایمان یزید وینقص کاشیوت مقصود ہے۔

آية المنافق ثلاثه

اشکال:

ایہ مبتدأ ہے اور مفرد ہے ثلاث خبر ہے اور جمع ہے مبتدأ اور خبر میں مطابقت نہیں ہے؟

جواب:

ایہ سے مراد جنس ہے مفرد اور جمع سب کو شامل ہے دلیل یہ ہے کہ بعض روایات میں

علامات المناق کے الفاظ آئے ہیں (۲) ثلاث لفظاً مفرد ہے لہذا ایہ کو بھی مفرد لایا گیا
(۳) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ تینوں علامتیں مل کر ایک علامت بن جاتی ہیں لہذا ایہ کو
مفرد لایا گیا۔

اشکال:

پہلی حدیث میں تین علامات کا ذکر ہے جبکہ دوسری حدیث میں چار کا ذکر ہے تو بظاہر
تعارض نظر آ رہا ہے؟

جواب:

(۱) حافظ ابن حجر اور علامہ عینی علامہ قرطبی سے نقل کرتے ہیں یہ من بسبب التحدید
فی العلم ہے کہ پہلے تین علامات کا علم عطاء ہوا تھا پھر چار کا علم عطاء ہوا کیونکہ یہ نزول وحی کا
وقت تھا اور احکام رفتہ رفتہ نازل ہوتے تھے۔

(۲) مفہوم عدد کا اعتبار نہیں ہے بلکہ محض علامات نفاق کا بیان ہے کبھی تین بیان کیں
اور کبھی چار۔

(۳) مقصد صرف من علامات النفاق کذا و کذا ہے حصر فی العدد بیان کرنا
مقصد نہیں ہے۔

(۴) دراصل غدر فی العهد اور خیانتہ فی الامانة ایک ہی چیز ہے لہذا علامتیں تین
ہی ہیں۔

(۵) حدیث ثانی میں خصال اربعہ کا ذکر ہے لیکن یہ علامات کے عنوان سے ذکر نہیں
کیں لہذا ممکن ہے کہ اصل علامات تو وہی تین ہوں لیکن یہ چوتھی ایک وصف کے طور پر بیان
کی ہو کہ اس سے نفاق میں خلوص پیدا ہوتا ہے۔

اربع من کن فیہ کان منافقاً خالصاً.....

کیا علامات نفاق کے پائے جانے کی وجہ سے کلمہ گو کو منافق قرار دیا جائے گا یعنی کیا وہ
”ان المنافقین فی الدرك الاسفل من النار“ کا مصداق ہے؟ تو بات یہ ہے کہ اہل سنت
کا اجماع ہے کہ علامات نفاق کے پائے جانے کی وجہ سے مؤمن کو منافق قرار نہیں دیں گے

بلکہ حدیث میں مندرجہ تاویل کریں گے۔

(۱) کان منافقاً خالصاً ای شدید الشبه بالمنافقین۔

(۲) اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے منافقین تھے لیکن آپ کا

طریقہ یہ تھا کہ آپ عمومی خطاب فرماتے تھے جیسے مابال اقوام يفعلون کذا و کذا

(۳) اس سے مراد ثعلبہ بن حاطب ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کثرت

مال کیلئے دعاء کروائی تھی لیکن بعد میں زکوٰۃ کا بھی منکر ہوا تھا۔

(۴) ایک نفاق فی العقیدہ ہے اور ایک نفاق فی العمل ہے لہذا یہاں نفاق فی العمل

مراد ہے اور الدرك الاسفل کی سزا نفاق فی العقیدہ کیلئے ہیں۔

(۵) ایک منافق شرعی ہے ایک عرفی، یہاں نفاق عرفی مراد ہے نہ کہ شرعی۔

(۶) علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ علامت کے پائے جانے کی وجہ سے

ذوالعلامتہ کا پایا جانا ضروری نہیں جیسے حرارت بدن بخار کیلئے علامت ہے لیکن کبھی بدن گرم

ہوتا ہے لیکن بخار نہیں ہوتا جیسے دھوپ میں بیٹھنے سے بدن کا گرم ہونا۔

(۷) حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ علامت کے پائے جانے کی وجہ سے منافق ہونا

ضروری نہیں جیسے علامت کفر کے وجود سے اس پر کافر کا حکم نہیں لگایا جاتا جیسے سبب

المؤمن فسق و قتالہ کفر حالانکہ قتال کرنے والا کافر نہیں ہو جاتا۔

(۸) اس حدیث سے تخذیر مقصد ہے کہ یہ نفاق کی علامات ہیں ان سے اجتناب

کرو۔

(۹) اس حدیث کا حمل اعتیاد پر ہے کہ اگر یہ خصال اس کی عادت بن جائیں تو

پھر منافق ہے کیونکہ مؤمن کی شان سے بعید ہے کہ ان خصال کی عادت بنائے۔

منافق ماخوذ ہے نفاق سے اس کے معنی دھشتی چوہا کے ہیں یہ عموماً دو منہ والا سوراخ

بناتا ہے ایک منہ ظاہری ہوتا ہے اور ایک خفیہ جس کو نفاق کہتے ہیں شکاری کے آنے پر وہ

ظاہری منہ سے داخل ہوتا ہے اور خفیہ راستے سے نکل جاتا ہے ایسے ہی منافق ظاہراً اسلام

میں داخل ہوتا ہے لیکن دوسرے راستے سے اسلام سے نکل جاتا ہے۔

تنبیہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمانے میں جو تعریف نفاق کی تھی ”اظہار الاسلام و ابطان الکفر“ یہی آج کل زندہ ہے۔

و اذا وعد اخلف

ابوداؤد کی روایت سے ثابت ہے کہ یہ وعدہ خلافی اس وقت مذموم ہے جبکہ وعدہ کرتے وقت پورا نہ کرنے کا ارادہ کیا ہو لیکن اگر پورا کرنے کا ارادہ کیا ہو اور کسی عذر کی وجہ سے پورا نہ کر سکا تو مذموم نہیں اور نہ ہی گناہ ہے۔

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کا قول:

دین کا انحصار تین چیزوں پر ہے (۱) قول (۲) فعل (۳) نیت

تو اذا حدث كذب سے فساد قول کی طرف اشارہ ہے اور اذا وعد اخلف سے فساد نیت کی طرف اور اذا اوتمن خان سے فساد عمل کی طرف اشارہ ہے۔

باب قیام لیلة القدر من الايمان

حدثنا ابو اليمان عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یقم لیلة القدر ایماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه علامہ عینی کا قول:

امام بخاری امور ایمان کا بیان کر رہے تھے کہ باب افشاء السلام کے بعد کچھ ابواب استدراک کفر سے متعلق قائم کئے تو باب لیلة القدر کا اصل تعلق باب افشاء السلام کے ساتھ ہے۔

ابواب سابقہ سے ربط و مناسبت:

اس باب کی مناسبت افشاء السلام سے یہ ہے کہ لیلة القدر میں بھی افشاء السلام ہوتا ہے کیونکہ فرشتے مومنین کو سلام کرتے ہیں۔ اور اسی طرح اس باب کی ماقبل علامات النفاق سے مناسبت بھی واضح ہے کیونکہ وہاں نفاق کی علامات کا بیان ہے اور یہاں ایمان کی علامات کا بیان ہے اور یہ اس طرح کہ لیلة القدر میں قیام مومن ہی کر سکتا ہے۔ اور اسی طرح

یہ بات بیان کرنا مقصود ہے کہ قیام لیلۃ القدر یا دیگر طاعات کی توفیق اُس کو ہو سکتی ہے جس کے اندر علامات نفاق موجود نہ ہوں۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) مرجیہ اور کرامیہ پر رد ہے کہ نجات کیلئے فقط تصدیق یا اقرار کافی نہیں ہے بلکہ اعمال کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

(۲) بنی الاسلام علی خمس سے حصر کا ابہام پیدا ہوا تھا اُس کا دفع مقصود ہے۔

(۳) شعب الایمان کا بیان مقصود ہے۔

(۴) ترکیب ایمان اور جزئیات اعمال للایمان کا بیان مقصود ہے۔

من یقم لیلۃ القدر ایماناً واحتساباً.....

ایمان و احتساب کا مطلب:

(۱) عین عمل کے وقت ایمان کا موجود ہونا اور ثواب کی نیت ہونا ضروری ہے کیونکہ اعمال کے قبول کیلئے ایمان شرط ہے۔

(۲) علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ تلاشِ بسیار کے بعد یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ ایمان و احتساب کا لفظ حدیث میں اُن اعمال کے ساتھ آتا ہے کہ بسا اوقات مشقت کی وجہ سے آدمی کی ہمت ہار جاتی ہے تو جب ان الفاظ کا استحصار ذہن میں ہوگا تو ان مشقتوں کو برداشت کرنا آسان ہوگا۔

(۳) علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ اعمالِ صالحہ کے وقت فقط ایمان کا موجود ہونا کافی نہیں ہے بلکہ اس سے آگے ایک اور مرحلہ بھی ہے کہ عمل پر ابھارنے کیلئے یہی ایمان کا محرک ہونا ضروری ہے فقط لوگوں کی دیکھا دیکھی اور ڈیوٹی کے طور پر فرائض ادا کرنا کافی نہیں ہے۔

غفر لہ ما تقدم من ذنبہ.....

اس سے صغائر مراد ہیں یا کبائر؟

جمہور علماء کے ہاں اس سے فقط صغائر مراد ہیں کیونکہ کبائر کیلئے قاعدہ یہ ہے کہ وہ توبہ

سے معاف ہوتے ہیں جبکہ صغائر کیلئے اعمال بھی کفارہ بن سکتے ہیں۔

ابن المنذر اور ابن عبدالبر کے بعض ہم عصروں کا قول:

اس سے صغائر اور کبائر دونوں مراد ہو سکتے ہیں لیکن ابن عبدالبر نے اس قول کو رد کیا ہے کہ اس قول سے مرجیہ کی تائید ہوتی ہے لہذا صرف صغائر ہی مراد ہونگے۔
توبہ کیلئے ضروری امور:

امام نووی فرماتے ہیں کہ "التوبة الاقلاع عن الذنب والندم والعزم ان لا يعود" یعنی (۱) اس فعل کو ترک کرے جس سے توبہ کر رہا ہے (۲) توبہ کے ساتھ ندامت بھی ہو (۳) اس فعل کی طرف دوبارہ نہ جانے کا عزم رکھے۔
لیلة القدر کی وجہ تسمیہ:

(۱) قدر اگر تقدیر سے ہو تو معنی یہ ہوگا کہ اس رات میں سال کے تمام فیصلے فرشتوں کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں۔ (۲) اور قدر اگر عزت سے ہو تو معنی ہوگا کہ یہ رات عزت والی ہے۔

لیلة القدر کب آتی ہے؟

اس میں متعدد اقوال ہیں لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ یہ رمضان میں آتی ہے اور پھر آخری عشرہ میں آتی ہے اور اور اس میں بھی طاق راتوں میں آتی ہے۔ اور طاق راتوں میں ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ کے اقوال موجود ہیں۔

اصح قول:

اس سلسلے میں صحیح قول یہ ہے کہ اس کے تعین کا علم اللہ تعالیٰ نے اٹھالیا ہے۔
ترجمہ الباب کا ثبوت:

حدیث میں ایمان و احتساباً کی قید سے ترجمہ الباب ثابت ہوتا ہے۔

باب الجهاد من الايمان

حدثنا حرمی سمعت ابا هريرة رضى الله عنه عن النبي صلى

الله عليه وسلم قال انتدب الله ولولا ان اشق على امتي ما عقدت خلف

سیرية ولو ددت ان اُقتل في سبيل الله ثم احبني الحديث
ما قبل اور ما بعد کے ساتھ ربط:

اس باب سے پہلے قیام لیلة القدر کا بیان ہے اور ما بعد میں باب تطوع قیام
رمضان ہے تو درمیان میں جہاد کو لانے کی مناسبت یہ ہے کہ قیام لیلة القدر سے بھی مجاہدہ
پیدا ہوتا ہے اور جہاد سے بھی مجاہدہ ہوتا ہے اور اس کو قیام لیلة القدر کے بعد ذکر کیا اس میں
اس طرف اشارہ ہے کہ جہاد مع الکفار سے پہلے جہاد بالنفس ضروری ہے۔
ترجمة الباب کا مقصد:

- (۱) حسب سابق مرجیہ کا رد ہے۔
- (۲) حصر فی ائمس کے وہم کو دور کرنا ہے۔
- (۳) شعب الايمان کی تفصیل بیان کرنا ہے۔
- (۴) ترکیب ایمان کو ثابت کرنا ہے۔ نیز یہ کہ فرائض کی طرح نقلی عبادات بھی ایمان
کے اجزاء ہیں۔

انتدب الله.....

- (۱) بمعنی مسارعة یعنی اللہ تعالیٰ اس عمل کی جزاء جلدی دیں گے۔
- (۲) بمعنی تکفل چنانچہ آگے بخاری میں تکفل اور مسلم شریف میں تضمن آیا ہے۔
لا ینخرجه الا ایمان بی او تضدیق برسلی.....

اشکال:

یہاں پر او کا لانا درست نہیں ہے کیونکہ ایمان باللہ کیلئے تصدیق بالرسول لازمی ہے تو
دونوں لازم و ملزوم ہیں پھر او کے ساتھ تفریق کیسے؟

جواب:

- (۱) یہ او مانعہ الخلو کیلئے ہیں اور ان دونوں کا جمع محال نہیں ہے لیکن ایسا نہیں ہو سکتا
کہ دونوں میں سے کوئی سبب مخرج ہو اور پھر اجر بھی ملے۔
- (۲) او بمعنی واو عاطفہ کیلئے ہے۔

(۳) یہ آؤ راوی کا شک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان بی کہا یا تصدیق برسی کہا۔

بمانال من اجر او غنیمۃ.....

مجاہد کی تین صورتیں ہوتی ہیں:

(۱) مجاہد شہید ہو جائے اس صورت میں اس کا اجر کامل ہوگا۔

(۲) زندہ سلامت بمع غنیمت کے لوٹے، تو اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اس

کیلئے اجر نہیں ہوگا۔

محدثین کی توجیہ:

(۱) یہاں آؤ مانعہ اخلو کیلئے ہے۔ یعنی دونوں میں سے ایک ضرور ہوگا اور دونوں جمع

بھی ہو سکتے ہیں۔

(۲) آؤ بمعنی واو ہے۔

حدیث کا مفہوم:

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ما من غازية تغزوا في سبيل الله فيصيبون الغنيمة

الاتعجلوا ثلثي اجرهم من الاخرة، ويبقى لهم الثلث، وان لم يصبوا غنيمة تم

لهم اجرهم۔ یعنی مجاہدین کا کوئی لشکر اگر جہاد کیلئے جاتا ہے اور غنیمت کے ساتھ آتا ہے تو

اسے دو حصے اجر دنیا میں ہی مل جاتا ہے اور ایک حصہ باقی رہ جاتا ہے اور اگر جہاد کر کے

بلا غنیمت کے واپس آتا ہے تو اس کا پورا اجر آخرت کیلئے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔

ولولا ان اشق على امتي ما قعدت خلف سرية.....

یعنی اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ میری امت کو مشقت لاحق ہوگی تو کسی لشکر میں شرکت

سے باز نہ رہتا، یعنی ہر سر یہ میں شرکت کرتا۔

غزوہ اور سر یہ میں فرق:

غزوہ وہ ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس شریک ہوئے ہوں اور سر یہ اس

کو کہتے ہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود شریک نہ ہوئے ہوں۔ اس کا اطلاق

چار سو سے کم افراد پر ہوتا ہے اور یہ مسرتی سے ماخوذ ہے بمعنی نفیس چیز اس کو سر یہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس میں لشکر کے چنے ہوئے آدمی لئے جاتے ہیں۔
مشقت کے اسباب:

- (۱) اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہر سر یہ میں شریک ہوتے تو مدینہ کا نظام مختل ہو جاتا کیونکہ اس صورت میں مدینہ میں فیصلے کون کرتا؟
- (۲) اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سر یہ میں شریک ہوتے تو بعد میں آنے والے ہر امیر کیلئے ہر جنگ میں شریک ہونا ضروری سمجھا جاتا اور یہ یقیناً حرج ہے۔
- (۳) اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکلتے تو ہر آدمی نکلنے کی کوشش کرتا اور سب کیلئے سواری کا انتظام مشکل تھا۔ اب جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے رہتے تو پیچھے رہنے والوں کو کوئی قلق نہیں ہوتا۔

لو ددت ان اقتل فی سبیل اللہ ثم اُحیی ثم اُقتل.....

اشکال:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ تو بہت بڑا ہے بلکہ شہید سے تو صدیق کا درجہ بھی بلند ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی تمنا کیوں کی؟
جواب:

صحیح تر جواب یہ ہے کہ امت کو جہاد پر ابھارنا مقصود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود نبوت کے شہادت کی تمنا کرتے ہیں تو یہ بڑی فضیلت کی چیز ہے۔
اشکال:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بار بار شہادت کی تمنا کا مطلب تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (نعوذ باللہ) کفر کی بقاء چاہتے ہیں؟ کیونکہ ہر بار جہاد جب ہی ہوگا جب کفر موجود ہو۔
جواب:

اس سے مقصد جہاد کی ترغیب ہے بقاء کفر نہیں ہے اور کفر تو ویسے بھی باقی رہے گا اور
الحجھاد ماضی الی یوم القیامۃ سے اسی بقاء کی طرف اشارہ ہے۔

باب تطوع قیام رمضان من الایمان

حدثنا اسماعیل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قام رمضان ايماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه

ترجمہ الباب کا مقصد:

(۱) شعب الایمان کی تفصیل بتانا مقصود ہے۔

(۲) مرجیہ پر رد ہے کہ اعمال صالحہ مفید ہیں چنانچہ حدیث میں مذکور ہے کہ قیام رمضان طاعات میں سے ہے بلکہ نفل میں ہے لیکن حدیث کے مطابق اس پر عمل کرنے والے کیلئے گذشتہ اعمال کی معافی کی بشارت ہے۔

(۳) ترکیب ایمان اور جزئیات اعمال کو ثابت کرنا مقصد ہے۔

(۴) معتزلہ کا رد ہے کیونکہ اہل سنت میں سے جو حضرات جزئیات اعمال کے قائل ہیں ان کے ہاں فرائض، سنن اور نوافل سب ایمان کے اجزاء ہیں جبکہ معتزلہ کے ہاں صرف فرائض ایمان کے اجزاء ہیں تو اس سے معتزلہ پر بھی رد ہوا۔ حدیث کی باقی تفصیل ”باب قیام لیلة القدر من الایمان“ کے تحت گزر چکی ہے۔

باب صوم رمضان احتساباً من الایمان

حدثنا ابن سلام عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صام رمضان ايماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه

ترجمہ الباب کا مقصد:

ترجمہ الباب کے مقصد سے متعلق گذشتہ باتیں ہیں۔

اشکال:

گذشتہ ابواب قیام لیلة القدر اور تطوع قیام رمضان میں احتساباً کی قید نہیں ہے جبکہ صوم رمضان کے ساتھ ترجمہ الباب میں احتساباً کی قید ہے حالانکہ تینوں احادیث میں

احساباً کی قید ہے؟

جواب:

قیام لیلة القدر اور اور تطوع قیام رمضان کی ہیئت خود مذکور ہے کہ جب آدمی نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو یاد آجاتا ہے کہ ثواب کیلئے کھڑا ہوا ہے جبکہ صوم میں تو مفطرات ثلاثہ کا ترک ہے جو مذکور نہیں ہے کیونکہ ترک مفطرات کبھی اور وجوہ کی بناء پر بھی ہوتا ہے۔ جیسے بیوی سے ناراضگی کے سبب کھانا نہ کھانا وغیرہ۔

اشکال:

قیام رمضان نفل اور سنت ہے جبکہ صوم رمضان فرض ہے تو صوم کو مقدم کرنا مناسب تھا حالانکہ امام بخاری نے قیام کو مقدم کیا اور صوم کو مؤخر کیا ہے؟

جواب:

(۱) قیام رمضان فعلی عبادت ہے جبکہ صوم ترکی عبادت ہے اور فعل مقدم ہوتا ہے

ترک پر

(۲) قیام لیل میں ہوتا ہے اور صوم نہار میں اور شرعاً لیل مقدم ہوتی ہے نہار پر
(۳) غالب طور پر فرائض میں دخول سنن کے ذریعے ہوتا ہے جیسے ظہر اور فجر کی سنتیں اور دیگر نمازوں کیلئے سنن غیر مؤکدہ، امام بخاری نے بھی اسی ترتیب کو قائم کیا ہے کہ صوم فرض ہے اور قیام سنت ہے تو فرض میں دخول سنت کے ذریعے ہوتا ہے۔

(۴) قیام رمضان تمہید ہے صوم کیلئے اس طرح کہ قیام طویل کرے گا تو سحری کا وقت ہوگا لہذا سحری کھا کر صوم رکھے گا اور تمہید مقدم ہوتی ہے مقصود پر

باب الدین یسر

وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم أحب الدین الی اللہ الحنفیة السمحة
حدثنا عبد السلام..... عن ابی ہریرة رضی اللہ عنہ قال ان
الدین یسر ولن یشاد الدین احد الا غلبه، فسدوا وقاربوا وابشروا واستعینوا
بالغدوة والروحة وشینی من اللحة.

ترجمہ الباب کا مقصد:

(۱) اس سے پہلے امام بخاری نے قیام رمضان، صوم رمضان اور جہاد کے ابواب قائم کئے اور یہ سب اعمال پر صبر اور مشکل تھے تو وہم پیدا ہوتا تھا کہ دین کے تمام اعمال ایسے ہی مشکل ہوں گے تو اس وہم کو دور کرنے کیلئے یہ باب قائم کیا کہ یقیناً چند امور پر مشقت ہیں لیکن مجموعی طور پر دین آسان ہے بالخصوص گذشتہ ادیان کے مقابلے میں۔

(۲) خوارج اور معتزلہ پر رد ہے کہ دین میں اتنی شدت نہیں ہے جتنی تم لوگوں کی اختیار کی ہے کہ ایک نماز چھوٹ جائے تو کافر قرار دیا جاتا ہے حالانکہ دین میں شدت نہیں ہے اور گناہ ہونے کی صورت میں توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔

احب الدين الى الله الحنفية السمحة البيضاء.....

اس حدیث کو تعلقاً لائے ہیں اور جاننا چاہئے کہ تعلیقات بخاری دو قسم پر ہے:

(۱) وہ کہ ایک جگہ تو تعلقاً لاتے ہیں لیکن اسی کتاب میں دوسرے مقام پر موصولاً بھی لاتے ہیں۔

(۲) دوسرا یہ کہ اس حدیث کو بخاری میں تو تعلقاً لاتے ہیں اور پھر بخاری میں ذکر نہیں کرتے بلکہ کسی اور کتاب میں موصولاً ذکر کرتے ہیں تو یہ حدیث دوسری قسم سے ہے۔ اس کو امام بخاری نے اپنی کتاب الادب المفرد میں اور امام احمد نے مسند احمد میں موصولاً ذکر کیا ہے۔

احب الدين الى الله الخ

(۱) الف لام اگر عبدی ہے تو معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو تمام اعمال میں رخصت والے اعمال زیادہ محبوب ہیں۔

(۲) اگر الف لام جنسی ہو تو معنی ہوگا کہ ادیان میں سب سے زیادہ محبوب دین حنفی ابراہیمی ہے۔

الحنفية.....

حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب ہے اس کا معنی ہے باطل سے منہ موڑ کر حق

کی طرف مائل ہونے والا علامہ انور شاہ کشمیری نے عطار کا شعر نقل کیا ہے

از یکے گو از ہمہ یکسوئے باش یک دل و یک قلب و یک روئے باش

السمحة (السهلة) ادیان سابقہ کے مقابلے میں آسان ہے مثلاً ان کی نمازیں

پچاس تھیں، نماز بغیر مسجد کے نہیں ہوتی تھی، تو بہ قتل النفس ہوتی تھی کپڑا نجس ہونے پر کاٹ

دیا جاتا تھا اور گناہ پر دنیا میں رسوائی ملتی وغیرہ

ان الدین یسر.....

(۱) یسر کا حمل دین پر حمل مبالغہ ہے زید عدل کی طرح

(۲) یسر بمعنی ذویسر ہے۔ یعنی دین آسانی والا ہے۔

لن یشاد الدین احد الا غلبہ.....

دین مفعول ہے اور احد فاعل ہے مطلب یہ ہے کہ دین میں شدت اختیار کرنے والا

رخصت پر عمل نہ کرنے والا آخر کار عمل کرنے سے بیزار ہو جائے گا اللہ تعالیٰ نے ضعف

انسانی کے لحاظ سے اعمال مقرر کئے ہیں۔

سدّدوا.....

اس کا معنی ہے اطلبوا السداد سیدھا راستہ بین الافراط والتفریط یعنی میانہ روی

قاربوا.....

اگر اکمل پر عمل نہیں کر سکتے تو اکمل کے قریب پر عمل کرو علامہ تیمیٰ فرماتے ہیں کہ قاربوا

کے دو معنی ہو سکتے ہیں (۱) عبادات میں میانہ روی اختیار کرو اس میں مبالغہ نہ کرو (۲) ایک

دوسرے کے ساتھ قرب اور تعاون اختیار کرو۔ اس میں سے پہلا والا معنی اس مقام پر زیادہ

مناسب ہے۔

ابشروا.....

اعمال صالحہ کی جزاء پر خوشخبری حاصل کرو۔

غدوة.....

ما بین صلوة الغداة الی طلوع الشمس کے وقت کو کہتے ہیں۔

روحة.....

زوال کے بعد چلنے کو کہتے ہیں۔

الدلجة.....

آخری شب کے چلنے کو کہتے ہیں، بعض حضرات پوری شب چلنے کا معنی بھی کرتے

ہیں۔

ان الفاظ کا مطلب:

ان الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کو ایک مسافر سے تشبیہ دی ہے کہ اگر مسافر دن رات چلتا رہا تو آخر تھک ہار کر بیٹھ جائے گا اور اگر ان تین اوقات کا لحاظ رکھ کر سفر کرے گا تو تکلیف نہیں ہوگی ایسی ہی مسلمان اگر رخصت پر عمل کرتے ہوئے میانہ روی اختیار کرے گا تو کامیاب رہے گا۔

باب الصلوة من الايمان

وقول الله تعالى: وما كان الله ليضيع ايمانكم اى صلاتكم عند

البيت.....

ترجمہ الباب کا مقصد:

(۱) حضرت شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں کہ پچھلی حدیث میں استعینوا بالغدوة والسرورحة کے الفاظ آئے ہیں کہ ان اوقات سے عبادت میں استعانت حاصل کرو تو ان الفاظ کی وضاحت کیلئے یہ باب قائم کیا ہے کہ اس سے استعانت فی العبادۃ مراد ہے اور عبادت میں سب سے افضل نماز ہے گو یا مراد یہ ہے کہ ان اوقات میں نماز ادا کرو۔

(۲) شعب ایمان کا بیان باری تھا درمیان میں الدین بسر کا باب استظر ادالائے اب پھر اصل موضوع کی طرف عود کرتے ہیں کہ نماز بھی شعب الايمان میں سے ایک شعبہ ہے۔

(۳) بنی الاسلام علی خمس کے بعد یہ باب مکرر لائے ہیں مقصد تاکید صلوة کو بیان کرنا

ہے۔

(۴) مرجعہ پر رد ہے۔

(۵) ترکیب ایمان اور جزئیات اعمال کا ثبوت ہے۔

وما كان الله ليضيع إيمانكم يعني صلاحكم عند البيت.....

چند باتیں قابل بیان ہیں:
پہلی بات:

تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعد عطاء نبوت اور قبل التحویل کس طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اس میں دو قول ہیں:

(الف) مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بیت اللہ قبلہ تھا اور مدینہ میں یہ حکم منسوخ ہوا اور بیت المقدس قبلہ مقرر ہوا چنانچہ ۱۶ یا ۱۷ ماہ بعد دوبارہ بیت اللہ کو قبلہ مقرر کیا گیا۔

(ب) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اول ہی سے بیت المقدس قبلہ تھا البتہ مکہ میں آپ کیلئے ممکن تھا کہ بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں کی طرف ایک ساتھ مواجہت فرمائیں لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے جس کی وجہ سے کسی پر اظہار نہیں ہو سکا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ کونسا ہے لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو اب دونوں کی طرف ایک ساتھ مواجہت ممکن نہیں تھی لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف منہ کرنے لگے اس سے اظہار ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ بیت المقدس ہے۔
قول اول کی بناء پر نسخ مرتین لازم آتا ہے اور قول ثانی کی بناء پر نسخ مرة لازم آتا ہے۔

دوسری بات:

یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مواجہت آپ کا اجتہاد تھا یہ حکم خداوندی تھا؟
علامہ شبری احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ قبل التحویل آپ کی مواجہت الی القبلہ اجتہادی معاملہ تھا کہ مکہ میں اہل مکہ کی تالیف قلب کیلئے بیت اللہ کی مواجہت کی اور مدینہ میں یہودی کی تالیف قلب کیلئے بیت المقدس کی مواجہت کی۔

علامہ انور شاہ کشمیر فرماتے ہیں کہ قبلہ کا معاملہ اس وقت تقسیم بلاد کہ لحاظ سے تھا مکہ اور اس کے نواح کیلئے تو بیت اللہ قبلہ تھا جبکہ شام اور اس کے نواح کیلئے بیت المقدس

قبلہ تھا۔

ایک تیسرا قول یہ ہے کہ یہ حکم خداوندی تھا بناء پر قولین کہ اولاً بیت اللہ شریف تھا یہ بیت

المقدس تھا۔

تیسری بات:

یہ ہے کہ آیت کا شان نزول کیا؟

شان نزول:

اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۶ یا ۱۷ مہینے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کو قبلہ بنانے کی خواہش رکھتے تھے اور اسی کو قرآن مجید میں قد نری تقلب و جھک سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی دوران چند صحابہ کرام کا انتقال ہو گیا تو ان کے ورثاء کہنے لگے کہ ہمارے اقارب تو بیت المقدس کی مواجہت کرتے تھے لیکن لگتا ہے کہ اصل قبلہ بیت اللہ ہے لہذا ہمارے اقارب کا کیا حکم ہے ان کی نمازیں قبول ہیں یا نہیں؟ اس طرح ان کا اجر پورا پورا ہوگا یہ ان لوگوں سے کم ہوگا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۴) چوتھی بات یہ ہے کہ صحابہ کرام کو اشکال کیوں پیش آیا؟

جواب:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ اسلام میں پہلا نسخ تھا صحابہ کرام نسخ کے حکم سے واقف نہیں تھے لہذا اشکال پیدا ہونا ممکن ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا وہ کہتے ہیں کہ اس سے پہلے نماز کے بارے میں نسخ کا حکم ہو چکا تھا۔ حضرت شیخ الہند کا فرمان ہے صحابہ کرام کو دو موقعوں پر اشکال وا ہے ایک تحویل قبلہ کے موقع پر دوسرا حرمت خمر کے بارے میں اور یہ اشکال اس لئے ہوا کہ یہ دونوں حکم تدریجاً نازل ہوئے اور صحابہ کرام کو اس کا انتظار ہاچنانچہ خمر کے بارے میں پہلے نازل ہوا تھا "فیہما انم کبیر و منافع للناس" اور پھر "ولا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکارى نازل ہوا اور پھر حرمت قطع کیلئے انما الخمر والمیسر الی فهل انتم منتھون الایۃ نازل ہوا اور ایسے ہی

تحویل قبلہ کا حکم بھی مدربجا نازل ہوا صحابہ کرام کو پہلے معلوم ہو چکا تھا کہ یہ حکم منسوخ ہو کر رہے گا لہذا ان کو یہ اشکال پیش آیا۔

ای صلاتکم عند البیت.....

اشکال:

صحابہ کرام کو اشکال تو مدینہ کی نمازوں کے بارے میں ہو رہا ہے جبکہ امام بخاریؒ کی تفسیر سے مکہ کی نمازوں کا حکم معلوم ہو رہا ہے لہذا سوال اور جواب میں مطابقت نہیں ہے۔

جواب:

(۱) عند البیت محرف ہے اصل میں لغیر البیت تھا کاتب کی غلطی کی وجہ سے عند البیت لکھا گیا۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس بات کو رد کیا ہے کہ بخاری شریف کی تمام نسخوں میں عند البیت ضبط ہے لہذا تحریف کا قول غلط ہے اس اشکال کے جواب کیلئے بہت سی تاویلات کی گئی ہیں۔

(۲) صحیح تر جواب وہ ہے جو حافظ ابن حجر نے دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو جگہ پر بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے ایک بیت اللہ کے پاس رہ کر اور مدینہ میں رہ کر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی ہے تو اس آیت میں یہ بیان ہے کہ مکہ میں رہتے ہوئے بیت اللہ کے پاس آپ نے جو نمازیں بیت المقدس کی طرف پڑھی ہیں وہ ضائع نہیں ہوں گی تو دور رہ کر جو نمازیں پڑھی ہیں وہ کیسے ضائع ہوں گی۔

اول ما قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ نزل علی اجداده او قال

اخوالہ.....

(۱) یہ مدینہ کے لوگ بنو عدی بن نجار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی اجداد یا احوال نہیں تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے اجداد تھے مجازاً ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجداد کہا گیا ہے۔ واقعہ یوں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبی دادا ہاشم نے مدینہ کی ایک عورت سلمیٰ سے نکاح کی جس سے شیثۃ الحمد (عبدالمطلب) پیدا ہوئے بعد میں ہاشم کا انتقال ہوا شام کے علاقے میں اور شیثۃ الحمد (عبدالمطلب) مدینہ میں جوان

ہونے لگے تو شیبہ کا چچا مطلب آپ کو لینے کیلئے مدینہ آیا اور اپنے ساتھ مکہ واپس لے گیا لوگوں نے جب یہ دیکھا تو کہا کہ مطلب نے غلام خریدا ہے جس سے شیبہ الحمد کا نام عبد المطلب بن گیا۔

(۲) اس طرح ایک اور مجاز یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں جن لوگوں کے پاس اترے تھے وہ بنی مالک بن نجار تھے یہ بنو عدی من نجار کے چچا زاد تھے لہذا ان کو مجازاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجداد و احوال کہا گیا ہے۔

انہ صلی قبل البيت ستة عشر شهراً او سبعة عشر شهراً.....

علامہ کرمانی کا قول:

(۱) بیت المقدس یا تو مصدر میسی یا ظرف مکان مفعیل کے وزن پر بیت المقدس

ہے۔

(۲) باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ بیت المقدس ہے۔

(۳) احتمال کے طور پر تفعیل سے فاعل کے وزن پر بھی پڑھ سکتے ہیں بیت المقدس۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواجہت بیت المقدس کتنے عرصے کی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۲ کو ہجرت الی المدینہ کی اور دوسرے سال مشہور قول اور حافظ ابن حجر کے مطابق جمہور کے قول پر ۱۵ رجب کو تحویل قبلہ کا حکم آیا تو اب مدت کا شمار دو طرح سے ہوگا:

(۱) ۱۲ ربیع الاول سے لیکر اگلے سال ۱۵ رجب تک ایک ایک دن گن لیں تو ۱۶ مہینے

تین دن بنتے ہیں پھر کسور کو نکال کر ۱۶ مہینے بن گئے۔

(۲) ربیع الاول کا ناقص مہینہ پورا اور رجب کا ناقص مہینہ پورا شمار کر لیں تو ۱۷ مہینے

بنتے ہیں لہذا ستہ عشر اور سبعة عشر کی روایت درست ہے۔

تحویل قبلہ کی مدت کے بارے میں روایات:

ابن حجر کے قول کے مطابق تحویل قبلہ کی مدت کے بارے میں مختلف روایات ہیں:

(۱) ستہ عشر شهراً بالحزم

(۲) سبعة عشر بالحزم

(۳) ستة عشر او سبعة عشر بالشك

(۴) ۱۸ ماہ بالجزم

(۵) دو سال بالجزم

(۶) نو ماہ

(۷) دس ماہ

(۸) نو یا دس بالشک

(۹) شہرین بالجزم

حافظ کی رائے یہ ہے کہ سب سے مشہور قول ستة عشر او سبعة عشر کا ہے باقی روایات ضعیف ہیں۔ البتہ ستمین کا قول بھی درست قرار دیا جاسکتا ہے کہ ستمین ناقص کو ستمین کامل شمار کیا جائے۔

كان يععبه ان تكون قبلة قبل البيت.....

اس پسندیدگی کی وجوہات:

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق بنو اسماعیل سے تھا اور بنو اسماعیل کا قبلہ بیت اللہ تھا جبکہ بنو اسحاق کا قبلہ بیت المقدس تھا

(۲) اتباع ملہ ابراہیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت ابراہیم کی اتباع کا حکم ہے اور حضرت ابراہیم کا قبلہ بیت اللہ تھا اور اس اتباع کا تقاضا تھا کہ بیت اللہ کو قبلہ بنایا جائے۔

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب کی تالیف قلوب مقصود تھی کیونکہ عرب بیت اللہ کے قبلہ ہونے سے مانوس تھے اور بیت المقدس سے مانوس نہیں تھے۔

وانه صلى اول صلوة صلاها صلوة العصر.....

یہ مقام تفصیل کا محتاج ہے:

(۱) مقام تحویل:

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی نے نقل کیا ہے کہ تحویل کا حکم (الف) مسجد نبوی میں آیا

(ب) مسجد بنو حارثہ میں آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم براء بن معرور کی والدہ سے حضرت براء کی تعزیت کیلئے گئے تھے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کھانے کا انتظام ہوا اسی دوران صلوٰۃ الظہر کا وقت ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت پر ح چکے تھے کہ تحویل قبلہ کا حکم آیا تو چونکہ بیت المقدس مدینہ سے شمال کی جانب ہے اور بیت اللہ بالکل عکس جنوب کی جانب ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے سے چل کر عورتوں کی جگہ پر آئے اور عورتیں سب سے پیچھے چلی گئیں اور دیگر مردوں نے منہ پھیر لئے۔

وقت تحویل:

بخاری شریف میں عصر کی نماز کا ذکر ہے جبکہ دیگر بعض روایات میں نماز ظہر کا ذکر ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم مسجد نبوی میں ظہر کے وقت نازل ہوا۔ اور بعض میں ہے کہ مسجد بنی سلمہ میں ظہر کے وقت تحویل کا حکم آیا ہے۔

حافظ ابن حجر کی تحقیق:

حافظ ابن حجر نے ”التحقیق“ کہہ کر ذکر کیا ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم مسجد بنی سلمہ میں ظہر کے وقت آیا ہے البتہ مسجد نبوی میں بیت اللہ کی طرف پڑھی گئی سب سے پہلی نماز عصر کی تھی یا یہ کہ بیت اللہ کی طرف سب سے پہلی پوری نماز عصر کی پڑھی گئی کیونکہ ظہر کے وقت تو صرف دو رکعت پڑھی گئی تھیں۔

وصلیٰ معہ قوم فخرج رجل

اس رجل کا نام (۱) عباد بن نہیک (۲) عباد بن بشر بن قیظی بنو حارثہ کے امام و ہذا

اصح

اور یہ مسجد بنو حارثہ کی مسجد تھی۔

اس مقام پر تین اشکالات ہوتے ہیں:

اشکال (۱):

بیت المقدس کا قبلہ ہونا تو قطعی تھا تو خبر واحد سے قطعی کیوں چھوڑ دیا گیا؟ کیونکہ خبر واحد تو زیادہ سے زیادہ مفید الظن ہے۔

جواب:

خبر واحد جب محتف بالقرائن ہو تو یقین کا فائدہ دیتی ہے اور یہاں بھی محتف بالقرائن تھی کیونکہ صحابہ کرامؓ کو ”قد نری نقلاب و جھک“ سے معلوم ہو گیا تھا کہ تحویل قبلہ کا حکم آئے گا۔

اشکال (۲): قوم نے جب نماز ہی میں سمت بدلی تو یہ عمل کثیر ہے جو مفسد الصلوٰۃ

ہے؟

جواب:

(۱) اس وقت عمل کثیر مفسد الصلوٰۃ نہیں تھا۔

(۲) مشی تو الی قد میں کے ساتھ ہو تو مفسد الصلوٰۃ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

توقف سے ساتھ مشی کی تھی۔

(۳) نماز میں ضرورۃ مشی جائز ہے جیسے محدث کیلئے۔ تو اس لئے الضروریات

تبیح المحذورات کے قاعدے پر مشی جائز ہے۔

اشکال (۳):

خارج الصلوٰۃ کی تلقین قبول کرنا مفسد الصلوٰۃ ہے اور یہاں بنو حارثہ نے خارج کی

تلقین پر قبلہ تبدیل کیا؟

جواب:

تلقین خارج صلوٰۃ کے قبول کرنے کی دو صورتیں ہیں:

(۱) فی الفور قبول کرنا

(۲) تلقین کے بعد توقف کرنا اور سوچنے کے بعد غلطی کا ازالہ کرنا یہاں پر دوسری

صورت واقع ہوئی ہے اور یہ مفسد الصلوٰۃ نہیں ہے۔

و کانت الیہود وقد اعجبهم اذا کان یصلی قبل بیت المقدس و اهل

الکتاب.....

اهل الکتاب کا عطف کس پر ہے؟

(۱) ایہود پر، اس کی دو صورتیں ہیں:

(الف) عطف الخاص علی العام کہ یہود سے عام یہودی مراد ہوں تو اہل کتاب سے

علماء یہود مراد ہوں

(ب) یہود سے تو یہود ہی مراد ہوں اور اہل کتاب سے نصاریٰ مراد ہوں تو اس

صورت میں یہود کی خوشی تو ظاہر ہے لیکن نصاریٰ کیوں خوش تھے (۱) اس لئے کہ چونکہ

نصاریٰ کا قبلہ بیت الحمد تھا اور بیت المقدس اور بیت الحمد مدینہ سے ایک ہی جانب میں تھے

اور بیت المقدس کی طرف مواجہت کی صورت میں بیت الحمد کی مواجہت بھی ہوتی تھی۔ (۲)

نصاریٰ اس لئے خوش تھے کہ چلو یہود بھی ہمارے بھائی ہیں ان کی خوشی ہماری خوشی ہے۔

(۲) نلامہ کرمانی نے لکھا ہے کہ او بمعنی مع کے ہے یعنی معیت کیلئے ہے اور اہل

الکتاب کو منصوب پڑھیں مفعول معہ ہونے کی بناء پر عبارت یوں ہوگی۔ وکان الیہود

قد اعجبہم اذا کان یصلی مع اهل الکتاب

فلما وجہہ الی البیت فانکروا ذالک.....

انکار کی وجہ:

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے تھے کہ آج ایک حکم ہے اور کل دوسرا حکم ہوتا ہے اور اس کو

قرآن نے سیقول السفہاء من الناس سے روکیا ہے۔

قال زہیر حدثنا ابو اسحاق..... انه مات علی القبلة الحدیث

اس میں دو قول ہیں:

(۱) یہ تعلق ہے

(۲) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ تعلق نہیں ہے۔ بلکہ یہاں واو حرف عطف

مخذوف ہے اور یہ حدیث اسی سند سابق سے منقول ہے۔

انه مات علی القبلة قبل ان تحول رجال وقتنوا.....

(۱) حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ تحویل سے قبل دس آدمیوں کا انتقال ہوا ہے تین مکہ میں

پانچ حبشہ میں اور دو مدینہ میں وفات پانچکے تھے یہ دس متفق علیہ ہیں۔ بعض نے چند اور بھی

ذکر کرتے ہیں لیکن ان کا ایمان متفق علیہ نہیں ہے۔

(۲) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مجھے علم نہیں کہ تحویل سے قبل کونسا مؤمن شہید ہوا ہے؟

ممکن ہے کہ یہ راوی کی غلطی ہو کہ مات او قتلوا دونوں لایا ہے۔

علامہ دینی فرماتے ہیں کہ قتلوا کا لفظ محفوظ نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر کی توجیہ:

ممکن ہے کہ اس سے ضعاف المسلمین مراد ہوں جو قریش کے مظالم سے شہید ہوئے۔

باب حسن اسلام المرء

پہلی حدیث:

قال مالک اخبرني ان ابا سعيد الخدري انه سمع رسول الله

صلى الله عليه وسلم يقول : اذا اسلم العبد فحسن اسلامه يكفر الله عنه كل

سيئة كان زلفها

دوسری حدیث:

حدثنا اسحاق عن ابى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله

عليه وسلم : اذا احسن احدكم اسلامه فكل حسنة يعملها تكتب له بعشر

امثالها الى سبع مائة ضعف و كل سيئة يعملها تكتب له بمثلها . الحديث

ترجمہ الباب کا مقصد:

(۱) اس سے ایمان کی زیادت و نقصان کو ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ اس طرح کہ جب

انسان اخلاص سے اسلام قبول کرتا ہے تو اس کے اندر حسن پیدا ہوتا ہے جب دل کو مزید

اطمینان ہوتا ہے تو اس انشراح سے اور حسن پیدا ہوتا ہے اور جب اعمال صالحہ پر دس گناہ سے

لے کر سات سو گناہ تک اجر ملتا ہے تو مزید حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اعمال کرنے

سے ایمان کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے اور نہ کرنے سے نقصان آتا ہے۔

(۲) مرجیہ پر رد ہے کہ فقط تصدیق قلبی کافی نہیں بلکہ حسن فی الایمان کیلئے اعمال

ضروری ہیں۔

(۳) خوارج، معتزلہ پر رد ہے کہ ارتکاب معاصی سے فقط حسن الایمان میں کمی آتی ہے انسان ایمان سے خارج یا کافر نہیں ہوتا۔

اس باب کا ماقبل سے ربط:

حافظ ابن حجر کی رائے:

ماقبل باب میں ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ دین میں بڑے حریم تھے کہ تحویل قبلہ سے پہلے نماز کے بارے میں پوچھتے ہیں اس سے امام بخاریؒ کا ذہن تحریم خمر کی طرف گیا اور حرمت خمر کی آیات کے آخر میں ان اللہ یحب المحسنین ہے تو اس احسان کی وجہ سے حسن الاسلام کا باب باندھا۔

علامہ عینیؒ کی رائے:

پہلا باب تھا ”الصلوة من الایمان“ اور اب حسن الاسلام کا باب ہے اور یہ یقینی بات ہے کہ اسلام میں حسن نماز سے آتا ہے لہذا مناسبت ظاہر ہے۔

حسن الاسلام کا معنی:

حسن اسلام کننا یہ ہے اخلاص باطنی اور انقیاد ظاہری سے۔

ابن بطالؒ کے ہاں اسلام کا معنی اعبد ربك كأنك تراه ہے۔

قال مالك اخبرني.....

یہ تعلق ہے اور ان تعلیقات میں سے ہے جن کو امام بخاریؒ دوسری جگہ موصولاً ذکر نہیں کیا ہے ایسی روایات کی تعداد ایک سو اٹھ ہے۔ یہ تعلیقات اگر امام بخاریؒ بالجزم لائے ہیں تو یہ صحیح ہوگی جیسے یہاں پر قال مالک کے ساتھ بالجزم لائے ہیں اگر کہیں بالجزم نہ لائے ہوں تو اس کا صحیح ہونا ضروری نہیں ہے۔

یغفر الله كل سية كان زلفها..... امام بخاریؒ نے یہاں اتنا ہی ذکر کیا ہے لیکن

نسائی وغیرہ میں ہے کہ ”ویکتب له كل حسنة كان زلفها“

امام بخاریؒ نے اس ٹکڑے کو کیوں حذف کیا؟

حافظ اور علامہ عینیؒ کہتے ہیں کہ اس کو عمدہ ذکر نہیں کیا ہے کیونکہ یہ ٹکڑا اصول دین کے

خلاف ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ زمانہ کفر کے اعمال صالحہ معتبر نہیں ہوتے لیکن حافظ نے امام نوویؒ کا قول نقل کیا ہے کہ محققین اس مسئلہ سے اختلاف ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ دو صورتیں ہوتی ہیں:

(۱) کہ کافر اعمال صالحہ کرتا رہا لیکن آخر حیات تک کافر رہا اور مات علی الکفر تو اس کے طاعات بالاتفاق باطل ہیں

(۲) ابن منیرؒ، علامہ قرطبیؒ اور امام نوویؒ کا قول ہے کہ زمانہ کفر میں اعمال صالحہ کرتا رہا پھر مسلمان ہوا تو اب بعد الاسلام وہ گذشتہ طاعات اعمال نامہ میں لکھے جائیں گی اور یہ قواعد دین کے خلاف نہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوگا ورنہ قاعدہ تو یہ ہے کہ اعمال تین قسم کے ہیں:

(۱) طاعات یعنی موافقۃ الامر۔

(۲) قربات اس میں من یتقرب الیہ کی معرفت ضروری ہے ورنہ عمل مقبول نہیں

(۳) عبادات: اس میں موافقۃ الامر من یتقرب الیہ کی معرفت کے علاوہ نیت بھی ضروری ہے۔

تو اب صورتحال یہ ہے کہ کافر طاعات تو کر سکتا ہے لیکن قربت نہیں کر سکتا کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ورنہ پھر کافر کیوں ہوتا اور عبادت بھی اس سے صادر نہیں ہو سکتی کیونکہ کافر ہونے کی بناء پر نیت نہیں ہے۔

زمانہ کفر کے اعمال مفید کہنے والوں کے دلائل:

(۱) حدیث الباب ویکتب لہ کل حسنة کان زلفها ای قدم فی زمن الکفر

(۲) حکیم بن حزام کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ یرسل اللہ! ارأیت اشیاء اتحنث بہا فی الجاہلیة من صدقة او عتاقة و صلة رحم فهل فیہا من خیر؟ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اسلمت علی ما سلف من خیر اور مسلم کی روایت میں ہے کہ اسلمت علی ما اسلفت من خیر۔

(۳) حضرت عائشہ کی حدیث کہ جدعان جاہلیت میں مرا تھا اور وہ صدقہ و صلہ رحمی

کرتا تھا حضرت عائشہؓ نے اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یہ اعمال اس کیلئے مفید ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”لاینفعہ انہ لم یقل یومآرب اغفرلی خطیبتی یوم الذین“ یعنی وہ بعث بعد الموت کا قائل نہیں تھا اگر بعث بعد الموت کا قائل ہوتا تو یہ اعمال مفید ہوتے۔

یکفر اللہ کل سیئۃ کان زلفہا.....

یہاں دو باتیں ہیں:

(۱) زلفہا کو قاضی عیاضؒ اور حافظؒ نے تخفیف کے ساتھ درست کہا ہے جبکہ امام نوویؒ

نے تشدید کے ساتھ زلفہا درست بتایا ہے اور ابن سیدہ نے زلف بمعنی قُرب کہا ہے۔

(۲) محو السیئات کا مسئلہ: اس میں دو قول ہیں:

(۱) امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور جمہور فقہاء اور محدثین کا مذہب یہ ہے کہ

ایمان لانے کے بعد زمانہ کفر کے معاصی معاف ہو جاتے ہیں چاہے بعد میں اعمال صالحہ کرے یا نہ کرے۔

(۲) امام احمد بن حنبلؒ، شوافع میں سے امام بیہقی اور احناف میں سے علامہ انور شاہ

کشمیری رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ زمانہ کفر کے معاصی معاف ہوتے ہیں لیکن درج ذیل شرائط کے ساتھ:

(۱) ایمان کے بعد ان گناہوں سے توبہ کرے (۲) ان گناہوں کا دوبارہ ارتکاب نہ

کرے اگر دوبارہ ارتکاب کرے گا تو اُخذ بالاول والاخر

امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کے دلائل:

(۱) ویسئل فیہ مہاناً الا من تاب وامن عمل عملاً صالحاً یعنی اس کا اجر توبہ

اور اعمال صالحہ پر موقوف ہے۔

(۲) حدیث میں ہے کہ اگر زمانہ کفر کے معاصی ترک نہ کرے تو اُخذ بالاول والاخر۔

جمہور کے دلائل:

(۱) قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف. ای منعوا عن

الكفرية كناية عن ایمان سے تو کفار کی مغفرت کو ایمان کے ساتھ مقید کیا۔

(۲) عمرو بن العاصؓ کی حدیث ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور کہا کہ ایک آدمی نے کفر میں فلاں فلاں گناہ کئے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان الاسلام بھدم ماکان قبلہ۔

(۳) حدیث الباب بھی مستدل ہے کہ جس میں ذکر ہے کہ ایمان لانے کے بعد قصاص کا معاملہ ہوگا۔

(۴) اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے ایک کلمہ پڑھنے والے کو قتل کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تو نے ایک کلمہ پڑھنے والے کو قتل کیا ہے؟ تو اسامہ نے کہا یا رسول اللہ! اس نے جان بچانے کیلئے کلمہ پڑھا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہلا شقت قلبہ تو اسامہ کہتے ہیں کہ کاش میں آج اسلام لاتا۔ کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ اسلام ماقبل کیلئے ہادم ہے۔

تکتب له كل حسنة يعملها بعشر امثالها الى سبعمائة ضعف.....
جمہور کے ہاں ۷۰۰ گنا سے اجر بڑھ سکتا ہے کیونکہ روایات میں آیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ تکتب له كل حسنة يعملها بعشر امثالها الى سبعمائة ضعف و يضاعف لمن يشاء الى اضعاف كثيرة او كما قال اور بعض میں الى الفى الف يادولا کہ ذکر آیا ہے اور بعض روایات میں ہے کہ سبعمائة کو حسنة سے بدل دیا جائے گا اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا تفضل و تکریم ہے۔

باب احب الدين الى الله ابومه

حدثنا محمد بن المثنى..... عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت ان النبى صلی اللہ علیہ وسلم دخل علیها و عندها امرأة قال من هذه؟ قالت فلانة تذكر من صلاتها قال مه عليكم ماتطبقونه فوالله لا يمل الله حتى تملوا

الحديث

ما قبل کے ساتھ مناسبت:

(۱) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ما قبل کے ساتھ مناسبت اس طرح سے ہے کہ پیچھے بیاں تھا کہ حسن اسلام مطلوب ہے اور حسن اسلام اعمال سے آتا ہے لہذا خدشہ تھا کہ لوگ حصول حسن کیلئے اعمال میں غلو نہ کر لیں تو یہ باب قائم کیا کہ حسن فی الاسلام یقیناً اعمال سے آتا ہے لیکن غلو کرنے کے نتیجے میں وہ عمل ترک ہو جائے گا اور نتیجہ حسن اسلام رہ جائے گا لہذا غلو فی الاعمال سے احتراز کرو اور حسب طاقت عمل پر دوام اختیار کرو۔

(۲) علامہ عینی فرماتے ہیں کہ سابق باب میں بیان ہوا کہ حسن فی الاسلام اعمال سے آتا ہے تو اس باب سے اشارہ اس طرف ہے کہ حسن فی الاسلام ان اعمال سے آتا ہے جن میں مداومت ہو۔

ترجمہ الباب کا مقصد:

(۱) حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ اس سے فقط یہ مقصد ہے کہ اعمال پر دین کا اطلاق ہوتا ہے اور دین، ایمان اور اسلام مترادف ہیں لہذا اعمال پر ایمان کا اطلاق بھی ہوتا ہے۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں تو اس سے ایمان کا مرکب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(۲) ابن بطال کا قول ہے کہ مرجیہ پر رد ہے اس طرح کے اعات مفید ہیں اور سینات مضر ہیں یہاں اعمال پر دین کا اطلاق ہوا ہے جس سے اعمال کی اہمیت ثابت ہوتی ہے اور اسی طرح دائمی اعمال کرنے کا حکم ہے گویا ترک عمل سے منع کیا گیا ہے۔ تو اسے ترک عمل کا مضر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل علیہا.....

دو باتیں قابل بحث ہیں:

(۱) حافظ اور علامہ عینی نے لکھا ہے کہ یہ عورت بنو اسد کی عورت تھی اور حضرت خدیجہ کے خاندان سے تھی اس کا نام حواء بنت تویت بن حبیب بن اس بدن عبد العزیٰ تھا۔

(۲) اس حدیث میں دخل علیہا و عندها امرأة ہے جبکہ مسلم میں ہے مرت بها امرأة و عندها النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض روایات میں مرت بہ الحواء ہے تو

حدیث کے الفاظ میں اختلاف کیوں؟

جواب:

بعض شراح نے اس کو تعدد واقعہ پر محمول کیا ہے اور بعض کہتے ہیں واقعہ تو متعدد ہی ہے کہ لیکن عورت ہر بار حولاء ہے لیکن اصح بات یہ ہے کہ نہ تعدد واقعہ اور نہ تعدد عورت بلکہ تطبیق یوں ہے کہ حولاء حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی ہوئی تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دروازے سے داخل ہوئے تو یہ اٹھ کر چلنے لگی تو مسرت بھاہو گیا اور چلتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزر گئی تو مسرت بہ ہو گیا لہذا کوئی تعارض نہیں۔

قال من هذه قالت فلانة.....

فلانة کننا یہ ہے اسم سے اور یہ غیر منصرف ہے۔

تذکر من صلاتها.....

تذکر من چند احتمالات ہیں:

(۱) یہ مؤنث غائب معروف کا صیغہ ہو اور ضمیر لفظ عائشہ کی طرف راجع ہو

(۲) تذکر یہ مؤنث مجہول کا صیغہ ہو اور ضمیر اس عورت کی طرف راجع ہو

(۳) تذکر مذکر مجہول ہو

اشکال:

حضرت عائشہ نے عورت کے منہ پر تعریف کی حالانکہ حدیث میں اس سے منع

آیا ہے۔

جواب:

(۱) حضرت عائشہ کو معلوم تھا کہ یہ عورت تعریف سے تکبر اور غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوگی

اور حدیث میں منع کی یہی علت ہے۔

(۲) ابن التین فرماتے ہیں کہ عورت کے سامنے تعریف نہیں کی تھی بلکہ وہ اٹھ کر

چلی گئی تھی۔ لہذا کوئی اشکال نہیں ہے۔

فقال مه.....

یہ اسم فعل ہے بمعنی اکفف حافظ فرماتے ہیں یہ ماساھذا تھا۔ اس زجر کی دو صورتیں

ہیں:

(۱) خطاب حضرت عائشہ کو ہو لیکن اس صورت میں حدیث کا اصل مطلب حاصل نہ ہوگا کیونکہ حدیث میں غلو فی الاعمال سے منع مقصد ہے۔

(۲) یہ خطاب اس عورت کو ہو کہ ایسے شاق اعمال مت کرو

فواللہ لا یعمل اللہ حتیٰ تعملوا.....

حافظ فرماتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوا کہ بغیر استخلاف کے قسم اٹھانا جائز ہے۔

”مل“ سمع سے ہے اردو میں اس کا معنی ہے اکتا جانا اور عربی میں کسی چیز سے محبت رکھنے کے بعد نفرت پیدا ہو جانا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے نہیں اکتاتے جب تک کہ تم عمل سے نہ اکتا جاؤ۔ حافظ ابن حجر نے ملال کے چند اور معنی ذکر کئے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب کی کمی نہیں حتیٰ تترکوا العمل

(۲) حتیٰ بمعنی اذا کے ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت بھی نہیں تھکتے جب تم تھک جاتے

جو جیسے بلغ آدمی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ لا ینقطع الفلان حتیٰ ینقطع الخصوم

واجب الوجود کیلئے ملال کا استعمال:

حافظ اور علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ملال کا استعمال اللہ تعالیٰ کیلئے مجازاً اور مشکلتہ ہوا

ہے ورنہ ملال تو حدیث اور انفعال پر دلالت کرتا ہے واللہ منزه عنه، اس کی مثال جیسے

قرآن کریم میں ہے وجزاء سیئة سیئة مثلها اور جیسے فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی

علیکم کہ اگر مشرکین اشہر حرم کی رعایت نہ رکھیں تو آپ بھی مقابلہ کریں حالانکہ یہ مشرکین

کی طرف سے تو اعتداء تھا لیکن مسلمانوں کی طرف سے اعتداء نہیں تھا لیکن مشکلتہ اعتداء کہا

گیا اور ایسے ہی جزاء السیئة کو مشکلتہ سیئة کہا گیا ہے۔

وکان احب الدین الیہ..... ای احب الاعمال الیہ

الیہ کی ضمیر میں دو احتمال ہیں:

(۱) ضمیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔

(۲) ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے جیسے ترجمہ الباب میں احب الدین الی اللہ

ہے۔

لیکن دونوں صورتوں میں معنی ایک ہوگا کیونکہ احب الی اللہ احب الی الرسول ہے۔

باب زیادة الايمان ونقصانه

وقول الله عز وجل وزدناهم هدى۔ يزداد الذين امنوا الاية وقال اليوم

اكملت لكم دينكم

ما قبل سے ربط:

پہلے باب میں احب الدین الی اللہ ادومہ تھا اس باب میں اشارہ ہے کہ دوام عمل

زیادت فی الايمان کا سبب ہے اور ترک عمل سے ایمان میں نقصان آتا ہے۔

ترجمہ الباب کا مقصد:

مقصد واضح ہے کہ کتاب الايمان کے شروع میں بنی الاسلام علی خمس وهو

قول و فعل و یزید و ینقص کا باب کا قائم کیا تھا تو یہاں اس دعویٰ کی مزید وضاحت اور

تاکید کیلئے یہ باب قائم کیا۔

اشکال:

امام بخاری نے ابتداء میں زیادت و نقصان فی ایمان کا مسئلہ بیان کیا ہے تو اب

دوبارہ یہ باب زیادة الايمان و نقصانه تکرار ہے کیونکہ بنی الاسلام علی خمس میں یہ مسئلہ بیان ہوا

ہے۔

جواب:

(۱) وہاں پر زیادت و نقصان کا مسئلہ تبعاً مذکور تھا اور وہ باب جامع تھا اور یہ بعد کے

ابواب اس کی تفصیل ہیں لہذا وہ بمنزلہ عنوان کے ہے اور یہ تفصیل ہے اور عنوان اور تفصیل

میں تکرار نہیں ہوتی۔

(۲) وہاں پر زیادت و نقصان کا مسئلہ تبعاً اور ترکیب ایمان کا مسئلہ اصالتہ مذکور تھا تو

وہاں زیادت و نقصان کا ذکر ضمناً اور تبعاً تھا اور یہاں اصالتہ ہے لہذا کوئی تکرار نہیں۔

(۳) وہاں پر زیادت و نقصان فی الاسلام کا بیان تھا کیونکہ یزید و یسحق میں ضمیر اسلام کی طرف راجع ہے تو اگرچہ امام بخاریؒ کے ہاں ایمان، اسلام متحد ہیں لیکن جو لوگ فرق کرتے ہیں ان کیلئے اشکال کا موقع مل سکتا تھا کہ آپ نے تو اسلام میں زیادت ثابت کی ہے ایمان میں ثابت نہیں کی لہذا امام بخاریؒ نے اس وہم کو دفع کرنے کیلئے یہ باب قائم کیا۔
اشکال:

اس باب کا مقصد اور گزشتہ باب تفاضل اہل الایمان کا مقصد ایک ہی ہے لہذا ان دونوں ابواب میں تکرار ہے۔

جواب:

(۱) تفاضل اہل ایمان میں اہل ایمان کے اعتبار سے زیادت کا بیان ہے اور یہاں نفس ایمان (تصدیق) میں زیادت و نقصان کا بیان ہے لہذا تکرار نہیں۔

(۲) وہاں پر زیادت اعمال کے اعتبار سے ہے اور یہاں زیادت کا بیان مومن بہ کے اعتبار سے ہے کہ جس حکم پر ایمان لایا ہے وہ احکام بڑھتے رہتے ہیں۔

(۳) امام بخاریؒ کا طریقہ ہے کہ جس چیز کو ثابت کرنا چاہتے ہیں تو مختلف طریقوں سے تھوڑے سے عنوانات بدل بدل کر ابواب قائم کرتے ہیں تاکہ کیلئے جیسے مدعا کے ثبوت کیلئے مختلف دلائل پیش کئے جاتے ہیں اور کثرت دلائل تکرار نہیں۔

قول اللہ وزدناہم ہدی.....

امام بخاریؒ نے اپنے دعویٰ کیلئے تین آیات کریمہ بطور دلیل پیش کی ہیں (۱) وزدناہم ہدی (۲) ویزداد الذین امنوا یہ دونوں آیات پہلے بھی لاکھے ہیں البتہ (۳) آیت الیوم اکملت لکم دینکم الایۃ ہے آیت پہلے نہیں لائے تھے۔

حافظ ابن حجرؒ کا قول:

امام بخاریؒ کے دعویٰ کے دو جز ہیں: (۱) زیادت ایمان (۲) نقص ایمان پہلی دونوں آیات سے زیادت تو صراحتہ ثابت ہوتی ہے لیکن نقصان صراحتہ ثابت نہیں ہوتا تو اکملت لکم والی آیت لائے ہیں کیونکہ جب دین میں کمال ثابت ہوگا تو نقصان

جو اس کی ضد ہے وہ بھی لامحالہ موجود ہوگا چنانچہ فاذا ترک من الکمال شیئاً فہو ناقص سے اسی کی طرف اشارہ ہے کہ اعمال سے جب کمال آتا ہے تو ترک اعمال سے نقصان بھی آتا ہے۔

اشکال:

اس آیت سے کمال ایمان پر استدلال درست نہیں ہے کیونکہ اس کمال میں چند معانی کا احتمال ہے: (۱) اظہار الحجۃ علی المخالفین (۲) اظہار المسلمین علی المشرکین (۳) کمال باعتبار الاحکام والقرائن ہے۔ (کیونکہ علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ اس آیت کے بعد کوئی حکم من الاحکام نازل نہیں ہوا) پہلے دو معنی کی صورت میں کمال ایمان پر استدلال درست نہیں لیکن باقی دونوں معنی چونکہ احتمال رکھتے ہیں لہذا اس آیت سے استدلال درست نہیں ہے۔

جواب: امام بخاری کے پیش نظر تینوں معانی تھے لہذا مجموعہ معانی کے اعتبار سے استدلال کیا ہے۔

يخرج من النار من قال لا اله الا الله وفي قلبه وزن شعيرة من خير.....
يخرج کا صیغہ یا تو (۱) نصر سے مذکر معروف ہے (۲) نصر سے مجہول ہے (۳) افعال سے معروف ہے۔
ترجمۃ الباب کا ثبوت:

وزن شعيرة..... وزن برة..... وزن ذرة سے ایمان میں زیادت و نقصان ثابت ہو رہا ہے اور یہی ترجمۃ الباب ہے۔

شعيرة: اس کے معنی جو کے آتے ہیں

برة: بمعنی حنطة یعنی گندم

ذرة: (۱) رأس النملة (۲) اخف الموزونات (۳) سورج کی شعاعوں میں جو

شے نظر آتی ہے وہ ذرہ ہے (۴) ہاتھ پر مٹی لگے اور اس کو جھاڑنے سے جو ریزے جھڑتے ہیں وہ ذرات ہیں۔

قال ابان حدثنا قتادة حدثنا انس من ايمان مكان خير

اس تعلق کے فوائد:

(۱) گذشتہ حدیث میں قتادہ عن انس تھا اور یہ عنعنہ تھا اور قتادہ مدلس ہیں تو دوسری روایت میں تحدیث کی صراحت تھی لہذا اس کو لا کر اشکال کو دفع کیا۔

(۲) الفاظ کے اختلاف کو بتانے کیلئے تعلق لائے ہیں اور یہ بتانا مقصود ہے کہ ایمان

صحیح لفظ ہے۔

(۳) بطور متابع تائید کیلئے لائے ہیں۔

تنبیہ:

اکمال سے معنی ثالث یعنی کمال باعتبار فر ائض ہو تو اشکال ہوتا ہے کہ اس آیت سے قبل وفات پانے والے صحابہ کرام (نعوذ باللہ) ناقص الایمان تھے۔

جواب:

نقصان کی دو صورتیں ہیں:

(۱) اختیاری، کہ احکام موجود ہیں لیکن عمل نہیں کرتا یہ نقصان مذموم ہے۔

(۲) غیر اختیاری، جیسے صحابہ کرام کہ جو حکم نازل ہوتا اس پر عمل پیرا ہوتے اور یہ مذموم

نہیں بلکہ مدوح ہے۔

تنبیہ:

حدیث میں لا الہ الا اللہ عنوان ہے کلمہ کا اور اس سے پورا کلمہ مراد ہے جیسے الحمد سورہ

فاتحہ کا عنوان ہے۔

اشکال:

حدیث ابان کو اصلہ نہیں لائے بلکہ تبعاً لائے ہیں حالانکہ حدیث ابان میں تحدیث

کی بھی تصریح ہے اور لفظ ایمان بھی موجود ہے۔

جواب:

ہشام اور ابان میں ہشام ثقہ ہے لہذا اس کو اصلہ لائے اور ابان کو تبعاً لائے۔

الحديث الثاني: حدثنا الحسن عن طارق بن شهاب عن عمر بن الخطاب ان رجلا من اليهود قال له قال اليوم اكملت لكم دينكم وهو قائم بعرفة يوم الجمعة - الحديث
 رجلا کا مصداق کعب الاحبار ہے جو بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔

اشکال ہوتا ہے کہ بعض روایات میں ان ناسا من الیہود آیا ہے لیکن جواب آسان ہے کہ سائل تو کعب تھا لیکن دیگر یہودی بھی موجود تھے تو دوسری روایت میں سب کی طرف مجازاً نسبت کی ہے۔

اشکال:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جواب بظاہر سوال کے مطابق نہیں ہے کیونکہ یہودی نے عید بنانے کا کہا تھا کہ اس دن کو عید بنانا چاہئے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہمیں وہ دن اور وہ مقام معلوم ہے جہاں یہ آیت نازل ہوئی تو بظاہر کوئی مناسبت نہیں ہے۔

جواب (۱):

حضرت شیخ الحدیث فرماتے ہیں کہ مطابقت دو طرح سے ثابت ہے۔ (۱) یہ کہ ہم کو اپنی طرف سے عید منانے کی کیا ضرورت ہے یہ آیت تو یوم الجمعة کو نازل ہوئی اور وہ ویسے ہی عید المسلمین ہے۔ (۲) وہ دن یوم العرفہ ہے اور یہ حجاج کرام کیلئے عید ہوتی ہے۔ کیونکہ اس دن حج کی تکمیل ہوتی ہے۔

بعض شراح نے لکھا ہے کہ اس دن پانچ وجوہ سے عید تھی (۱) یوم الجمعة (۲) یوم العرفہ (۳) یہود کی بھی عید تھی (۴) اتفاق سے اس دن نصاریٰ کی بھی عید تھی (۵) مجوسیوں کا نیز وہ بھی اسی دن تھا تو سب کے ہاں اس دن عید تھی۔

جواب (۲):

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ تم لوگ تو تحریف کے عادی ہو اپنی طرف سے احکام مقرر کرتے ہو لیکن ہم ایسے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے عیدیں مقرر فرمائی ہیں تو ہم اپنی طرف سے عید منانے کے مختار نہیں ہیں ورنہ ہمیں وہ دن معلوم

باب الزکوٰۃ من الایمان

وما امروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين حنفاء ويقيموا الصلوة ويؤتوا
الزکوٰۃ وذلك دين القيمة

حدثنا اسمعيل..... سمع طلحة بن عبيد الله يقول جاء رجل الى
رسول الله صلى الله عليه وسلم من اهل نجد نثر الرأس نسمع دوى الصوت
ولا نفقه ما يقول حتى دنا فاذا هو يسأل عن الإسلام۔ الحديث
ما قبل کے ساتھ ربط:

ما قبل میں ایمان کی زیادت و نقصان کا بیان تھا اور اس باب میں اس طرف اشارہ ہے
کہ جن اعمال سے ایمان میں زیادتی آتی ہے ان میں سے زکوٰۃ بھی ہے لہذا پابندی زکوٰۃ
سے ایمان میں زیادتی آئے گی اور ترک زکوٰۃ سے ایمان کے اندر نقصان آئے گا۔
ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) ترکیب ایمان اور جزئیت ایمان کا ثبوت ہے کیونکہ الزکوٰۃ من الاسلام سے زکوٰۃ
کو اسلام کو جزء قرار دیا اور دین، اسلام اور ایمان مترادف ہیں لہذا زکوٰۃ کو ایمان کا جزء
ثابت کیا اور اس سے ایمان کا ذواجزاء اور مرکب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(۲) زیادت ایمان و نقصان کا ثبوت مقصد ہے کیونکہ جب ایمان کو ذواجزاء ثابت
کیا تو ذواجزاء چیز میں اجزاء کی زیادتی سے زیادتی آتی ہے اور اجزاء کی کمی سے اس میں
نقصان آتا ہے۔

وما امروا الا ليعبدوا الله مخلصين..... الى قوله وذلك دين القيمة
مخلصين اور حنفاء دونوں ليعبدوا سے حال ہیں۔

اس آیت سے یہ استدلال مقصود ہے کہ زکوٰۃ دین کا جزء ہے۔

ذلك الدين القيمة..... ذلک کا مشارالیه ليعبدوا الله، اقامت صلوة اور ايتاء زکوٰۃ
ہے تو من جملہ ان کے زکوٰۃ کو دین القيمة قرار دیا اور دین اور ایمان چونکہ مترادف ہیں لہذا

زکوٰۃ ایمان کا بھی جزء ہے۔

جاء رجل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم من اهل نجد.....

رجل کی تعین:

(۱) حافظ ابن عبد البر اور قاضی عیاض کے ہاں اس سے مراد ضمام بن ثعلبہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث منقول ہے جس میں تصریح ہے وہ ضمام بن ثعلبہ تھا۔

(۲) عام شارحین فرماتے ہیں کہ یہ ضمام بن ثعلبہ نہیں ہے بلکہ ضمام کی حدیث الگ

ہے البتہ دونوں حدیثوں کے سوالات میں یکسانیت ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں

حدیثیں ایک ہی ہوں۔

نجد.....

زمین عرب کی دو قسمیں تھیں: (۱) نجد جو سطح سمندر سے بلند تھا (۲) تہامہ، غور یہ حجاز

سار میں ہے جو سطح سمندر کے برابر ہے۔

ثائر الرأس.....

اس کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں اس صورت میں یہ رجل کی صفت ہوگی۔ او منصوب

بھی پڑھ سکتے ہیں اس صورت میں مراد بال ہیں یعنی ذکر المحل ارادة الحال

نسمع دوی صوتہ.....

نسمع اور نفقہ دو طرح سے منقول ہے (۱) صیغہ جمع متکلم (۲) صیغہ واحد مذکر غائب

مجہول۔

دوی..... بفتح الدال وبضمه، صوت مرتفع لا يفهم

اکابر نفاس کا معنی گنگتاہٹ سے کیا ہے۔

حد دناء... یہ غایہ ہے لائفقہ کیلئے۔

فاذا سوسال عن الاسلام.....

علامہ رمائی نے دو احتمال ذکر کئے ہیں:

(۱) سوال عن شرائع الاسلام تھا اس صورت میں کوئی اشکال نہیں ہوتا۔

(۲) سوال عن ہیئتہ الاسلام تھا۔ اس صورت میں اشکال ہوتا ہے کہ جب سوال عن حقیقت الاسلام ہو تو شہادتین کا ذکر لازم ہے جبکہ حدیث میں شہادتین کا ذکر نہیں ہے۔

جواب:

(۱) علامہ کرماتی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادتین کا ذکر کیا تھا لیکن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ دور ہونے کی وجہ سے نہیں سن سکے۔
(۲) شہادتین کا ذکر تھا لیکن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بناء پر شہرت شہادتین کا ذکر نہیں کیا کیونکہ ہر کسی کو معلوم ہے کہ جب سوال عن ہیئتہ الاسلام تو شہادتین کا ذکر سب سے پہلے ہوتا ہے۔

علامہ عینی نے دونوں جوابات کو رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ سوال در اصل عن شرائع الاسلام تھا تو یہ آدمی پہلے سے مسلمان تھا لہذا شرائع اور احکام کے بارے میں پوچھا
قال خمس صلوات فی الیوم واللیلۃ فقال هل علی غیرہا فقال لا الا ان تطوع.....

خمس صلوات کی تعبیر سے چند اشکالات وارد ہوتے ہیں:

(۱) وجوب وتر کے قائلین پر اشکال ہوتا ہے کہ وتر کا وجوب اس حدیث کے منافی ہے کیونکہ یہاں شرائع الاسلام میں اس کا ذکر ہی نہیں کیونکہ حدیث میں صرف خمس صلوات کا ذکر ہے۔

(۲) مالکیہ پر اشکال ہوتا ہے جو کہ سنن فجر کو واجب قرار دیتے ہیں۔

(۳) اہل ظواہر کے قول وجوب صلوة الضحیٰ پر اشکال ہوتا ہے۔

(۴) صلوة العیدین کے وجوب کے قائلین پر اشکال ہوتا ہے۔

اہل ظواہر اور مالکیہ تو خود جواب دینگے البتہ ہم احناف وجوب صلوة الوتر اور وجوب

صلوة العیدین کا یہ جواب دیتے ہیں:

(۱) حدیث میں فرائض کا بیان ہے اور ہم وتر کو واجب کہتے ہیں فرض نہیں اور فرض

اور واجب میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

چنانچہ بدائع الصنائع میں واقعہ نقل کیا ہے کہ یوسف بن خالد سبکی جو امام شافعی کے شیخ ہیں جب پہلی مرتبہ امام ابوحنیفہؒ کے پاس آئے تو کہا ماتقول فی الوتر؟ فقال فرض، فقال كفرت يا اباحنيفة، فاجاب ابوحنيفة: ايهلوني اكفارك اباي وانى اعلم الفرق بين الفرض والواجب۔ پھر امام صاحب رحمہ اللہ نے مراتب دلیل بیان کئے کہ (۱) قطعی الثبوت قطعی الدلالة۔ (۲) ظنی الثبوت ظنی الدلالة۔ (۳) ظنی الثبوت قطعی الدلالة۔ (۳) ظنی الثبوت ظنی الدلالة۔ یہ چار قسم کے دلائل ہوتے ہیں اب فرض کا مرتبہ اول سے ثابت ہوتا ہے اور اس کا منکر کافر ہوتا ہے اور واجب کا مرتبہ ظنی الثبوت اور ظنی الدلالة سے ثابت ہوتا ہے اور اس کا منکر کافر نہیں ہوتا پھر یوسف آپ کے شاگرد بن گئے اور بعد میں بڑے فقیہ بنے۔

ایک اور واقعہ نقل کیا جاتا ہے کہ ایک آدمی امام ابوحنیفہؒ کے پاس آیا اور کہا کہ نماز میں کتنی ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ پانچ ہیں پھر اس نے کہا کہ وتر کا کیا حکم ہے؟ آپ نے کہا کہ فرض ہے پھر کہا کہ نماز میں کتنی ہیں؟ جواب دیا پانچ ہیں۔ وہ شخص ناراض ہو کر جانے لگا اور کہا کہ انک لا تحصى الحساب وراصل وہ امام صاحب کا مطلب نہیں سمجھا مطلب یہ تھا کہ وتر فرض عملی ہے فرض اعتقادی نہیں اور ایسے ہی وتر کوئی مستقل نماز نہیں ہے بلکہ عشاء کے تابع ہے۔

علامہ شوکانی کا قول ہے کہ اس حدیث سے وتر کے عدم وجوب پر استدلال درست نہیں کیونکہ یہ سن ۵ ہجری کا واقعہ ہے ممکن ہے کہ اس وقت تک وجوب وتر کا حکم نازل نہ ہوا ہو اور احناف کہتے ہیں کہ ایسے تو شوافع پر اشکال ہوتا ہے کہ وہ صدقۃ الفطر کو فرض قرار دیتے ہیں حالانکہ اس حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

احناف پر دوسرا اشکال:

ہمارے ہاں قاعدہ ہے کہ لزوم النفل بالشروع اور اگر نفل کو توڑ دیا تو اس کی قضاء لازم ہے لہذا احناف پر اشکال ہے کہ نفل کو لازم قرار دیا ہے۔

جواب:

(۱) اس حدیث سے احناف کے خلاف استدلال درست نہیں خصوصاً جب الا ان تطوع میں استثناء متصل مان لیں تو مطلب ہوگا لیس علیک فرض الا ان تطوع تو اب یہ استناف کی دلیل بن جاتی ہے۔

(۲) اور ایسے ہی احناف عمرہ نفل اور حج نفل پر قیاس کرتے ہیں کہ عمرہ اور حج توڑنے سے تو سب کے ہاں قضاء ہے لہذا تمام بدنی اعمال میں قضاء ہوگی اور روزہ کے بارے میں تو نص وارد ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے نفل توڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اقضیا یوماً مکانہ"

اور حضرت ام ہانیٰ کی جو حدیث ہے الصائم المتطوع امیر نفسه ان شاء صام وان شاء افطر تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت کی بناء پر روزہ توڑنا جائز ہے لیکن اس حدیث میں قضاء کرنے اور نہ کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کے بعد حدیث میں صوم اور زکوٰۃ کا ذکر ہے۔

فأدبر الرجل وهو يقول لا ازید علی هذا ولا أنقص فقال أفلح إن صدق.....

یہاں پر مشہور اشکال ہوتا ہے کہ اس آدمی نے زیادہ کی نفی کی ہے اور پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاح کی بشارت دی ہے اس کے جواب میں مختلف توجیہات ہیں:

(۱) مطلب یہ ہے کہ لا ازید علی هذا من نفسه.

(۲) یہ بات بطور تبلیغ کہی ہے کہ میں اپنی نوم کو اس سے کم یا زیادہ نہیں بتاؤں گا بلکہ بعینہ یہی باتیں بتاؤں گا۔

(۳) اس سے مقصد صرف کمی کی نفی ہے جیسے کہ کوئی دوکاندار سے کہتا ہے کہ قیمت میں کمی بیشی نہیں ہوگی اور ایسے ہی تو لے والے سے کہا جاتا ہے کہ تو لے میں کمی بیشی نہیں کرو حالانکہ اس سے مقصد صرف کمی کی نفی ہے۔

اشکال:

اس حدیث میں سنن روا تب اور نوافل کو ترک کرنے کا ذکر ہے۔

جواب:

یہ اس آدمی کی خصوصیت تھی جیسے کہ ایک آدمی کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سال سے کم عمر کے بکرے کی قربانی جائز قرار دی تھی اور فرمایا تھا کہ یہ حکم صرف تمہارے لئے ہے اور اسی طرح ایک صحابی کیلئے روزے کا کفارہ خود کھانے کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ یہ صرف تمہارے لئے ہے۔

باب اتباع الجنائز من الایمان

حدثنا احمد بن عبد الله عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من اتبع جنازة مسلم ايماناً واحتساباً و كان معه حتى یصلی علیہ و یفرغ من دفنها فانه یرجع من الاجر بقیر اطمین. تابعه عثمان المؤذن، حدثنا عوف عن محمد عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ فائدہ:

یہ شعب ایمان میں سے سب سے آخری شعبہ ہے اور بعد میں اداء الخمس کا بیان ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کو سب سے آخر میں اس لئے ذکر کیا کہ دنیا میں آدمی کی زندگی کا آخری عمل جنازہ ہوتا ہے اور اداء الخمس جو اس کے بعد بیان ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب غزوہ یا جہاد ہوتا ہے تو ترتیب یوں ہوتی ہے کہ اولاً شہداء کی تدفین ہوتی ہے پھر غنائم کی تقسیم لہذا پہلے جنازے کا باب لائے ہیں پھر اداء الخمس کا باب بعد میں لائیں گے۔ ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) بنی الاسلام علی خمس سے پیدا شدہ حصر کے اشتباہ کا دفع مقصود ہے۔

(۲) شعب ایمان میں سے ایک شعبے کا بیان ہے۔

(۳) ترکیب ایمان اور جزئیات اعمال من الایمان کا ثبوت مقصود ہے کہ اتباع جنازہ

ایمان میں شامل ہے اس سے ترکیب ایمان اور جزئیات اعمال کا ثبوت ہوتا ہے۔

(۴) مرجیہ کاردار اور افادۃ الاعمال کا ثبوت مقصود ہے۔

من اتبع جنازة مسلم ايماناً واحتساباً.....

ایماناً و احتساباً کی قید کی تفصیل گزر چکی ہے۔ فلیراجع
مشی مع الجنازہ میں اختلاف:

اس میں اختلاف ہے کہ مشی خلفاً ہو یا اماً ہو یا حلقہ بنا کر اردگرد مشی ہو۔
تو حضرت امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مشی خلف الجنازہ مطلقاً افضل ہے چاہے ماشی
ہو یا راکب۔

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ اماً ماشی افضل ہے چاہے راکب ہو یا ماشی۔
حضرت امام مالک اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ماشی کیلئے آگے چلنا افضل ہے
اور راکب کیلئے پیچھے چلنا افضل ہے۔

سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ خلفاً، اماً حلقہ سب فضل میں برابر ہیں۔
یہ اختلاف صرف افضلیت اور اولویت کا ہے ورنہ تمام صورتیں سب کے ہاں جائز
ہیں۔

یہاں پرا تبع کا لفظ ہے جس سے امام صاحب کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اتباع خلفاً چلنے کو
کہتے ہیں۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی
جنازے کے آگے نہیں چلے اور اسی طرح الجنازة متبوعہ بھی وارد ہے اور ایسے ہی حضرت علی
رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ایک جنازے کے پیچھے چل رہے تھے تو
ایک ساتھی نے کہا کہ آپ نے جنازے کے پیچھے چلنے کا حکم دیا ہے اور جو لوگ آگے چلتے ہیں
وہ گویا جنازے کے ساتھ نہیں اس آدمی نے پوچھا کہ حضرت عمر اور حضرت ابو بکر (رضی اللہ
عنہما) تو آگے چل رہے ہیں؟ تو فرمایا کہ انہما لیعلمان ما اعرف لیکن ویولوگوں کو
مشقت سے بچانے کیلئے آگے چلتے ہیں۔

وکان معہ حتی یصلی علیہ ویفرغ.....

یصلی بفرغ کو معروف اور مجہول دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

فانہ یرجع من الاجر بقیراطین.....

یہ قیراط کا تثنیہ ہے نصف دانق کو کہتے ہیں اور عمدة القاری میں (۱) دینار کا بیسواں

حصہ اور (۲) چوبیسواں حصہ لکھا ہے۔ لیکن یہاں قیراط سے کل قیراط مثل احد کا معنی ہے اور کلب والی روایت میں قیراط کا اصلی معنی مراد ہے کیونکہ ثواب میں زیادہ سے زیادہ مراد ہوتا ہے اور عقاب و عذاب میں کم سے کم مراد ہوتا ہے۔

تابعہ عثمان المؤمنون.....

متابعت کا فائدہ:

(۱) پہلے عنعنہ تھا اس میں تحدیث کی صراحت ہے۔

(۲) اس حدیث کو اصلۃً نہیں لائے کیونکہ روح زیادہ ثقہ ہے عثمان المؤمنون سے

باب خوف المؤمن ان یحبط عمله وهو لا یشعر

وقال التیمی: ما عرضت قولی علی عملی الا خشیت ان اكون مکذّباً۔

وقال ابن ابی ملیکۃ ادرکت ثلاثین من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلہم ینخاف النفاق علی نفسہ۔ ما منہم احد یقول انه علی ایمان جبریل۔ ویذکر عن الحسن ما خافہ المؤمن وما امنہ الا منافق۔ وما یحذر من الاضرار علی التقاتل والعصیان الخ

حدثنا محمد بن عرعرة، حدثني عبد الله ان النبي صلى الله عليه وسلم

قال سباب المؤمن فسوق وقتاله كفر

حدثنا قتيبة اخبرني عبادة بن الصامت ان النبي صلى الله عليه وسلم خرج

ينخبر ليلة القدر فتلاخي رجلا من المسلمين. الحديث

ما قبل سے ربط:

مناسبت یہ ہے کہ ما قبل میں من اتبع جنازة مسلم ايمانا واحسابا کا ذکر ہے اور یہاں

اشارہ ہے کہ بعض دفعہ آدمی بڑا عمل کرتا ہے اور بڑے ثواب کی امید رکھتا ہے لیکن بعض

اوقات کوئی ایسا عارض پیش آجاتا ہے کہ آدمی ثواب سے محروم ہو جاتا ہے۔ لہذا خیال رکھنا

چاہئے کہ کوئی ایسا عارضہ پیش نہ آجائے کہ جس سے ثواب سے ہی محرومی ہو جائے۔

ترجمہ الباب کا مقصد:

حافظ فرماتے ہیں کہ یہ باب از اول تا آخر مرجیہ پر رد کرنے کیلئے قائم کیا ہے پچھلے ابواب میں صرف مرجیہ پر رد نہیں تھا لیکن چونکہ اس میں مرجیہ کے نام کی تصریح ہے اس لئے صرف اور صرف مرجیہ کا رد ہے۔

حضرت شیخ الحدیث فرماتے ہیں کہ ترجمہ الباب کے الفاظ سے امام بخاری نے ایک اور مختلف فیہ مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر کوئی لاشعوری طور پر کلمہ کفر ادا کرے تو کافر ہوگا یا نہیں؟ اس میں چند اقوال ہیں:

امام نوویؒ کے ہاں یہ آدمی کافر نہیں ہوگا۔ جمہور علماء کے ہاں یہ آدمی کافر ہو جائے گا اور اس پر تجدید ایمان لازم ہوگی اور ان الفاظ سے جمہور کی تائید ہوتی ہے۔
اشکال:

ان یحبط عملہ سے بظاہر معتزلہ کی تائید ہوتی ہے کیونکہ ان کے ہاں ارتکاب معاصی سے سارے اعمال حبط ہو جاتے ہیں نیز اس سے احباطیہ کی تائید ہوتی ہے۔
جواب:

امام بخاریؒ کا مقصد احباطیہ کی تائید کرنا نہیں ہے کیونکہ کہیں بھی اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ ارتکاب کبیرہ سے حبط عمل ہو جائے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ مؤمن کو ہر وقت اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ کوئی فعل کفر یا قول کفر صادر نہ ہو جائے کہ جس سے عمل ہی حبط ہو جائے۔

حبط اعمال کی اقسام:

حبط کی دو صورتیں ہیں:

(۱) وہ حبط جس کے قائل معتزلہ ہیں۔

(۲) وہ جس کے قائل اہل سنت ہیں۔ کہ اگر مؤمن صنم کو سجدہ کرے یا کلمہ کفر کہے تو

سب کے ہاں حبط عمل ہوگا کیونکہ یہ کفر ہے اور کفر سے حبط عمل ہوتا ہے۔ اگر قیامت میں انسان کا عمل کم ہو تو دو صورتیں ہیں:

(۱) یا تو اللہ جل شانہ اپنے فضل سے جنت کا فیصلہ کر دیں۔

(۲) یا یہ کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں کہ جاؤ اپنی سزا بھگتو اور سزا کے بعد جنت میں جاؤ تو جب تک یہ جہنم میں رہے گا تب تک اس کے اعمال ضبط ہیں۔

ترجمہ الباب کے الفاظ ماخوذ ہیں ”ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون“
والی آیت سے

قال التیمی ماعرضت قولی علی عملی.....

ابراہیمؓ بہت ہی بزرگ تابعی تھے اور واعظ بھی تھے۔ کہتے ہیں کہ میں جب اپنا قول اپنے عمل پر پیش کرتا ہوں تو خود کو جھوٹا تصور کرتا ہوں۔ مکذبا کو اسم فاعل اور مفعول دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ فاعل کی صورت میں مطلب یہ ہے کہ مجھے خوف ہوتا ہے کہ اپنے عمل سے اپنے قول کی تکذیب کرنے والا ہوں کیونکہ خود تو وعظ کرتا ہوں لیکن اپنا عمل اپنے قول کے خلاف ہے یا یہ کہ میں اپنے عمل سے دین کی تکذیب کرنے والا ہوں۔

اور مفعول کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ میرے عمل کی وجہ سے لوگ میری تکذیب کریں گے۔

ترجمہ الباب کے دو جزء ہیں:

(۱) خوف المؤمن ان یحبط عمله الخ

(۲) وما یحذر من الاصرار الخ

یہ جملہ پہلے جملے کے ساتھ متعلق ہے۔ یعنی یہی مؤمن کی شان ہے کہ اس کو ہر وقت ضبط عمل کا خوف رہے۔

ادرکت ثلاثین من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلہم

ینحاف النفاق.....

خوف نفاق کا مطلب نفاق عملی ہے نہ کہ اعتقادی کیونکہ اعتقادی نفاق کا علم آدمی کو ہوتا ہے اور نفاق عملی کی صورت میں آدمی خوش فہمی میں مبتلا رہتا ہے۔

ابن بطال نے لکھا ہے کہ صحابہ کو اللہ تعالیٰ نے طویل زندگی دی تھی اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دین کے اندر تغیرات دیکھے لیکن یہ حضرات نہ زبان سے

قدرت رکھتے تھے اور نہ ہاتھ سے روکنے کی طاقت تھی اس لئے ان کو خوف ہوا کہ یہ عدم قدرت مدہشت کی وجہ سے تو نہیں ہے؟

ما منهم احد انه على ايمان جبريل وميكائيل.....

کیونکہ فرشتوں کا ایمان شہودی ہے اور ہمارا ایمان شہودی نہیں ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں یہ امام صاحب پر تعریض ہے کیونکہ امام صاحب سے منقول ہے کہ ”ایمانی کا ایمان جبریل“ تو اشکال ہے کہ صحابہ سے تو یہ منقول نہیں اور امام صاحب سے یہ نقل کیا گیا ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ (۱) امام بخاری کا مقصد تعریض نہیں ہے کیونکہ علامہ کرمائی، ابن بطل، حافظ، یعنی، قسطلانی اور امام نووی نے اس کی تصریح کی ہے۔

(۲) یہاں پر جبریل و میکائیل کا ذکر ہے لیکن امام صاحب سے کہیں میکائیل نقل نہیں کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ امام بخاری کا مقصد کسی ہم عصر پر تعریض ہو۔

”ایمانی کا ایمان جبریل“ کا مسئلہ:

امام صاحب سے اس میں چند اقوال منقول ہیں:

(۱) امام محمد سے روایت ہے کہ انی اکرہ ان یقول الرجل ایمانی کا ایمان جبریل

(۲) امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ جو یہ کہتا ہے وہ صاحب بدعت ہے۔

ملا علی قاری نے نقل کیا ہے کہ (۱) امام صاحب کا قول ہے کہ میں ایمانی کا ایمان

جبریل کا قائل ہوں لیکن ایمانی مثل ایمان جبریل کا قائل نہیں ہوں (۲) انی اکرہ ان یقول

الرجل ایمانی کا ایمان جبریل (۳) ایماننا مثل ایمان الملائكة لانا نؤمن بما يؤمن

عليه الملائكة

تطبیق بین الاقوال:

ابن کمال پاشا نے اس جملہ کی تشریح کیلئے مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے

کہ کاف مطلق تشبیہ اور فی الذات تشبیہ کیلئے ہے اور لفظ مثل تشبیہ فی الصفات کیلئے ہے لہذا

”ایمانی کا ایمان جبریل“ کہنا درست ہے کیونکہ نفس ایمان تو برابر ہے مؤمن بہ کے

اعتبار سے البتہ ایمانی مثل ایمان جبریل کہنا درست نہیں ہے کیونکہ فرشتوں کے ساتھ صفات

میں ہمارا ایمان برابر نہیں ہے کیونکہ ان کا ایمان شہودی ہے لیکن یہ نکتہ تو چونکہ علماء ہی جانتے ہیں عوام نہیں جانتے لہذا ان کیلئے کاف کا استعمال بھی مکروہ ہے بہر حال احتیاط اسی میں ہے کہ اس طرح کے جملے سے احتراز کیا جائے۔
اس اثر کا فائدہ:

اس اثر سے زیادت و نقصان ایمان کا ثبوت ہے کہ فرشتوں کا ایمان زیادہ ہے اور ہمارا ان کے مقابلے میں ناقص ہے۔

ماخافہ الامومن وما امنہ الخ

ضمیر کا مرجع (۱) یا تو اللہ کی ذات ہے اس صورت میں تو مفہوم درست ہے لیکن ما قبل سے مناسبت نہیں ہے۔

(۲) ضمیر لفظ نفاق کی طرف راجع ہے کہ مؤمن کو ہر وقت نفاق کا خوف رہتا ہے جبکہ منافق اس خوف سے مطمئن رہتا ہے۔
وما يحذر من الاصرار.....

یہ ترجمہ الباب کا دوسرا جزء ہے مطلب یہ ہے کہ اس باب میں اس بات سے ڈرایا جاتا مقصود ہے کہ گناہ پر بغیر توبہ کے مُصر نہ ہو جائے اور قرآن میں عدم اصرار کرنے والوں کی تعریف بیان کی گئی ہے، گناہ چاہے صغیر ہو یا کبیرہ کیونکہ اصرار علی الصغیرہ سے وہ کبیرہ بن جاتا ہے اور کبیرہ پر اصرار بھی ایمان سے محروم کر دیتا ہے لہذا گناہ کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر کا اثر ہے کہ ویل للمصرین الذین یصرون وہم یعلمون۔ البتہ گناہ کے بعد سچی توبہ کر لی جائے تو مُصر نہیں کہلائے گا اگرچہ دوبارہ گناہ کر لے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ما اصر من استغفر وان عاد فی الیوم سبعین مرۃ۔

حدیث: سألت ابا وائل عن المرجیۃ.....

مرجیۃ کے دو فریق ہیں:

(۱) اقرار و تصدیق کے قائل

(۲) فقط تصدیق قلب کے قائل

یہ دونوں فریق ہی ار جاء عمل کے قائل ہیں۔

سبب المسلم فسوق وقتاله کفر

ابو وائلؓ نے سائل کے جواب میں حدیث سنائی اس حدیث سے مطلب معصیت کا مضر ہونا ثابت کرنا ہے کیونکہ سبب کو فسوق اور قتال کو کفر قرار دیا گیا ہے۔ پھر محدثین نے یہاں دو باتیں ذکر کی ہیں:

(۱) تجیر میں فرق کیوں؟ کہ قتال کو کفر کہا اور سبب کو فسق حالانکہ دونوں کبیرہ ہیں۔

جواب یہ ہے کہ قتال کی شدت اور غلظت کے اظہار کیلئے ایسا کیا ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ذکر کی ہے کہ یہاں فسق سے مراد اہل سنت کی اصطلاح کا فسق

ہے معتزلہ کا فسق مراد نہیں ہے کہ پھر مخلد فی النار کا حکم لگایا جائے۔

وقتاله کفر.....

اشکال:

اس سے معتزلہ کی تائید ہوتی ہے کہ مرتکب کبیرہ خارج عن الایمان ہے۔

جواب:

اس کفر سے اس کی حقیقت مراد نہیں ہے بلکہ تاویل کی جائے گی۔

(۱) هذا عمل الکفار وان لم یُکفر کیونکہ مسلمانوں سے تو کافر لڑتے ہیں

مسلمان نہیں لڑتے

(۲) هذا ینول الی الکفر یعنی اس عمل پر اصرار کفر کی طرف لے جاتا ہے اور اس

کی نحوست دل میں بیٹھ جاتی ہے چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ المعاصی یزید الکفر.

(۳) کفر سے لغوی کفر مراد ہے کہ ایمان کا تقاضا تو عدم قتال کا تھا لیکن اس نے ایمان

کے احسان کو چھپا دیا ورنہ محض قتال سے آدمی کافر نہیں ہوتا لقولہ تعالیٰ: وان طانفتان

من المؤمنین اقتتلوا الخ

(۴) اگر ارتکاب کبیرہ سے خروج عن الایمان لازم ہوتا تو سبب کو بھی کفر قرار دیا جاتا

کیونکہ سبب بھی کبیرہ ہے لیکن سبب کو کفر نہیں کہا تو معلوم ہوا کہ کبیرہ سے خروج عن الایمان لازم نہیں آتا۔

الحديث الثاني: نخرج ينخبر عن ليلة القدر.....

(۱) روانقض کے ہاں لیلة القدر کی ذات اٹھالی گئی ہے جبکہ اہل سنت کے ہاں صرف تعین اٹھالی گئی ہے ذات نہیں۔

(۲) اس حدیث سے گناہ کی نحوست ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس کی وجہ سے لیلة القدر کی تعین اٹھالی گئی۔

عسى ان يكون خيراً.....

خیر اس طرح ہے کہ اگر لیلة القدر کی تعین ہو جاتی تو لوگ صرف ایک رات عبادت کرتے جبکہ عدم تعین میں بہت سی راتیں عبادت کریں گے اگرچہ تعین میں ضعفاء کو کچھ فائدہ ہو جاتا کہ وہ بھی لیلة القدر میں عبادت سے محروم نہ ہوتے۔

التمسوها في السبع والتسع والخمس.....

اس سے لیالی ماضی مراد ہیں کہ سبع سے ستائیسویں رات تسع سے اثنیسویں رات اور خمس سے پچیسویں رات مراد ہے۔

باب سؤال جبریل النبی ﷺ عن الایمان والاسلام والاحسان

حدثنا مسدد..... عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال قال کان النبی

صلی اللہ علیہ وسلم يوماً بارزاً للناس فأتاه رجل فقال ما الایمان؟..... ان تؤمن بالله وملائکته.....

یہ حدیث، حدیث جبریل کے نام سے شہور ہے اور اس کے ماقبل سے ربط کے بارے میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ گذشتہ باب میں خوف المؤمن ان یحبط ہے اور یہاں پر مؤمن کی تفسیر ہے۔

ترجمة الباب کا مقصد:

امام بخاری نے جو دعویٰ قائم کیا ہے کہ ایمان، اسلام اور دین متحد ہیں اور ان کا

مصدق ایک ہے تو یہاں پر حدیث جبریل سے امام بخاریؒ اپنے دعویٰ کی دلیل پیش کر رہے ہیں کیونکہ حدیث میں اسلام اور احسان کا ذکر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعلمکم دینکم فرما کر ان پر دین کا اطلاق کیا ہے اور اسی طرح آیت کریمہ ومن یتغ غیر الاسلام دیناً سے بھی اپنے لئے استدلال کیا ہے۔

سؤال جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم..... و بیان النبی لہ
لہ ضمیر میں اختلاف ہے، حافظ اور کرمائی کی رائے ہے کہ ضمیر ایمان، اسلام اور احسان کے پورے مجموعے کو راجع ہے ای و بیان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
الایمان و الاسلام الخ
جبکہ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ تکلف ہے بلکہ خود حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔

حافظ کی رائے پر خود حافظ نے اشکال نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم الساعۃ کے بیان کے جواب میں ”نہیں“ کہا ہے لہذا کس طرح مجموعہ کو ضمیر راجع ہو سکتی ہے کیونکہ مجموعہ کا بیان تو ہوا ہی نہیں۔

جواب (۱) چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر اشیاء کا بیان کر دیا و لاکثر حکم

الکل

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم الساعۃ کے سوال کا بھی جواب دیا ہے اس طرح کے اس کا علم اللہ تعالیٰ کے حوالے کیا ہے کہ ”ما المسنول عنها بأعلم من السائل“
ثم قال جاء جبریل.....

اپنے دعویٰ پر امام بخاریؒ اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے ایمان، اسلام اور احسان وغیرہ کا سوال کیا ان کے جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”ہذا جبریل جاء بعلمکم دینکم“ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان، اسلام اور احسان کو دین قرار دیا ہے جس سے اتحاد مستفاد ہوتا ہے۔

وما بین النبی صلی اللہ علیہ وسلم لوفد عبد القیس.....
اس واقعہ میں منقول ہے کہ وفد نے ایمان کا پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعینہ

یہی امور ذکر کئے جو یہاں اسلام کی تفسیر میں ذکر کئے جس سے ایمان اور اسلام کا ترادف ثابت ہوتا ہے تو جو چیز ان دونوں میں سے ایک کا جزء ہوگی وہ دوسرے کا جزء بھی ہوگی۔

ومن یتبع غیر الاسلام دیناً.....

یہاں اسلام پر دین کا اطلاق ہوا ہے جس سے اسلام اور دین کے اندر ترادف ثابت ہوتا ہے۔ کہ جو چیز ایک کا جزء ہوگی وہ خود بخود دوسرے کا جزء بھی ہوگی۔

اشکال:

کیا یہ تینوں اسلام، ایمان اور دین حقیقت لغویہ کے اعتبار سے واقعاً ایک ہیں یا صرف توسع فی الاستعمال کی بناء پر ایک دوسرے پر اطلاق ہوتا ہے اور حقیقت میں مختلف ہیں؟

جواب:

حافظ فرماتے ہیں ان کی حقیقت لغویہ مختلف ہے اور اسی طرح حقیقت شرعیہ بھی مختلف ہے جیسا کہ حدیث جبریل سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ایمان کے جواب میں اعتقادات کا ذکر ہے اور اسلام کے جواب میں عبادات کا ذکر ہے لہذا فقط توسع فی الاستعمال کی وجہ سے ایک دوسرے پر اطلاق ہوتا ہے اور اس طرح توسع فی الاستعمال کے طور پر تو احناف بھی ایک دوسرے پر اطلاق کے قائل ہیں۔

كان النبي صلى الله عليه وسلم يوماً بارزاً للناس.....

امام قرطبی کے حوالے سے حافظ اور علامہ عینی نے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث ام السنہ ہے کہ جتنی باتیں تمام احادیث میں تفصیلاً ذکر کی گئی ہیں وہ یہاں پر اجمالاً ذکر ہیں اور اسی طرح علامہ تمیمی کا قول ہے کہ یہ حدیث جامع ہے تمام احکام و دینیہ کو چاہے اعتقادات ہوں یا عملیات، کیونکہ حدیث میں اعتقادات اور عملیات دونوں کا ذکر ہے تو یہ حدیث تمام احادیث کیلئے ایسی ہے جیسے کہ قرآن کیلئے سورۃ الفاتحہ

یوماً بارزاً للناس.....

حافظ نے تفصیل بیان کی ہے کہ ابتداء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے

ساتھ گھل مل کر بغیر امتیاز کے بیٹھتے تھے تو باہر سے آنے والے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان نہیں ہوتی تھی اور اس کو پوچھنا پڑتا کہ ایکم محمد؟ بعد میں صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کیلئے مجلس میں ایک چبوترہ بنا دیتے ہیں تاکہ باہر سے آنے والا آپ کو پہچان سکے۔ تو اس حدیث کا مطلب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس چبوترے پر بیٹھے ہوئے تھے۔

حدیث سے استدلال:

اسی سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ معلم کیلئے اونچے مقام پر بیٹھنا جائز ہے۔

فاتاہ رجل.....

یہاں پر رجل نکرہ ہے اور بعض طرق میں رجل کے ساتھ کچھ صفات کا بھی ذکر ہے جیسے نسائی میں احسن الناس وجہاً اور اطیب الناس ریحاً، لایفس ثیابہ دنس السفر اور مسلم میں شدید بیاض الثوب شدید سواد الشعر، لا يعرفه احد منا و یہ رواۃ کا تصرف ہے۔

ما الايمان.....

یہاں پر اجمال ہے جبکہ بعض روایات میں ہے کہ وہ آنے کے بعد لوگوں کی گردنیں پھیلاکتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آگیا اسی طرح بعض روایات میں آیا ہے کہ ”فاسند رکتیہ الی رکتیہ و وضع یدیہ علی فخذیہ“

”فخذیہ“ میں ضمیر کس کی طرف راجع ہے؟

(۱) جبریل کی طرف راجع ہے یعنی دوزانو تشہد کی طرح بیٹھ گیا۔

(۲) ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے کیونکہ بعض روایات میں علی

فخذی النبی منقول ہے۔

فائدہ:

گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کی مندرجہ ذیل وجوہات تھیں:

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ حاصل کرنے کیلئے

(۲) اپنے آپ کو لا علم ظاہر کرنے کیلئے تاکہ کوئی پہچان نہ لے یعنی تعیہ مقصود تھا۔ اسی طرح بعض روایات میں سلام کا ذکر ہے اور بعض میں نہیں جہاں سلام کا ذکر نہیں

اس کی وجوہ:

(۱) عدم وجوب کے بیان کیلئے

(۲) یہاں بھی تعیہ مقصود تھا۔

لیکن راجح یہ ہے کہ سلام کیا تھا۔ بعض میں یا محمد! بعض میں یا نبی اللہ! اور بعض میں مطلقاً سلام کا ذکر ہے اور بعض روایات میں رجل شاب آیا ہے۔

علم کے آداب:

اس حدیث مبارک سے علماء نے حصول علم کیلئے چند اصول و آداب نکالے ہیں مثلاً (۱) جوانی کی عمر میں علم حاصل کرنا جبکہ قوت مدرکہ اور قوت عاقلہ پوری طرح موجود

ہو۔

(۲) دوزانو بیٹھنا

(۳) معلم کی توجہ حاصل کرنا

(۴) سفید لباس یعنی صاف ستھرا رہنا

ما الايمان.....

ما کے ساتھ سوال عن حقیقة الشی بہوتا ہے یہاں حقیقت ایمان کا سوال ہے جواب

میں ”ان تو من“ ہے تو اس مقام پر دو اشکالات وارد ہوتے ہیں:

اشکال اول:

جواب میں هو التصدیق کہنا چاہئے تھا کیونکہ ایمان کی حقیقت یہی ہے اور ”ان

تو من باللہ“ وغیرہ ایمان کے متعلقات ہیں۔

جواب:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ سائل عربی جانتا ہے لہذا ایمان کی حقیقت سے واقف

ہے اور صحابہ بھی چونکہ عرب تھے اور حقیقت ایمان سے واقف تھے تو اگرچہ سوال ”ما“ کے

ساتھ ہے لیکن حقیقت ایمان کے بارے میں نہیں ہے بلکہ متعلقات ایمان کے بارے میں ہے۔

اشکال ثانی:

”ان تؤمن“ میں ”ان“ مصدر یہ ہے اور یہ اپنے مدخول کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے تو یہاں سوال بھی ”ایمان“ سے ہے اور جواب میں بھی ”ان تؤمن“ یعنی ”الایمان“ ہے لہذا یہ اخذ الحمد و دنی الحمد ہے اور معرف کا تعریف میں داخل ہوتا ہے۔
جواب:

(۱) حافظ اور علامہ عینی نے امام نووی سے نقل کیا ہے کہ ”تؤمن“ کا معنی ”تصدق“ ہے لہذا اس صورت میں اشکال دفع ہو جاتا ہے اور سوال میں ایمان سے لغوی معنی مراد ہے۔

(۲) ایمان بمعنی اعتراف ہے تو معنی یہ کہ ایمان یہ ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کا اعتراف کرو“
وملائکته.....

ایمان بالملائکۃ کا مطلب:

(۱) یہ کہ اللہ کی مخلوق ہیں بنات اللہ نہیں ہے

(۲) یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے

ملک کی تعداد:

نصوص سے ثابت نہیں البتہ ان میں سے مشہور چار ہیں۔ (۱) جبریل علیہ السلام
(۲) میکائیل علیہ السلام (۳) اسرافیل علیہ السلام (۴) عزرائیل علیہ السلام۔
وبلقائہ.....

ای لقاء اللہ، لقاء سے مراد کیا ہے؟ کیونکہ یہ تؤمن بالبعث میں داخل ہے لہذا الگ سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

(۱) حافظ فرماتے ہیں کہ لقاء سے مراد قبر سے اٹھنا اور بعث سے مراد احوال قیامت

ہیں۔

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بعث سے مراد قبر سے اٹھنا اور لقاء سے مراد وزن

انما ہے۔

(۳) علامہ خطابی کا قول ہے کہ لقاء سے رویت مراد ہے اور بعث سے احوال قیامت

اور قبر سے اٹھنا۔

اشکال:

نووی کا قول ہے کہ اس سے تو ہر ایک رویت کا ثبوت ہوتا ہے اور یہ باطل ہے۔ حافظ

نے اس کا رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ رویت پر ایمان رکھنا ضروری ہے البتہ یہ الگ مسئلہ ہے

کہ رویت کس کو ہوگی اور کس کو نہیں ہوگی۔

رویت الہی کا مسئلہ:

اہل سنت کے ہاں رویت دنیا میں ممکن ہے لیکن واقع نہیں ہے اور قیامت میں واقع

بھی ہوگی اور قیامت میں واقع بھی ہوگی۔

دلائل:

ارشاد خداوندی ہے: وجوة يؤمنذناصرة الى ربها ناظرة

اور للذين احسنوا الحسنی و زیادۃ اور اسی طرح ولدینا مزید

اور یحییٰ بن معین کے قول کے مطابق ۱۱ احادیث صحیحہ رویت کے بارے میں منقول

ہیں، نووی نے ۲۰ جبکہ بعض نے ۲۱ اور بعض نے ۱۳۸ احادیث لکھی ہیں "ہادی الارواح

الی بلاد الافراح" میں ۱۳۰ احادیث نقل کی گئی ہیں۔

معتزلہ کا مذہب:

ان کے ہاں رویت باری تعالیٰ آخرت میں بھی نہیں ہوگی بدلیل "لاتدرکہ الابصار

الغ"

جواب:

(۱) ادراک کا معنی احاطہ ہے اور احاطہ تو باری تعالیٰ کا ممکن ہی نہیں البتہ رویت الگ

چیز ہے۔

(۲) امام نووی نے لکھا ہے کہ ”لاتدرکہ الابصار“ کا تعلق دنیا سے ہے۔ معززہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ”ارنا اللہ“ کا سوال کیا لیکن ان پر عذاب آیا جیسا کہ ارشاد ہے: ”فأخذتهم الصاعقة“ اگر روایت کا سوال ممکن تھا تو ان کو عذاب کیوں دیا گیا؟ ان کے عذاب دیئے جانے سے معلوم ہوا کہ روایت کا سوال ہی سرے سے غیر معقول ہے۔

جواب:

یہ عذاب ان کو عناد کی وجہ سے دیا گیا سوال کی وجہ سے نہیں اگر سوال ممکن نہ تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود کیوں روایت کا سوال کیا؟ اور جب اللہ تعالیٰ نے تعلق بالممكن کے طور پر فرمایا ”ولكن انظر الى الجبل فان استقر مكانه فسوف ترانى“ اور یہ استقر ارجل ممکن تھا لہذا معلوم ہوا کہ روایت الہی دنیا میں ممکن ہے لیکن آنکھوں میں برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے۔

معززہ کی تیسری اور عقلی دلیل یہ ہے کہ روایت تب ہوگی کہ جب دونوں (رائی اور مرئی) کے درمیان ایک فاصلہ ہو اور دونوں قریب ہوں اور اس صورت میں اللہ تعالیٰ کیلئے مکان ثابت ہوگا اور یہ باطل ہے۔

جواب:

یہ صورت دنیا اور ممکنات کے ساتھ خاص ہے اور آخرت میں باری تعالیٰ بغیر مکان کے روایت کرانے پر قادر ہیں لہذا اس عالم کو عالم آخرت پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

ورسلہ.....

تعداد رسل تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ ۳۱۳ یا ۳۱۵ رسل اور باقی انبیاء ہیں لیکن اس بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے لہذا اہل سنت کے ہاں ایمان بالرسل لازمی ہے البتہ تعداد کی تعیین نہ کرے۔

بعث بعد الموت.....

موت کے بعد صور اسرافیل سے حساب و کتاب کیلئے قبر سے اٹھائے جانے کا عقیدہ

رکھنا، تمام مذاہب ساویہ بعث بعد الموت کے عقیدے پر متفق ہیں۔

تؤمن بالقدر.....

بعض روایات میں یہ بھی ہے، مطلب یہ ہے کہ خیر اور شر من جانب اللہ ہے۔
 قدر کا معنی اندازہ ہے یعنی تمام اشیاء وقوع سے پہلے اللہ تعالیٰ کے علم میں تھیں اور یہ
 قدر ہے اور اس اندازے کے مطابق اشیاء کو وجود دینا قضاء ہے گویا قضاء اور قدر کا تعلق علم
 اور قدرت سے ہے۔

نوٹ:

صحابہ کے آخری دور میں قدر یہ فرقہ نکلا، جو قدر کے منکر تھے ان کا رہنما معبد جہنی تھا۔

ما الاسلام..... ان تعبد الله كأنك تراه.....

اس کا معنی ہے کہ ان تو وحد اللہ کیونکہ آگے اقيموا الصلوة کا عطف اس پر ہے۔

و بصوم رمضان.....

رمضان کا استعمال بغیر اضافت بھی درست ہے اور اضافت کے ساتھ بھی درست

ہے۔

اشکال:

اس حدیث میں حج کا ذکر نہیں۔

جواب:

اس وقت تک حج فرض نہیں تھا۔ لیکن یہ بات غلط ہے کیونکہ یہ واقعہ بالکل آخری عمر
 میں حجۃ الوداع کے بعد واقع ہوا ہے۔ تو اصل جواب یہ ہے کہ راوی سے حج چھوٹ گیا ہے
 ورنہ حج کا ذکر تھا۔

ما الاحسان.....

یہ اگر بغیر حرف جر کے متعدی ہو تو بمعنی احکام اور اتقان آتا ہے۔ اور اگر احسن الیہ
 آجائے تو معنی ہوگا ایصال النفع الی الغیر یہاں اول معنی مراد ہے۔ احسان دو قسم پر ہے:
 (۱) ظاہری (۲) باطنی،

احسان ظاہری کی پھر دو قسمیں ہیں: (۱) فرائض و واجبات پر دوام اختیار کرنا
(۲) سنن و مستحبات کی رعایت رکھنا
احسان معنوی:

بغیر ریاء کے خلوص کے ساتھ عبادت کرنا اس کے دو مرتبے ہیں:

(۱) مقام مراقبہ، (۲) مقام مشاہدہ

مراقبہ میں انسان تصور کرے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اور مقام مشاہدہ میں انسان خود
دل کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے۔ تو گویا کائنات تراہ میں مقام مشاہدہ مراد ہے اور
اگر کسی کو یہ حاصل نہیں ہے تو مقام مراقبہ تو حاصل کرے اور یہی احسان کا مطلب ہے۔

ما المستول عنها بأعلم من السائل.....

جواب میں لا ادری نہیں فرمایا تا کہ اس شبہ کو ختم کیا جاسکے کہ شاید کوئی اور انسان تعین
قیامت کے بارے میں جانتا ہو۔

اذا ولدت الامة ربتها.....

(۱) اس سے مراد اولاد کا نافرمان ہونا ہے کہ اولاد ماں کے ساتھ ایسا سلوک کرے
جیسا کہ باندیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ حافظ نے اسی صورت کو بہتر قرار دیا ہے۔
(۲) لوگوں کے جہل کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ لوگ ام ولدہ کو فروخت کریں گے اور
یہ ہوتے ہوتے اپنے بیٹے کے ہاتھ میں آجائے گی تو وہ اس کے ساتھ باندیوں جیسا سلوک
کرے گا۔

اذا تناول رعاة الابل البهم.....

اگر البہم کو مرنوع پڑھیں تو یہ رعاة کی صفت ہوگی۔ اور اگر مجرور پڑھیں تو ابل کی
صفت ہوگی۔

جعل ذلك كله من الايمان.....

اپنے دعویٰ پر استدلال کرنے کیلئے امام بخاری نے یہ جملہ ارشاد فرمایا ہے کہ نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام، احسان وغیرہ کو ایمان میں شمار فرمایا ہے۔

باب (بلا عنوان)

عن سفیان ان هرقل قال له سألتك هل يزيدون ام ينقصون

یہ حدیث پہلے مفصل گزر چکی ہے۔

حافظ ابن حجر امام نووی کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ یہاں پر دو نسخے ہیں:

(۱) وہ نسخہ جس میں باب کا لفظ نہیں ہے۔ تو گویا یہ حدیث سوال جبریل کے باب کے

تحت مذکور ہے۔ لیکن اشکال ہوتا ہے کہ باب کے ساتھ بظاہر حدیث کی مناسبت نہیں ہے۔

(۲) وہ نسخہ جس میں باب کا لفظ موجود ہے لیکن اس پر بھی اشکال ہوتا ہے کیونکہ باب

بلا ترجمہ کا لفصل من الباب السابق ہوتا ہے اور سابق سے مناسب ہوتا ہے لیکن یہاں

مناسبت نہیں ہے۔

جواب:

(۱) یہ باب کا لفصل من الباب السابق ہے اور مناسبت سابق سے ظاہر ہے کیونکہ

گذشتہ باب میں ایمان، اسلام اور دین کا ایک دوسرے پر اطلاق ہوا ہے اور یہ بتلایا گیا ہے

کہ ان اطلاقات میں توسیع ہے کیونکہ امام بخاری کے ہاں ترادف کا دعویٰ ہے اور اس دعویٰ

کا باب گذشتہ میں ثبوت ہو گیا لہذا حدیث ہرقل میں بھی اس دعویٰ کا ثبوت ہے کہ ایمان کا

اطلاق دین پر ہوا ہے لہذا مناسبت دونوں میں ظاہر ہے۔

(۲) الابواب والتراجم میں نقل کیا گیا ہے کہ یہ تضحید اذہان کیلئے ہے اور ترجمہ کو چھوڑ دیا

ہے یہ امام بخاری کی عادت ہے کہ باب بلا ترجمہ تضحید اذہان کیلئے لاتے ہیں کہ ہم نے اتنے

تراجم کئے ہیں، اب ہم حدیث لائے ہیں اس کے مناسب تم خود ترجمہ (عنوان) تلاش

کرو۔ لہذا اس حدیث کے مناسب عنوان حسب ذیل ہیں۔

(۱) من یهدی اللہ فلا مضل لہ یہ ترجمہ قرآن سے ماخوذ ہے۔

(۲) من یرد اللہ ان یہدیہ یشرح صدرہ للاسلام

(۳) باب بشاشة الايمان بھی مناسب ہے۔

(۴) تکثیر فوائد کیلئے باب کا عنوان چھوڑ دیا ہے بعض دفعہ کسی حدیث میں تین یا چار

فوائد ہوتے ہیں تو وہاں پر باب کا عنوان قائم نہیں کرتے کیونکہ اگر عنوان قائم کریں گے تو صرف ایک فائدہ کی طرف نگاہ مرکوز ہو جائے گی اور باقی فوائد کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوگا جبکہ عنوان ترک کرنے کی صورت میں تمام فوائد کی طرف ذہن منتقل ہو سکتا ہے۔

قال له هرقل هل يزيدون.....

بعض تحریکات کی بنیاد دھوکے پر ہوتی ہے لہذا بعد میں انکشاف ہونے پر لوگ اس تحریک کو چھوڑ دیتے ہیں لیکن دین کی تحریک ایمان کی بناء پر ہے لہذا اس میں لوگ بڑھتے ہیں۔

هل يرتد احد مسخطة لدينه.....

سرخطہ لدینہ کی قید اس لئے لگائی کہ دین کو چھوڑنے والے کئی قسم پر ہیں:

(۱) بعض لوگ دنیوی غرض سے دین میں داخل ہوتے ہیں لیکن غرض پوری ہونے پر دین کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس طرح دین کا چھوڑ دینا دین کی خرابی پر دال نہیں۔

(۲) بعض لوگ خالصہ کسی دین میں داخل ہو جاتے ہیں پھر غور و خوض کرنے کے بعد اس دین کو ناپسند جان لیتے ہیں اور اس کو چھوڑ دیتے ہیں یہ دین کی خرابی اور علت ہوتی ہے۔ تو یہاں اس قید کا فائدہ ہے کہ اگر کسی نے اسلام میں تدبر کر کے اس کی خامیوں سے بیزار ہو کر ارتداد اختیار کیا ہو تو پھر اس دین میں بھلائی نہیں ہے۔ لیکن اگر کسی نے مادی اغراض کی وجہ سے چھوڑا ہو تو یہ دین کا عیب نہیں۔

حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے کہ اس موقع پر بعض لوگ اسلام کو چھوڑ چکے تھے لیکن ان کا یہ ترک سرخطہ لدینہ نہیں تھا بلکہ اغراض دنیوی کے تحت تھا لہذا ان کو ذکر نہیں کیا۔

بشاشة الاسلام.....

مطلب یہ ہے کہ دین کو گوشت پوست میں داخل ہو جائے اور دین کی محبت دل میں بس جائے۔

اس حدیث میں اختصار ہے پہلے حدیث مفصل گذر چکی ہے۔ تو یہاں بحث یہ ہے کہ یہ اختصار کس نے کیا ہے؟

کرمائی اور قسطلانی کی رائے:

یہ اختصار امام بخاری کے استاذ ابراہیم نے کیا ہے اور امام بخاری نے ابو الیمان سے بدء الوحی میں تفصیلاً یہ حدیث نقل کی ہے۔

علامہ عینی کی رائے:

یہ بات غلط ہے کیونکہ آگے کتاب الجہاد میں امام بخاری اسی ابراہیم کی سند سے مکمل حدیث نقل کرتے ہیں لہذا یہاں اختصار خود امام بخاری نے کیا ہے۔

اختصار فی الحدیث کا مسئلہ:

اس میں چند اقوال ہیں:

(۱) مطلقاً جائز ہے۔

(۲) مطلقاً ناجائز ہے۔

(۳) اگر پہلے مکمل نقل کیا ہو تو پھر دوسری جگہ اختصار جائز ہے۔

جمہور کا قول:

اختصار جائز ہے مگر شرائط کے ساتھ

(۱) ایسا شخص اختصار کرے جو معانی الاحادیث سے واقف ہو۔

(۲) ایسا اختصار نہ کرے جس سے معنی میں خلل آتا ہو۔

(۳) آدمی ثقہ اور معتمد ہو کہ اختصار کے وقت لوگ اس پر بھول جانے یا ضعف حفظ کا

گمان نہ کریں۔

اشکال:

ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ یہ کالفصل من السابق ہے کیونکہ سابق میں بھی ایمان، دین اور اسلام میں ترادف ثابت ہوتا ہے اور یہاں بھی اس حدیث میں بھی ترادف ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اس پر اشکال ہوتا ہے کہ سابق میں ترادف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے ثابت ہوتا ہے جبکہ اس روایت میں ہرقل کے قول سے ثابت ہوتا ہے حالانکہ ہرقل کا قول قابل استدلال نہیں ہے۔

جواب:

(۱) یہ الفاظ تو ہر قیل کے ہیں لیکن بعد میں صحابہ نے ان الفاظ کو نقل کرتے ہوئے کوئی نکیر نہیں فرمائی گویا ان الفاظ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی توثیق حاصل ہے۔

(۲) ہر قیل چونکہ تورات اور انجیل کا عالم تھا تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شرائع من قبلنا میں ایمان اور دین مترادف ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ شرائع من قبلنا کے کسی حکم کے خلاف اگر ہماری شریعت میں نکیر نہیں ہے تو وہ قابل استدلال ہوتا ہے۔

(۳) ان الفاظ سے استدلال بطور محاورہ کے ہے کہ محاورہ میں ایمان اور دین کا ایک دوسرے پر اطلاق ہوتا ہے کسی شرعی مسئلہ کا ثبوت مقصود نہیں ہے۔

حضرت شیخ الہند کا قول:

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ پہلے یہ گزر چکا ہے کہ مؤمن کو ہر وقت حیط اعمال کو خوف رہنا چاہئے تو اس باب میں یہ تسلی مقصود ہے کہ حیط اعمال کا خوف اس وقت تک رہتا ہے جب تک بشائتہ الایمان حاصل نہ ہو لیکن جب بشائتہ الایمان حاصل ہو جائے تو پھر حیط اعمال نہیں ہوتا کیونکہ حیط ارتداد سے ہوتا ہے۔ اور ارتداد بعد از بشائتہ محال ہے۔ لیکن اس مقصد کا صراحتاً اظہار نہیں کیا لئلا یتکلم الناس۔

باب فضل من استبرأ لدينه

حدثنا ابو نعیم..... سمعت نعمان بن بشیر يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: الحلال بين والحرام بين وبينهما متشابهات لا يعلمها كثير من الناس فمن اتقى استبدأ لدينه و عرضه ومن وقع في الشبهات كراع يرعى حول الحمى. الحديث

ما قبل کے ساتھ مناسبت:

ما قبل میں ایک باب بلا عنوان ہے اور اس سے پہلے حدیث جبرائیل علیہ السلام ہے جس میں ایمان، احسان وغیرہ کے سوالات تھے اور اس حدیث میں حصول احسان کا طریقہ بتایا ہے کہ مشتبہات سے اجتناب کر کے آدمی احسان کے درجہ تک پہنچ سکتا ہے۔

ترجمہ الباب کا مقصد:

(۱) حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ مقصد یہ ہے کہ ورغ کلمات ایمان میں سے ہے کہ آدمی گناہ سے بھی بچے اور امور مشتبہات سے بھی بچے۔

(۲) حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مقصد زیادہ الا ایمان و نقصانہ کا ثبوت ہے۔ کیونکہ حدیث میں استبراً میں تو لوگ مختلف ہوتے ہی ہیں بعض میں استبراً زیادہ ہوتا ہے بعض میں متوسط اور بعض میں کم اسی طرح جو جتنا استبراً کرے گا وہ اتنا ہی احسان کے درجہ تک پہنچے گا۔

(۳) حصول احسان کا طریقہ بتلانا مقصد ہے کیونکہ پہلے ثابت ہوا کہ احسان مراتب ایمان میں سب سے اعلیٰ درجہ ہے تو یہاں اس اعلیٰ درجے کے حصول کا طریقہ بتلادیا۔

(۴) ضبط اعمال سے حفاظت کا طریقہ بتایا ہے کہ ضبط اعمال، قول کفر یا کبیرہ سے ہوتا ہے اور جب آدمی حرام بین اور مشتمہات سے اجتناب کرے گا تو ضبط اعمال سے محفوظ ہوگا۔

(۵) مرجیہ کا رد ہے سیأت مفسد ہیں اور طاعات مفید ہیں کیونکہ حدیث میں تو مشتبہات کا مضر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

الحلال بین والحرام بین.....

حافظ ابن حجر اور دیگر کا قول

مطلب یہ ہے کہ ایک وہ اعمال ہیں جن کا حکم دیا گیا ہے اور ترک پر وعید بھی شریعت نے ذکر کی ہے۔ یہ حلال بین ہیں اور ایک وہ اعمال ہیں جن سے منع کیا گیا ہے اور کرنے پر وعید ذکر ہے مثلاً شرب خمر پر یہ حرام بین ہیں اور وہ امور جو نہ قسم اول سے ہوں اور نہ قسم ثانی سے ہوں بلکہ درمیان میں ہوں تو یہ امور مشتبہ ہیں ان سے بھی اجتناب لازمی ہے۔

امام نووی کا قول:

ایک امور وہ ہیں جن کا حلال ہونا واضح ہے مثلاً پانی پینا کہ ہر خاص و عام اس کے حلال ہونے سے واقف ہے، یہ حلال بین ہے۔ ایک وہ امور جن کا حرام ہونا واضح ہو گیا مثلاً زنا، شرب خمر وغیرہ یہ حرام بین ہیں اور وہ امور جن کی حلت و حرمت سے ہر آدمی واقف

نہ ہو تعارض دلائل یا اختلاف کی وجہ سے تو یہ مشتبہات ہیں۔ ان سے اجتناب اعلیٰ درجہ کا ورع اور تقویٰ ہے۔

مشتبہات سے مراد:

(۱) وہ امور جن کا حکم واضح نہ ہو۔

(۲) علامہ مازریؒ کا قول ہے کہ اس سے مکروہات مراد ہیں۔

(۳) وہ مباحات مراد ہیں جن سے بچنا اور احتیاط کرنا اچھا ہے۔

(۴) اصح تر قول یہ ہے کہ وہ امور جن کے متعلق ادلہ متعارض ہوں اور اس تعارض

ادلہ کی وجہ سے ائمہ کرام کے اقوال میں اختلاف ہوا۔ اب اگر حلت کے قول پر عمل کیا جائے تو گنجائش ہے۔ لیکن ورع یہ ہے کہ اس امر کا ارتکاب بالکل نہ کیا جائے کیونکہ ممکن ہے کہ اجتہاد میں خطا واقع ہو۔

لا يعلمها كثير من الناس.....

خطابی نے لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امور مشتبہ میں اشتباہ ذات کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اضافی اشتباہ ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کے ہاں اشتباہ ہوتا ہے اور بعض کے ہاں اشتباہ نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔

مشتبہات کا حکم:

اس کے حکم میں اختلاف ہے لیکن یہ اختلاف بناء ہے ایک قاعدہ کے اختلاف پر وہ قاعدہ یہ ہے کہ اشیاء میں اصل حلت ہے یا حرمت و توقف۔ معززہ کا مذہب:

ان کے ہاں اصل فی الاشیاء حلت ہے یعنی جب تک کسی چیز کے بارے میں دلیل حرمت نہ آئے وہ حلال ہے بعض فقہاء کی طرف سے یہ بھی قول منسوب کیا جاتا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

احناف کا مذہب:

اصل فی الاشیاء حرمت ہے یا توقف ہی حتیٰ کہ دلیل حلت آجائے۔ حلت کا قول

کرنے والوں نے خلیق لکم مافی الارض سے استدلال کیا ہے۔ اصح تر قول کے مطابق مشتبہات کا حکم توقف ہے اور یہ ورع اور تقویٰ ہے۔

ومن وقع فی الشبہات کراع یرعی.....

(۱) اگر ”من“ کو شرطیہ مانیں گے تو اس کی جزاء محذوف ہوگی یعنی من وقع فی الشبہات کراع یرعی حول الحمی وقع فی الحرام۔ (۲) اور اگر من موصولہ ہے تو اگلا جملہ صلہ ہوگا محذوف کی ضرورت نہیں اور مطلب ہوگا الذی وقع فی الشبہات مثل راع یرعی۔

تمثیل:

اگر چرواہا جانور کو چرواہا کے ارد گرد چراتا ہے تو جانور کی عادت ہے کہ اچھی گھاس دیکھ کر اس میں گھسنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے ہی آدمی کا نفس اگر مشتبہات سے اس کو نہ بچایا گیا تو یہ حرام میں مبتلا ہو جائے گا۔

ابن منیر نے اپنے بعض اساتذہ سے نقل کیا ہے کہ آدمی اور حرام کے درمیان گھائی مکروہ ہے اور آدمی اور مکروہ کے درمیان گھائی مباحات ہیں تو جو کثرت سے مباحات کا ارتکاب کرے گا وہ مکروہ میں مبتلا ہوگا اور جو کثرت سے مکروہات کی گھائی پار کرے گا وہ حرام میں مبتلا ہو جائے گا۔

تخصیص حمی کا مسئلہ:

حمی یا چرواہا کو مختص کرنا احناف کے ہاں بوقت ضرورت جائز ہے عام حالات میں نہیں۔

ان فی الحسد مضغہ.....

مضغہ مضغ سے ہے چبانا، یعنی اتنا کھڑا جو چبایا جاسکے۔

قلب کی یہ خصوصیت اس لئے ہے کہ یہ اعضاء البدن کا رئیس ہے اس کا اثر اعضاء

ہوتا ہے جیسے امیر کا اثر عوام پر ہوتا ہے۔

تسمیۃ القلب:

- (۱) اس کو قلب اس لئے کہتے ہیں کہ یہ مقلوب ہوتا ہے یعنی سرنگوں سا ہوتا ہے۔
 (۲) قلب خلاصۃ الشیخی کو کہتے ہیں اور قلب پورے جسم کا خلاصہ ہے۔
 (۳) تقلب کی وجہ سے۔ وما کی القلب الا ان تقلب چنانچہ ایک شاعر اسی معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

ما سمي القلب الا من قلبه

فاحذر على القلب من قلب وتحويل

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ترجمہ میں صرف لدینہ ہے اور حدیث میں لعرضہ بھی ہے کیونکہ استبراء لدینہ مستلزم ہے استبراء لعرضہ کو اور استبراء الدین کا مطلب نقص سے بچانا اور استبراء لعرضہ طعن و تشنیع سے بچانا۔
 نوٹ:

اس حدیث کو علماء نے ان منتخب احادیث میں سے شمار کیا ہے جن پر دین کا مدار ہے۔

منتخب احادیث:

- (۱) مذکورہ حدیث (۲) انما الاعمال (۳) ترک ما لا یعنی (۴) اور بعض نے دع
 ما لا یریک کو شامل کیا ہے۔

باب اداء الخمس من الايمان

حدثنا علي بن الجعد عن ابي جمره قال كنت اقعده مع ابن عباس
 فيجلسني على سريره ان وفد عبد القيس لما اتوا النبي صلى الله عليه
 وسلم مرحبا بالقوم او بالوفد غير خزايا ولا نداني فمرنا بامر فصل نخبره
 من وراءنا وندخل به الحنة وسكوه عن الاشرية فأمرهم بأربع و باهم عن أربع
 امرهم بالايمان بالله وحده وان تعطوا من المغنم الخمس ونهاهم عن أربع
 عن الحتم، والدباء والنقير والمزفت وربما قال المقير. الحديث

ما قبل سے مناسبت:

مناسبت یہ ہے کہ ما قبل میں بھی ما: رات اور منہیات کا بیان ہے اور یہاں بھی

مامورات اور منہیات کا بیان ہے۔

ترجمہ الباب کا مقصد:

(۱) اعمال کی جزئیات کا ثبوت ہے کیونکہ اداء الخمس ایک عمل ہے جس کو ایمان کا جزو

ثابت کیا ہے۔

(۲) ترکیب ایمان کا ثبوت مقصد ہے۔

(۳) بنی الاسلام علی خمس سے پیدا شدہ اشتباہ کو دفع کرنا مقصود ہے۔

(۴) شعب الایمان میں سے ایک شعبے کا بیان ہے کہ اداء الخمس بھی شعب میں

ہے۔

اداء الخمس من الایمان.....

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کو دو طریقے سے پڑھا جاسکتا ہے۔

(۱) اداء الخمس بضم الخاء اس سے مراد مال غنیمت کا خمس بیت المال میں

داخل کرنا ہے۔

(۲) اداء الخمس بفتح الخاء اس صورت میں ارکان خمسہ مراد ہوں گے۔ لیکن

حافظ نے اس صورت کو ذکر کر کے فرمایا وہیہ وجوہ ضعف کیونکہ:

(۱) کیونکہ پہلے تمام ارکان کے لئے مستقل ابواب قائم ہوئے ہیں لہذا دوبارہ ذکر کرنا

بے فائدہ ہے۔

(۲) اگر ارکان خمسہ مراد لئے جائیں تو اس حدیث میں تو ارکان خمسہ کا ذکر نہیں ہے

بلکہ خمس کا ذکر ہے۔

كنت اقدم مع ابن عباس اقم عندی حتى اجعل لك سهما من مالی. الحدیث

ابو جمرہ کون تھا؟

ابو جمرہ ضبیع قبیلہ کا آدمی تھا جو عبدالقیس کی ایک شاخ ہے، انہوں نے ایک دفع حج

تمتع کے لئے احرام باندھا، لوگوں نے منع کیا انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا،

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حج تمتع درست ہے حج کے بعد ابو جمرہ کا خواب میں کہا گیا

”عمرة متقبلة و حج مبرور“ انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تذکرہ کیا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما بہت خوش ہوئے کیونکہ ان کے فتویٰ کی تائید ہو گئی۔

ان دنوں ابن عباس رضی اللہ عنہما خلافتِ علی رضی اللہ عنہ میں بصرہ کے گورنر تھے۔ اب فیصلے کے لئے ان کے پاس فارسی اور عربی دونوں زبانیں بولنے والے آتے تھے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابو جمرہ کو اپنا ترجمان مقرر کیا کیونکہ ابو جمرہ فارسی بھی جانتے تھے خود ابو جمرہ سے نقل ہے: کنت اترجم بین ابن عباس و بین الناس۔

ترجمانی کا معنی:

ابن صلاح کے ہاں اس سے مراد تفسیر اللغة بلغة ہے۔ لیکن ابن حجر کے ہاں اس میں کچھ عموم ہے کہ یہاں یہ بھی مراد ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی آواز پست تھی تو ہجوم کے وقت ابو جمرہ آپ رضی اللہ عنہما کے لئے معین الصوت تھے اور دوبارہ اونچی سے بولتے یا یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا خطاب چونکہ عالمانہ ہوتا تھا لہذا بعض لوگ نہ سمجھتے تھے تو ابو جمرہ آسان الفاظ میں سمجھاتے۔

اجعل لك سهما من ملي

بعض کے ہاں یہ مال دینا ترجمانی کی اجرت تھی اس سے ابن التین نے استدلال کیا ہے کہ تعلیم پر اجرت لینا جائز ہے کیونکہ ترجمانی تعلیم کے قبیل سے ہے۔

لیکن حافظ ابن حجر نے اس کی تردید کی ہے کہ دوسری روایت جو شعبہ کی ہے اس میں مذکور ہے کہ ابو جمرہ سے پوچھا کہ یہ اجرت کیوں مقرر ہوئی فقال للرؤية انی رأیت کیونکہ اس خواب کی وجہ سے ابن عباس کو یہ نیک معلوم ہوئے اور عقیدت پیدا ہوئی۔

حدیث سنانی کی وجہ:

ایک عورت نے نبی الجحر کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا آپ نے منع کیا پھر ابو جمرہ سے پوچھا کہ میرے لئے نبیذ مٹکے میں تیار ہوتی ہے۔ فی الحال تو کوئی نشہ نہیں ہوتا لیکن زیادہ دیر بیٹھنے سے کچھ محسوس ہوتا ہے پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث سنانی۔

لما اتوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم
 وفد عبد القیس کب آیا تھا؟
 اس میں چند اقوال ہیں:

- (۱) واقدی اور ابن سعد اور قاضی عیاض کا قول ہے کہ ۸ ہجری قبل فتح۔
 - (۲) محمد بن اسحاق کے ہاں ۹ ہجری سنۃ الوفود میں۔
 - (۳) ابن حبان اور ابن الاثیر کے نزدیک ۱۰ ہجری میں۔
 - (۴) حافظ ابن حجر کے نزدیک یہ دو دفعہ آئے ۵ ہجری اور ۹ ہجری میں۔
 - (۵) حضرت شاہ صاحب کا قول کہ ۶ ہجری اور ۸ ہجری میں آئے۔
- اصح تر قول یہ ہے کہ یہ لوگ تین دفعہ آئے۔ ۵، ۹، ۱۰ھ میں۔ یہ حدیث پہلی دفعہ کے ساتھ متعلق ہے۔

انا لانستطیع ان نأتیک الا فی الشهر الحرام
 (۱) اشہر میں الف لام اگر جنسی ہو تو چاروں مہینے مراد ہیں۔
 (۲) اور اگر الف لام عہدی ہو تو ماہ رجب مراد ہے کیونکہ یہ لوگ رجب کی بہت قدر کرتے تھے۔

فمرنا بامر فصل

- (۱) ای فاصل فارق بین الحق والباطل.
 - (۲) فصل بمعنی مفصول یا مفصل۔
- حضرت شاہ صاحب سے ترجمہ منقول ہے کہ ”نمنی ہوئی بات“ اور بعض حضرات نے ”نکھری ہوئی بات“ کا ترجمہ کیا ہے۔

فامرہم باربع ونہامہم عن اربع

اشکال:

اجمال میں چار چیزوں کا ذکر ہے لیکن تفصیل میں پانچ چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔

جواب:

اس کے جواب میں سب سے صحیح قول حافظ ابن صلاح کا ہے کہ امر ہم بالایمان اور آگے جا کر وان تعطوا من المغنم الخمس کو اس پر عطف کیا ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ پہلے چار باتوں کا حکم ہے پھر اداء الخمس کا حکم الگ ہے اور الگ حکم اس لئے دیا کہ ان کی چونکہ قبیلہ مضر کی جھڑپ رہتی تو حکم دیا کہ جنگ سے حاصل شدہ غنیمت سے خمس بیت المال میں جمع کرو۔ یہی ابن بطال کا قول ہے۔

بعض نے یہ جواب دیا کہ ایمان باللہ کا ذکر تبرکاً ہے اور بعض نے خمس اور زکوٰۃ کو ایک شمار کیا ہے۔ بیضاوی کا قول ہے کہ صرف ایمان باللہ کا حکم مذکور ہے اور باقی راوی بھول گیا اور شہادۃ لا الہ الا اللہ الخ ایمان باللہ کی تفصیل ہے۔

اشکال:

اس حدیث میں حج کا ذکر کیوں نہیں ہے۔

جواب:

- (۱) قاضی عیاض وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس وقت تک حج فرض نہیں ہوا تھا۔
 - (۲) حج عرب میں ویسے بھی معروف تھا لہذا ذکر نہ کیا۔
 - (۳) چونکہ مکہ پر کفار کا قبضہ تھا اور یہ حج کے لئے نہیں جاسکتے تھے لہذا ذکر ہی نہیں کیا۔
- حنتم: سبز رنگ کا مٹکا، الدباء: خشک کدو، نقیر: بھوکھلی لکڑی، مزفت رال لگا ہوا مٹکا، ان برتنوں کی نمی منسوخ ہے۔

مرحباً بالقوم او بالوفد.....

شارحین فرماتے ہیں کہ مرحباً حب سے ہے مراد اس سے مکان واسع ہے لہذا ”مرحباً“ کا معنی ہے اتیت مکاناً رحباً یعنی تم وسیع اور کشادہ جگہ میں آئے ہو یعنی ایسے لوگوں میں آئے ہو جو تمہاری آمد پر مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔

اہلاً سے مراد اپنے گھر والوں کو آئے ہیں۔

ندامت (۱) ندامت سے ہے جو ندامت کی جمع ہے اور ندامت کہتے ہیں شراب کے ہم مجلس کو۔

(۲) مسلمانوں کو شہید کر دیں گے تو بعد از اسلام ندامت کریں گے۔

خزایا: خزایا کی اتباع کی وجہ سے ندامتی کا ذکر ہے ورنہ اس کی جمع ناموں آتی ہے اور یہ خزئی سے ہے اس کی جمع خزیان آتی ہے اس کے معنی رسوائی اور ذلت کے ہیں۔
اب اس جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ قبیلہ عبد القیس کو نہ تو رسوائی کا سامنا کرنا پڑا اور نہ شرمندگی اٹھانی پڑی کیونکہ یہ لوگ از خود اپنے شوق اور رغبت سے مسلمان ہوئے ہیں ان کے ساتھ اہل اسلام کی کوئی لڑائی نہیں ہوئی، کیونکہ اگر لڑائی ہوتی تو پکڑ کر لائے جاتے اور رسوائی ہوتی اور اگر مسلمانوں کو قتل کیا ہوتا تو ندامت و شرمندگی ہوتی۔

باب ما جاء ان الاعمال بالنية والحسبة

ولكل امرئ ما توى فدخل فيه الايمان والوضو والصلوة..... وقال تعالى
قل كل يعمل على شاكلته على نيته نفقة الرجل على اهله صدقة..... وقال النبي
صلى الله عليه وسلم ولكن جهاد ونية.
الحديث الاول: حدثنا عبد الله بن مسلمة..... عن عمر قال انما
الاعمال بالنيات الخ

الحديث الثانى: حدثنا حجاج بن المنهال..... عن ابن مسعود عن
النبي صلى الله عليه وسلم اذا انفق الرجل على اهله يحتسبها فهي له صدقة.
الحديث الثالث: عن سعد بن ابى وقاص ان رسول الله صلى الله عليه
وسلم قال: انك لن تنفق نفقة. الحديث
پہلی بات:

بدالدین عینی نے لکھا ہے کہ گزشتہ باب سے مناسبت یہ ہے کہ پچھلے باب میں مذکور ہے کہ فلاں عمل دخول جنت کے لئے سبب ہے کیونکہ وفد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا فمرنا بامر فصل نخبر به من وراءنا وندخل به الجنة اور اس باب میں اشارہ ہے کہ یہ اعمال تب دخول جنت کے لئے سبب ہیں جب کہ ان میں نیت اور خلوص نیت بھی ہو اگر نیت اور اخلاص نہ ہو تو سبب دخول نہیں ہیں۔

دوسری بات:

ترجمہ الباب کا مقصد

(۱) ابن بطال کا قول ہے کہ یہ مرجیہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ ایمان فقط قول ہے، عقد القلب کی ضرورت نہیں ہے۔ اس طور پر کہ اقرار کی طرح عقد القلب بھی ضروری ہے بغیر اس کے ایمان معتبر نہیں۔

(۲) شیخ الہند کا قول: الابواب والتراجم میں ہے کہ کتاب الایمان میں بہت سے اعمال کے متعلق مختلف ابواب قائم کئے کہیں الصلوٰۃ میں الایمان، من الدین اور من الاسلام کے ابواب لائے۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ اعمال بھی من الایمان ہیں جبکہ ان کے ساتھ نیت اور خلوص بھی ہو۔

(۳) حضرت گنگوہی فرماتے ہیں کہ یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ تمام اعمال کا مدار نیت اور خلوص نیت پر ہے اسی بات کی طرف اشارہ کے لئے حسۃ کا لفظ لائے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انما الاعمال کا جو ترجمہ احناف نے کیا ہے کہ ثواب الاعمال بالنیات یہی مقصد امام بخاری کا ہے۔
(۴) ما قبل ابواب میں معتزلہ مرجیہ اور فرق باطلہ پر رد کیا ہے یہاں یہ بتانا مقصد ہے کہ اس رد سے مقصود فقط رضائے الہی تھا کسی کی تنقیص مقصود نہیں۔

تیسری بات:

ترجمہ الباب کے تین اجزاء ہیں:

(۱) ان الاعمال بالنیة (۲) والحسبة (۳) ولكل امرئ مانوی.

والحسبة: اس کا معنی ہے ثواب کی امید رکھنا۔

ولكل امرئ مانوی اور ان الاعمال بالنیة ایک حدیث کے اجزاء ہیں لیکن

درمیان میں لفظ حسبة دو وجہ سے لائے ہیں۔

(۱) نیت میں خلوص اور احساب کی اہمیت جتلانے کے لئے۔

(۲) ان الاعمال سے الگ فائدہ مقصود ہے اور حبتہ سے الگ فائدہ مقصود ہے۔
فدخل فیہ الایمان کہ ایمان بھی تب معتبر ہے جب نیت اور اخلاص بھی ہو ورنہ بغیر نیت ایمان معتبر نہیں ہے۔

حافظ فرماتے ہیں کہ یہ قول ان لوگوں کے مطابق ہے جو اعمال کو ایمان کا جزء جانتے ہیں لیکن جو لوگ ایمان کو فقط تصدیق قلب سے تعبیر کرتے ہیں ان کے ہاں نیت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تصدیق بالقلب خود بمنزلہ نیت کے ہے جسے عظمة اللہ اور خشية اللہ بمنزلہ نیت کے ہے۔ البتہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق یہ قول درست ہے۔
والوضوء اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ صحت وضو کے لئے نیت شرط ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ کے ہاں شرط نہیں ہے البتہ تیمم میں نیت شرط ہے جبکہ دیگر فقہاء کے ہاں وضو کے لئے نیت ضروری ہے۔

احناف کی دلیل:

وضو کی دو جہت ہیں:

(۱) وہ جہت کے کہ اس سے نماز پڑھنا جائز ہو جائے اس اعتبار سے نیت ضروری نہیں ہے کیونکہ نصوص قرآن اور صفة الوضو کی احادیث میں نیت کا ذکر نہیں ہے۔ اور ماء طہوراً سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی بذات خود طہور ہے۔ نیت کی ضرورت نہیں۔

(۲) دوسری وہ جہت کہ وضو کو عبادت مقصودہ شمار کریں اور ثواب کی امید سے وضو کرے تو اس صورت میں نیت ضروری ہے۔ بغیر نیت کے ثواب حاصل نہیں ہوتا۔

والزکوٰۃ جمہور کے ہاں زکوٰۃ کے لئے نیت شرط ہے جبکہ امام اوزاعی کے ہاں شرط نہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مطلب یہ ہے کہ مطلق صدقہ کی نیت سے زکوٰۃ ادا ہوگی البتہ ایک صورت ہے کہ سلطان مغلوب ہو یا لوگ انکار کریں اور سلطان زبردستی زکوٰۃ وصول کرے تو بغیر نیت کے ادا ہو جائے گی کیونکہ اس وقت نیت خود بخود موجود ہو جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں ان صورتوں میں بھی نیت ضروری ہے۔

والحج جمہور کے ہاں حج میں نیت ضروری ہے البتہ ایک صورت میں

اختلاف ہے کہ آدمی نے اپنا قرض ادا نہیں کیا ہے اور کسی اور سے حج بدل ادا کر رہا ہے تو امام صاحبؒ اور امام مالکؒ کے ہاں معتبر ہے اور امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے ہاں نیت معتبر نہیں ہے۔ دلیل یہ حدیث ہے کہ: عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سمع رجلاً یقول: لیبیک عن شبرمة، قال من شبرمة قال اخ لی او قریب لی، قال: حجت عن نفسك؟ قال: لا، قال: حج عن نفسك ثم حج عن شبرمة. اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ پہلے خود حج ادا کروا گلے سال شبرمہ کی طرف سے ادا کرو۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی دلیل:

ایک عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میرا پاپ بوڑھا ہے میں اس کی طرف سے حج بدل ادا کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً اجازت دی۔

والصیام..... صوم میں سب کے ہاں نیت معتبر ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں فرض کی تعیین ضروری نہیں۔ مطلق نیت، نفل اور نذر کی نیت سے ادا ہوگی جبکہ دیگر کے ہاں تعیین کی ضرورت ہے۔ البتہ مطلق نیت سب کے ہاں ضروری ہے۔

والاحکام..... یعنی دیگر احکام میں بھی نیت ضروری ہے حافظؒ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ معاملات ہیں جن میں محاکمہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

حافظؒ اور علامہ عینیؒ نے ابن منیرؒ سے قاعدہ نقل کیا ہے کہ ہر وہ عمل جس میں فائدہ اجلہ (فائدہ اجلہ جس میں ثواب آخرت ہو اور دنیا کا فائدہ مقصود نہ ہو) اور عاجلہ مقصود نہ ہو تو نیت ان اعمال میں شرط ہے اور جن اعمال میں فائدہ عاجلہ ہو اور فائدہ اجلہ نہ ہو تو نیت ضروری نہیں اور بعض اعمال کے مناط (یعنی تتبع علت) میں اختلاف ہے کہ نیت ان میں ضروری ہے یا نہیں۔

علامہ عینیؒ نے اس قاعدہ کو رد کیا ہے کہ بعض اعمال مثلاً تلاوت، اذان ان میں فائدہ ابدہ ہے لیکن نیت ضروری نہیں ہے لہذا یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔

کحل بعمل علی شاکلتہ.....

اس کے چند معانی منقول ہیں:

(۱) علی نبتہ یہ حسن بصری سے نقل ہے۔ (۲) علی دینہ۔ (۳) علی جبلتہ یہ

مقاتل سے منقول ہے۔ (۴) علی ناحیتہ یہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔

یہ جملہ جزاء اول کے ثبوت کے لئے لائیں ہیں۔

ونفقة الرجل علی اہلہ یحبسہا صدقة.....

یہ جملہ جزاء ثانی کے ثبوت کے لئے پیش کیا ہے۔

لکن جہاد و نية.....

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب ہجرت نہیں رہی، جہاد اور نیت باقی ہے۔

یہ حدیث طویل کا ٹکڑا ہے یہ جزاء ثالث کے ثبوت کے لئے لائے ہیں۔

احادیث ثلاثہ کا مفہوم واضح ہے۔

حدیث ثالث میں ہے۔ حتی مات جعل فی فم امرأتک اس سے مراد یا تو صدقة

الاهل ہے یا اظہار محبت کے لئے بیوی کے منہ میں نوالہ ڈالنا مراد ہے۔

امام نووی کہ اگر حفظ نفس حق کے مطابق ہو تو اس میں بھی ثواب ہے۔

فم امرأتک.....

یہ فی امرأتک بھی منقول ہے اور یہی اصح ہے کیونکہ اضافت کے وقت ”م“ گر جاتا

ہے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحة للہ

ولرسولہ ولائمة المسلمین وعامتہم وقول اللہ تعالیٰ اذا

نصحو اللہ ورسولہ. الاية

الحديث الاول: حدثنا مسدد..... عن جرير بن عبد الله: قال بايعت

رسول الله على اقام الصلوة وابتاء الزكوة والنصح لكل مسلم۔

الحديث ثانى: حدثنا ابو النعمان قال..... سمعت جرير بن عبد الله

يوم مات مغيرة بن شعبه..... الحمد لله..... عليكم اتقاء الله..... والوقار

والسکينة..... فاني اتيت النبي صلى الله عليه وسلم قلت ابايعك على الاسلام
فشرط علي والنصح لكل مسلم..... الخ

ما قبل کے ساتھ مناسبت:

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ما قبل میں انما الاعمال بالنيات کا بیان ہوا کہ قبولیت عمل
کے لئے نیت اور اخلاص شرط ہے اور جب کسی عمل کے ساتھ نیت اور خلوص جمع ہو جائیں تو
یہی نصیحت اللہ ہے۔ لہذا مناسبت یہ ہے کہ ما قبل میں جو ذکر ہوا یہی نصیحت اللہ ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر شرح کا قول ہے کہ اس باب سے ایمان کے
درجات متفاوتہ یا بالفاظ دیگر یزید و تنقص کا ثبوت ہے۔ وہ اس طرح نصیحة للہ کا درجہ
الگ اور سب سے اعلیٰ ہے اور لرسولہ کا درجہ الگ ہے۔ ائمة المسلمین اور عامتہم کا درجہ
الگ ہے۔ اور چونکہ الدین النصیحة میں نصیحت کو دین کہا ہے۔ لہذا تفاوت نصیحت سے
دین کے درجات مختلف ہوں گے تو حبیب الحبيب حبیب کے تحت ایمان کے مختلف درجات
بھی ثابت ہوتے ہیں کیونکہ دین اور ایمان متحد ہیں اور اسی تفاوت ایمان کو اس طرح بھی
ثابت کیا جاسکتا ہے کہ لوگ نصیحت میں متفاوت ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نصیحة للہ کا
درجہ سب سے اعلیٰ اور پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اور پھر عام لوگوں کا درجہ ہے تو اس تفاوت فی
النصيحة کی وجہ سے تفاوت ایمان ثابت ہوتا ہے۔

(۲) عمل کو ایمان کے اندر شامل کرنا مقصد ہے کیونکہ حدیث میں اور باب میں دین پر
نصيحة کا اطلاق ہوا ہے جس سے دین اور نصیحت کا ترادف ہوتا ہے اور نصیحت چونکہ عمل ہے
لہذا دین اور عمل میں ترادف کو ثابت کیا ہے۔

ربط الخاتمة بالفاتحة:

ان دونوں مندرجہ بالا باتوں سے ربط الخاتمة بالفاتحة یا ربط الانتہاء
بالابتداء واضح ہو گیا کیونکہ ابتداء میں یہی بحث تھی یزید و تنقص کی۔ اور یہاں خاتمہ بھی
زیادہ و نقصان کی بحث پر کیا۔

الدين النصيحة..... الخ

محدثین نے مسلم ابن اسلم طوسی کا قول نقل کیا ہے کہ یہ حدیث ان چار احادیث میں سے ہے جن پر دین کا مدار ہے۔

اور امام نووی سے حافظ اور علامہ عینی نے نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں تمام امور دین داخل ہیں کیونکہ نصیحة لله سے احکام قرآن معلوم ہوتے ہیں اور رسولہ سے سنت کے تمام اوامر معلوم ہوتے ہیں اور معاشرتی امور اور قضا یا نصیحة لائمة میں داخل ہیں اور عام لوگوں سے تعلقات کا علم تعلق لعامتہم سے ہے۔

الدين النصيحة: یہ الفاظ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ترجمۃ الباب میں تولائے ہیں لیکن انہی الفاظ سے یہ حدیث نقل نہیں کی ہے کیونکہ یہ حدیث علی شرط البخاری نہیں ہے کیونکہ یہ سہیل بن ابی صالح عن عطاء بن یزید عن تمیم الداری کی سند سے نقل ہے اور سہیل مختلف غیر راوی ہے امام مسلم نے، نسائی نے، ابن حبان، ابوداؤد، ابن مندہ اور ابن خزیمہ رحمہم اللہ نے اس حدیث کی تخریج کی ہے۔

النصيحة: حافظ فرماتے ہیں کہ (۱) یہ یا تو نصیحة العسل سے ماخوذ ہے بمعنی شہد کو صاف کرنا اور یا (۲) الصبح سے ماخوذ ہے پھٹے ہوئے کپڑے کے مختلف ٹکڑے اور پھنسن کو سینا۔ اور دونوں کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ جس طرح شہد سے گند نکالا جاتا ہے ایسے ہی عقیدہ میں صفائی اور سچائی ہوتی ہے اور جس طرح پھٹے کپڑے کے سینے سے اس کی اصلاح مقصود ہوتی ہے ایسے ہی مسلمان کی خیر خواہی میں اس کی اصلاح مقصود ہوتی ہے اور اس کی پراگندگی کو ختم کیا جاتا ہے۔

النصيحة لله کی تشریح:

قال الخطابي رضى الله عنهم وابن بطال وغيرهما:

النصيحة لله..... معناه يرجع الى الايمان ونفى الشك عنه وترك الاحاد

من صفات الحلال والكمال وتنزيهه من النقائص والقيام بطاعته والاجتناب

عن معصيته. وورد في بعض الروايات ولكتاباه فلا حسد

وتعالى الايمان بانه كلام الله لا يشبهه شئى من كلام الخلق وتعظيمه و تلاوته
والعمل بما فيه

ولرسوله..... فتصديقه على الرسالة والايمان بجميع ما جاء به
والطاعة فى اوامره ونواهيه و نصرته حيا و ميتا والتادب بأدابه ومحبة اهل بيته
واصحابه

وللائمة..... فمعاونتهم على الحق وطاعتهم فيه وترك الخروج
عليهم بالسيف الخ

وللعامة..... فإرشادهم الى مصالحهم ودفع الاذى عنهم-

قول الله اذا نصحو الله.....

یہ آیت کا ایک ٹکڑا ہے جس میں ہے کہ اگر مریض اور معذور لوگوں کے دل میں اللہ اور
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہی کا جذبہ ہے تو ان پر جہاد نہ کرنے میں کوئی ملامت نہیں
ہے۔ اس آیت کے لانے کا مقصد فقط یہ ہے کہ ترجمۃ الباب کا مفہوم قرآن مجید سے ثابت
ہے۔ اس تائید کے لئے لائے ہیں۔

ائمة المسلمین سے مراد:

(۱) یا تو خلفاء اور امراء ہیں۔ (۲) یا مجتہدین اور محدثین ہیں کہ ان کی تعظیم کی جائے
اور ان کے ارشادات پر عمل کیا اور ان کے علوم کو نشر کیا جائے۔

الحديث الاول: بايعت رسول الله على اقام الصلوة.

جرير بن عبد الله رضی اللہ عنہ یمن کے گورنر تھے پہلے سے اور آخری عمر میں وفاة النبی
صلی اللہ علیہ وسلم سے چالیس پینتالیس دن قبل ایمان لائے بہت حسین اور وجیہ تھے اور
یوسف هذه الامة کے لقب سے ملقب تھے۔ اس بیعت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے
متفقہاً حال کے مطابق حضرت جریر رضی اللہ عنہم سے نصیح لکل مسلم کی شرط پر

بیعت لی۔

اشکال:

اس بیعت میں شہادتیں، صوم اور حج کا ذکر نہیں ہے؟ حالانکہ حضرت جریر متاخر الاسلام تھے۔

جواب:

صحیح مسلم کے بعض طرق میں شہادتیں کا ذکر ہے یہاں راوی کا اختصار ہے اور جہاں تک حج و صوم کا تعلق ہے تو بعض طرق میں ”سمع و طاعت“ کے الفاظ آئے ہیں کہ میں سمع اور طاعت کروں گا تو اس میں تمام احکام داخل ہیں۔

”نصح لكل مسلم“ کی وجہ تخصیص:

بعض دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاص لوگوں سے کسی خاص عمل پر بیعت لیتے تھے آدمی کی استعداد دیکھ کر یا کسی عمل میں کمزوری کی وجہ سے خاص عمل پر بیعت لیتے جیسے بعض سے نماز پر اور بعض سے جہاد میں نہ بھاگنے پر بیعت لی ہے۔ تو یہاں بھی کسی خاص وجہ سے حضرت جریر سے بیعت علی النصح لکل مسلم لی ہے۔

بیعت کا نتیجہ:

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جریر کے متعلق لکھا ہے کہ ان کو اس بیعت کا اتنا پاس اور لحاظ تھا کہ جب کسی سے کوئی چیز خریدتے تو صاحب السلعتہ سے کہتے کہ آپ کی بیعت ہم کو اپنے پیسوں سے زیادہ پسند ہے لہذا از روئے خیر خواہی کہتا ہوں کہ اگر اپنا سامان روکنا چاہتے ہو تو روک لو۔

اسی طرح ایک اور واقعہ ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے وکیل نے ایک گھوڑا خریدنا چاہا تو مالک نے تین سو روپے قیمت بتائی۔ وکیل حضرت جریر کے پاس آئے تو حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے جا کر اس سے کہا کہ تمہارا یہ گھوڑا قیمتی ہے لہذا بڑھاتے بڑھاتے سات، آٹھ سو کا خرید لیا۔

الحديث الثانی: حدثنا ابو النعمان قال سمعت جریر بن

عبد اللہ یوم مات مغیرة بن شعبه.

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ دور معاویہ رضی اللہ عنہ میں کوفہ کے گورنر تھے۔

۵۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ایک قول کے مطابق انہوں نے اپنے بیٹے کو قائم مقام مقرر کیا۔ اور ایک قول کے مطابق حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر کیا۔ اصح قول یہ ہے کہ اپنے بیٹے عروہ کو قائم مقام بنایا تھا۔ جریر رضی اللہ عنہ صرف نصیحت کے لئے کھڑے ہوتے تھے۔ کیونکہ اہل کوفہ اشرا مشہور تھے۔ یہ امراء کے خلاف بغاوت کرتے تھے تو اس بغاوت کو ختم کرنے کے لئے حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے خطاب فرمایا تا کہ بغاوت کے نتیجہ میں قتل و غارت گری نہ ہو جائے۔

علیکم باتقاء اللہ حتی یاتیکم الامیر

بعض کہتے ہیں کہ امیر سے اپنا نفس مراد ہے یعنی امیر کی امارت کا اعلان ہو جائے لیکن عام معنی یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کسی کو مقرر کریں تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بصرہ کے گورنر زیاد کو کوفہ کا امیر بنا کر بھیجا۔

استغفوا لامیرکم فانہ کان یحب العفو۔

فانہ میں ضمیر (۱) مغیرہ کو راجع ہے یعنی وہ خود غفو کو پسند کرتے تھے تو تم بھی اس کے لئے غفو طلب کرو تا کہ جزاء بمثل العمل ہو۔

(۲) ضمیر اللہ کو راجع ہے۔ یعنی فان اللہ یحب العفو۔

ورب هذا المسحد.....

(۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبہ مسجد میں تھا۔

(۲) ہذا سے اشارہ ہے کعبہ کو چنانچہ بعض میں ورب الکعبۃ وارد ہے۔

ثم استغفر ونزل.....

حافظ فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا طریقہ ہے کہ کتاب کے آخر میں ایسا جملہ لاتے ہیں جس سے براءت استہلال کے طور پر خاتمہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے چنانچہ یہاں پر وفات مغیرہ اور استغفار اور نزول کا ذکر ہے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ آخر میں ایسا جملہ لاتے ہیں جس سے اختتام کتاب کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ اپنی عاقبت کی فکر کرو۔ چنانچہ حضرت مغیرہ کی وفات اور استغفار اور ثم نزل کا ذکر ہے یعنی انسان کو اپنے اختتام اور عاقبت

سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔ اس کے علاوہ یوم مات مغیرہ بن شعبہ افتخام پر صراحتاً دلالت کرتا ہے اس سے حافظ کا مدعی بھی ثابت ہو جاتا ہے اور حضرت شیخ الحدیث کا مدعی بھی۔ واللہ اعلم۔

کتاب العلم

بسم الله الرحمن الرحيم

باب فضل العلم وقول الله تعالى يرفع الله الذين امنوا منكم والذين
اوتوا العلم درجات وقول الله قل رب زدني علما۔
پہلی بات:

حقیقت علم اور تعریف:

لغت میں علم کا معنی دانستن، جاننا اور اصطلاحی تعریف میں چند اقوال ہیں۔

(۱) امام الحرمین، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن العربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ ان کے ہاں تعریف علم میں توقف ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ علم کی جامع، مانع، تعریف، محسوس اور مشکل ہے۔ یہی رائے فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ وہ توقف کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ علم، جہل کی ضد ہے اور اجلی البدیہیات سے ہے اور بدیہیات کی تعریف نہیں ہوتی۔

(۲) بعض نے مختصر لیکن جامع تعریف کی ہے۔ ما بہ الاکتشاف۔

(۳) ما ترید یہ کا قول: صفة مودعة فی القلب كالقوة الباصرة فی العین

(۴) صفة توجب التمييز بما لا يحمل النقيض فی الامور المعنوية

(۲) فلا سفة کا قول: حصول صورة الشئ یا الصورة الحاصلة من الشئ

عند العقل کیونکہ ان کے ہاں علم کا تعلق صرف موجودات سے ہے۔ جبکہ اشاعرہ اور ما ترید یہ کے ہاں علم کا تعلق موجودات اور معدومات دونوں کے ساتھ ہے۔

دوسری بات:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابتداء وحی سے کی، پھر کتاب الایمان اور پھر کتاب العلم

لائے ہیں۔ حافظ اور علامہ عینی نے کرمانی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی یہ وجہ نقل کی ہے کہ چونکہ علم مابعد والی کتب کے لئے موقوف علیہ ہے اور تمام کتب اس پر موقوف ہیں اور موقوف علیہ کا مقدم ہونا عقل کے بالکل مطابق ہے۔ لیکن اس کتاب العلم کو کتاب الایمان پر اس لئے مقدم نہیں کیا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اشارہ مقصود ہے کہ وہ علم معتبر ہے جو ایمان کے نتیجے میں حاصل کیا جائے اور ظاہر ہے کہ ایسا علم ایمان سے متاخر ہے۔

تیسری بات:

بعض نسخوں میں ”بسم اللہ“ کتاب العلم سے مقدم ہے اور یہاں پر مؤخر ہے۔ جہاں ”بسم اللہ“ مقدم ہے وہاں تو وجہ ظاہر ہے لیکن یہاں پر یہ وجہ ہے کہ کتاب العلم بمنزلۃ اسم السورۃ ہے اور بعد کی احادیث منزلہ آیت ہیں اور درمیان میں ”بسم اللہ“ لائے ہیں۔

چوتھی بات:

بعض نسخوں میں بات فضل العلم کا عنوان ہے اور بعض میں نہیں بلکہ کتاب العلم کے بعد آیات کا ذکر ہے تو جن نسخوں میں عنوان نہیں ہے وہاں تو کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عادت مبارکہ ہے کہ کتاب کے شروع میں آیات مناسبہ لاتے ہیں اشارہ یہ ہوتا ہے کہ بعد کے ابواب ان آیات کی تشریح ہیں تو عدم عنوان والے نسخوں میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

لیکن جن نسخوں میں باب فضل العلم کا عنوان موجود ہے وہاں پر اشکال ہوتا ہے کہ اگلے صفحہ ۱۸ پر باب فضل العلم دوبارہ آ رہا ہے لہذا تکرار ہے۔

جواب (۱):

یعنی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تکرار نہیں ہے کیونکہ یہاں علماء کی فضیلت کا بیان ہے اور آگے علم کی فضیلت کا بیان ہے۔ دلیل یہ ہے کہ جو آیات امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں لائے ہیں وہ فضیلت علماء پر دال ہیں لیکن علماء نے یعنی رحمۃ اللہ علیہ کی اس توجیہ کو رد کیا ہے دو وجہ سے (۱) علماء کی فضیلت علم ہی سے ہے تو گویا علماء کی فضیلت علم کی فضیلت ہے۔ (۲) پہلی آیت میں تو علماء کی فضیلت ہو سکتی ہے لیکن دوسری آیت میں علم کی فضیلت ہے

جواب (۲):

دوسری توجیہ یہ ہے کہ افضل بمعنی فضیلت بھی آتا ہے اور بمعنی زیادہ کے بھی۔ تو یہاں پر فضیلت کا معنی مراد ہوگا اور آگے باب میں زیادہ والا معنی ہوگا۔

حضرت شیخ الحدیث فرماتے ہیں کہ دو بابوں میں اگر مقصد ایک ہو اگرچہ الفاظ الگ الگ ہوں لیکن یہ تکرار متصور ہو سکتا ہے جبکہ جہاں مقصد الگ الگ ہو اگرچہ الفاظ ایک ہوں وہاں تکرار نہیں ہوگا تو یہاں بھی تکرار نہیں ہے کیونکہ مقصد الگ الگ ہے۔
اشکال:

باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ آیات تو لائے ہیں لیکن احادیث کیوں نہیں لائے؟

جواب:

(۱) امام بخاری کو اس باب میں اپنے شرط کے مطابق حدیث نہیں ملی۔

(۲) امام بخاری نے ابواب و تراجم پہلے قائم کیے اور بعد میں احادیث لائے کا ارادہ تھا۔ لیکن امام کا انتقال ہوا اور احادیث لکھنے کا موقع نہیں مل سکا۔

(۳) ناقلین کی گڑبڑ سے احادیث آگے پیچھے ہو گئی ہیں۔

(۴) حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آگے جو حدیث آ رہی ہے وہ

دونوں ابواب کے لئے کافی ہے لیکن ایک جدید فائدہ کے لئے نیا باب قائم کیا چنانچہ اگلی حدیث میں منقول ہے کہ سائل نے علم الساعة کا پوچھا..... تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا

”اذا و صد الامر الی غیر اہلہ فانظر الساعة و اذا ضیعت الامانة فانظر الساعة۔“

ان امور کا جاننا اور ان کا اہل جاننا علم سے تعلق رکھتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ بقاء دنیا کا

مدار بقاء علم پر ہے۔ علم کے خاتمہ سے دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔

(۵) حضرت شیخ الحدیث نے حضرت شیخ الہند سے نقل کیا ہے کہ تضحید اذہان کے لئے

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا کیا ہے کہ یہاں باب کے تحت حدیث نہیں لائے اور اس

سے مقصد یہ ہے کہ تم خود عنوان کے مناسب حدیث نقل کرو۔ جس طرح کہ امام بخاری

حدیث لاتے ہیں لیکن عنوان قائم نہیں کرتے کہ تم خود اس حدیث کے مناسب عنوان قائم

کر۔

(۶) اگر ”فضل العلم“ کے تحت کوئی حدیث نقل کرتے تو فضیلت ایک جہت کے ساتھ خاص ہو جاتی لہذا یہاں مطلق چھوڑ دیا تاکہ اس بات کی طرف اشارہ ہو جائے کہ علم کی فضیلت ”من کل الوجوه“ ہے۔

(۷) باب کے تحت حدیث لانے کا مقصد ترجمۃ الباب کا ثبوت ہوتا ہے۔ اور یہاں پر ثبوت کے لئے جب دو آیت لائے ہیں تو حدیث لانے کی ضرورت نہ رہی۔

یرفع اللہ الدین امنوا منکم والذین اونوا العلم درجات

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اولاً درجات ایمان سے ملتے ہیں کیونکہ ایمان اساس ہے پھر آپس میں تفاضل اور درجات کا مدار علم پر ہے یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایمان اور فرائض کے بعد نوافل افضل ہیں اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں چند اقوال نقل ہیں۔ (۱) امام صاحبؒ کے ساتھ (۲) امام شافعیؒ کے ساتھ (۳) ایمان اور فرائض کے بعد جہاد سب سے افضل ہے۔

درجات جمع سالم نکرہ ہے اور تنوین تعظیم کے لئے ہے یہ سب علو درجات کو

اشارہ ہے۔

علامہ شاہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے آخری حصہ ”واللہ بما تعملون خبیر“ سے اشارہ ہے کہ یہ درجات اس علم کے ساتھ ملتے ہیں جس کے ساتھ عمل صالح ہو ورنہ یہ علم وبال ہے اور جسے قرآن حجة لک او علیک ہے اسی طرح علم بھی حجة لک او علیک ہے۔

رب زدنی علماً فضیلت علم کو اشارہ ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود افضل البشر اور افضل الانبیاء ہونے کے اور بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اضافہ علم کا سوال کرنے کا حکم دیا ہے اور کسی اور چیز کے مانگنے کی اجازت نہیں دی۔ اس سے فضیلت علم ثابت ہوتی ہے۔

نوٹ:

وقول الله يرفع الله الذين الایة

شاہ صاحب کا قول: وقول الله کو مجرور ہی پڑھیں گے اور یہ عطف ہوگا فضل العلم پر اور علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں۔ بناء پر مبتداء مؤخر یعنی وہیہ قول اللہ یا بناء بر فاعلیت ای بدل علیہ قول اللہ۔

باب من سئل علما وهو مشتغل فی حدیثہ فاتم الحدیث ثم

اجاب

حدیثا محمد بن سنان..... عن ابی ہریرة رضی اللہ عنہ بینما النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی مجلس یحدث القوم جاءہ اعرابی فقال متی الساعة فمضی رسول اللہ۔ یحدث..... فقال ابن اراہ السائل عن الساعة قال ها انا یا رسول قال فاذا ضیعت الامانة فانتظر الاساعة فقال کیف اضاعتها قال اذا وسد الامر الی غیر اہلہ فانتظر الساعة۔

مفہوم:

مفہوم یہ ہے کہ اگر معلم کوئی بات کر رہا ہے اور درمیان گفتگو اگر کوئی سوال کرے تو کیا معلم کے لئے یہ جائز ہے کہ پہلے اپنی بات مکمل کرے پھر سائل کو جواب دے؟ اس حدیث سے جواز کا ثبوت ملتا ہے۔

تمہید:

کتاب العلم میں ابواب تین چار قسم کے ہیں بعض کا تعلق آداب معلم کے ساتھ ہیں اور بعض کا تعلق معلم کے آداب سے ہے اور بعض فضائل علم سے متعلق ہیں اور بعض مسائل علم سے متعلق ہیں۔

ترجمہ الباب کا مقصد۔

نمبر: تمام شارحین نے ابن بطلال رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہاں آداب معلم سے ایک ادب کا بیان ہے وہ یہ کہ دوران گفتگو اگر معلم سے سوال کیا جائے تو پہلے اپنی بات مکمل کرے پھر سائل کے سوال کا جواب دے۔

نمبر ۲: آداب معلم سے ایک ادب کا بیان ہے کہ اگر معلم کوئی نامناسب سوال کرے تو معلم کو رفق اور نرمی اختیار کرنی چاہئے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفق کا معاملہ کیا۔

نمبر ۳: شاد ولی اللہ نے اپنے اساتذہ سے نقل کیا ہے کہ قرآن میں ارشاد ہے ان الذین یکتُمون ما انزلنا فاولئک یلعنہم اللہ الایۃ

یہاں کتمان علم پر وعید ہے اور اسی طرح حدیث میں ہے کہ کتمان کرنے والے کو آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔ تو اشکال یہ ہوتا تھا کہ کیا فی الفور جواب نہ دینے والا کتمان علم کا مصداق ہوگا اور کیا اس کے لئے بھی یہی وعید ہے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ مصلحت کے تحت جواب میں تاخیر کرنے والا کتمان علم میں شامل نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہاں مسئلہ من مسائل العلم کا بیان ہے۔

نمبر ۴: حضرت گنگوہی اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک مقصد یہ ہے کہ سائل کا جواب فی الفور واجب نہیں ہے گویا ان کے ہاں بھی ”مسئلۃ من مسائل العلم“ کا بیان ہے۔

نمبر ۵: معلم کے آداب میں سے ایک ادب کا بیان ہے کہ جب معلم کسی بات میں مشغول ہو تو اس کے فراغت کا انتظار کرنا چاہئے دوران گفتگو سوال نامناسب ہے۔
جاء اعرابی حافظ نے لکھا ہے کہ بہت تلاش کے بعد بھی اعرابی کا نام معلوم نہ ہو سکا جبکہ ”ارشاد الساری“ میں بعض لوگوں کے حوالے سے ”رفع“ نام لکھا ہے۔ واللہ اعلم۔

یحدث القوم کہتے ہیں کہ مشرکین مکہ میں سے بعض لوگ آئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ جو گفتگو تھے کہ اسی دوران اعرابی آیا۔ اور سوال کیا ”متی الساعۃ“ ایک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سوال بذات خود ناپسند تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا علم عطا نہیں کیا تھا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو گفتگو تھے۔ لہذا بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ آپ کو سوال برا لگا ہے اس لئے جواب نہیں دیا اور بعض نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال سنا ہی نہیں۔

اذا ضيقت الامانة فاتنظر الساعة علماء نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل کے ساتھ رفیق کا معاملہ کرنا چاہئے۔ دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ اگر عالم اور مفتی کے پاس سوال کا جواب ہو تو جواب دینا ضروری ہے۔
خلاصہ:

اگر سائل مفتی سے مسئلہ پوچھے اور اس وقت اس علاقہ میں کوئی دوسرا مفتی نہ ہو تو اس مفتی پر جواب دینا لازمی ہے بشرطیکہ اس کے پاس جواب ہو۔ اور اگر علاقہ میں اس کے علاوہ بھی مفتی ہے تو عالم متعین پر جواب لازمی نہیں ہے۔ بلکہ یہ فرض کفایہ ہے کسی ایک کے جواب دینے سے سب کا ذمہ فارغ ہو جائے گا۔

مسئلہ: حافظ نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے علماء نے ایک مسئلہ نکالا ہے۔

امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما نے مسئلہ مستحب کیا ہے کہ اگر دورانِ خطبہ کوئی خطیب سے مسئلہ پوچھے تو خطیب خطبہ کے اختتام کے بعد جواب دے گا۔

امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم اور حافظ کے قول کے مطابق جمہور کا قول ہے کہ دورانِ خطبہ بھی جواب دینا جائز ہے۔ چنانچہ مسلم میں حدیث ہے کہ ایک آدمی آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دورانِ خطبہ مسئلہ پوچھا کہ میں مسافر ہوں دین کی تعلیم چاہتا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ روک دیا اور کرسی منگوا کر اس کے جوابات دیئے۔

خلاصہ کلام:

موقع محل کو دیکھنا چاہئے اگر سوال کا جواب لازم قسم کا ہے تو خطبہ روک کر جواب دینا چاہئے یا سائل مسافر ہے یا کہیں جا رہا ہے تو خطبہ کے دوران جواب دینا چاہئے بصورت دیگر خطبہ کے بعد جواب دے۔

مسئلہ: بعض لوگوں نے اس سے ایک مسئلہ نکالا ہے کہ سائل ایسا سوال کرے جو ضرورت کا نہ ہو یعنی عمل کے ساتھ اس کا تعلق نہ ہو تو استاد اس کو نظر انداز کر سکتا ہے جیسے حدیث میں قیام سے سوال ہے جس کا عمل سے کوئی تعلق نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الحال اس کو نظر انداز کیا ہے۔

اذا ضيعت الامانة..... امانت سے مراد وہی ہے جو قرآن میں اتنا عرضنا الامانة سے ہے کہ قیومیت اور زمین کے تدبیر کا انتظام مراد ہے۔

لامع الدراری کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ صفت الامانة صفات القلب سے ایک صفت ہے جو ایمان سے مقدم ہے پہلے قلب میں لون الامانة جمتا ہے پھر لون الایمان جمتا ہے۔
کیف اضاعتها..... اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر متعلم کو استاد کی بات سمجھ میں نہ آئے تو مستحب ہے کہ دو بارہ پوچھے۔

اذا وسيد الامر الى غير اهله.....

وسيد يوسد تو سيدا معنی ہے بچھانا

عرب کا دستور تھا کہ امیر کے نیچے ”وساده“ بچھاتے تھے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب معاملات نا اہل لوگوں کے سپرد کئے جائیں تو یہ تصبیح امانت ہے۔ لامع میں لکھا ہے کہ تو سيد الامر الى غير اهله اضاعت امانت کی ایک مثال ہے ورنہ اضاعت امانت کے معنی میں بہت توسع ہے۔

فیض الباری میں سمجھانے کے لئے ایک مثال لکھی ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ابن عبدالحکم نے اپنے استاد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی خدمت کی۔ مرض الوفا میں تلامذہ کے درمیان مناقشہ ہوا کہ استاد کے مسند درس پر قائم مقام کون ہوگا۔ ابن عبدالحکم کو توقع تھی کہ مجھے بیٹھائیں گے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مزنی کو قائم مقام مقرر کیا اور فرمایا کہ اگر ابن عبدالحکم کو قائم مقام کرتا تو یہ ”توسيد الامر الى غير اهله“ ہوتا۔

مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی دل سے سمجھے کہ آدمی اہل نہیں ہے لیکن کسی احسان اور غرض کے تحت اسے کوئی منصب حوالہ کرے تو یہ ”توسيد الامر الى غير اهله“ ہے اور اگر عقیدہ اور اہل جانتے ہوئے حوالہ کرے تو یہ اضاعت امانت نہیں ہے۔

باب من رفع صوته بالعلم

حدثنا ابو نعمان عن عبد الله بن عمرو قال تخلف عنا النبي صلعم في

سفرة سافرناها..... فننادى باعلى صوته ويل للاعقاب من النار مرتين او ثلاثا.

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ کتاب العلم کے ابواب یا تو آداب معلم کیساتھ خاص ہیں یا آداب متعلم یا فضائل علم یا مسائل علم کے ساتھ خاص ہیں۔ یہ باب آداب معلم کے ساتھ خاص ہے۔

ترجمہ الباب کا مقصد:

نمبر ۱: اس باب میں آداب معلم سے ایک ادب کا بیان ہے کہ بوقت ضرورت رفع

الصوت جائز ہے۔

نمبر ۲: حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات میں سے لیس بصحاب فی الاسواق تو شبہ ہو سکتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی رفع الصوت نہیں کرتے تھے، تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحاب تو نہیں تھے کیونکہ صحب کا معنی ہے لہو و لعب میں رفع الصوت کرنا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھیل کود میں شریک نہیں ہوتے تھے لیکن رفع الصوت بالعلم صحب کے تحت داخل نہیں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اختیار فرماتے تھے۔

نمبر ۳: شیخ الہند فرماتے ہیں کہ رفع الصوت عالمانہ وقار اور شان نبوت کے خلاف ہے لیکن مواقع الگ الگ ہیں جہاں ضرورت نہ ہو تو رفع الصوت یقیناً شرافت اور نبوت کے خلاف ہے لیکن بوقت ضرورت کہ علمی مجلس ہو اور مجمع زیادہ ہو تو رفع الصوت شان نبوت اور عالمانہ وقار کے خلاف نہیں ہے اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کے خلاف ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز عادتاً پست ہوتی لیکن علمی مجلس میں رفع الصوت بھی کرتے۔ اس کی مثال ایک تو یہ روایت ہے اور دوسری روایت مسلم کی ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ اذا ذكر الساعة اشتد غضبه و علاصوته اور بعض میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے کے رگیں پھول جاتیں، لہذا منع کا موقع الگ ہے اور جواز کا موقع الگ ہے۔

نمبر ۴: قرآن مجید میں حضرت لقمان کی نصیحت کا ذکر ہے و اغضض من صوتك الاية تو شبہ ہو سکتا تھا کہ رفع الصوت بالکل جائز نہیں ہے تو یہ باب قائم کر کے بتایا کہ بوقت

ضرورت رفع الصوت جائز ہے۔

نوٹ: بعض نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ مکہ سے واپسی کا ہے لیکن یہ تعین نہیں کہ صلح حدیبیہ سے واپسی میں عمرۃ القضاء یا فتح مکہ سے واپسی کا واقعہ ہو۔

ارہقنا: ای تاخرنا الصلوٰۃ حافظ نے ابن بطال کے حوالے سے لکھا ہے کہ اتنی تاخیر ہو کہ حتی دنا وقت صلوٰۃ اخری۔

ترکیب: (۱) ارہقنا فعل، صلوٰۃ مفعول (۲) ارہق فعل، تا مفعول اور صلوٰۃ فاعل

ہے۔

حدیث کا مسئلہ: ترمذی میں ہے وفقہ ہذا الحدیث ان وظیفۃ الرجلین غسل، کیونکہ اگر پیر کا وظیفہ مسح ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسح پر اتنی سخت وعید نہ فرماتے وعید مذکورہ غسل رجلین پر دال ہے جمہور ائمہ مجتہدین فقہاء، محدثین کے نزدیک پیر کی دو حالتیں ہیں۔

(۱) موزے نہ پہنے ہوں۔ تو وظیفہ غسل ہے۔ روافض کے ہاں مسح ہے۔ اہل سنت میں سے محمد بن جریر طبری اور بعض کا قول اختیار کا ہے۔ اہل سنت کے دلائل میں سے ایک مذکورہ حدیث بھی ہے۔

(۲) موزے پہنے ہوں تو پیر کا وظیفہ مسح ہے۔

مسح کا معنی:

(۱) حقیقی معنی۔ امرار اليد المبتلة علی الشیئی تو اس صورت میں امام طحاوی کے مطابق مسح کا حکم ابتدا تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔

(۲) عام شارحین کے ہاں ”غسل خفیف“ یعنی قلب ماء کی وجہ سے یا ضیق وقت کی وجہ سے غسل خفیف کرتے ہیں جس سے ایڑھیاں خشک رہتی ہیں بعض میں ہے واعقابنا نلوح الف لام عہدی ہے اور معبود خشک ایڑیاں ہیں اور اس سے مراد اصحاب الاعقاب ہیں یا چونکہ گناہ پیروں کا ہے لہذا پیروں کو سزا ہوگی۔

ویل اور ویحک میں فرق:

(۱) ویل لمن یستحق الهلکة ویحک لمن لا یستحق الهلکة

(۲) کویل لمن وقع فی الهلکة و یحک لمن اشرف علیہا
عام شارحین و یحک کلمہ ترجمہ ہے اور ویل بددعا کے لئے استعمال ہوتا ہے اور حدیث
میں ہے کہ ”یہ جنم کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے۔“

باب قول المحدث حدثنا واخبرنا وانبأنا

وقال الحمیدی کان عند ابن عیینہ حدثنا واخبرنا، وانبأنا وسمعت
واحدا وقال ابن مسعود حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ عن ابن عمر
رضی اللہ عنہ قال ان من الشجر شجرة لا یسقط ورقہ وانہا مثل المسلم۔
حدثنی ماہی..... ثم قالوا حدثنا ماہی۔

اس باب میں حدثنا، اخبارنا، انبأنا کا حکم بیان ہے کہ یہ متحد ہیں یا ان کا حکم مختلف
ہے، سفیان ابن عیینہ کے ہاں یہ سب متحد الحکم ہیں اور مترادف ہیں۔ اسی طرح ابن مسعود
رضی اللہ عنہ ایک جگہ پر حدثنا اور دوسرے مقام پر سمعت فرماتے ہیں۔
حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بھی حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سے نقل
کرتے ہیں۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

حافظ ابن حجر نے ابن رشید کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ امام بخاری کا مقصد اشارہ
ہے اس طرف کہ میری کتاب میں تمام احادیث مسندت ہیں۔ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم
سے منقول ہے۔ اس کے بعد حافظ قلت کہہ کر فرماتے ہیں کہ اس باب سے مقصد یہ مسئلہ
بیان کرنا ہے کہ حدثنا، اخبارنا، انبأنا کا حکم ایک ہے۔

تحمل حدیث کے فرق کا بیان:

استاد نے حدیث سننے کے مختلف طریقے ہیں۔

نمبر ۱: استاد پڑھتا ہو اور شاگرد سنتا ہو اس کو قرأۃ الشیخ کہتے ہیں۔

نمبر ۲: شاگرد حدیث پڑھے اور استاد نے اور یہی امام مالک کا طریقہ تھا کہ شاگرد سے

حدیث پڑھواتے تھے یہ صرف امام محمد بن الحسن شیبانی کی خصوصیت ہے کہ انہوں نے امام

مالک سے مؤطاسنی ہے۔ اس مذکورہ بالا طریقہ کو قرآۃ علی الشیخ کہتے ہیں۔

نمبر ۳: اجازت: یعنی محدث اپنی مرویات کی اجازت دے دے کہ تم مجھ سے حدیث نقل کر سکتے ہو۔ اس کی چند صورتیں ہیں۔

نمبر ۱: مشافہتہ آمنے سامنے اجازت دینا۔

نمبر ۲: خط کے ذریعہ سے اجازت دینا۔

نمبر ۳: ثقہ کے ذریعے پیغام بھیجا جائے۔

نمبر ۴: اجازت عامہ۔ یعنی محدث کہہ دے کہ میری زندگی میں جتنے بھی علم حدیث سے تعلق رکھنے والے ہیں اور تحدیث کے اہل ہیں ان کو میری طرف سے اجازت ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اسی طریقہ کی بناء پر حافظ ابن حجر کو اپنا استاد ظاہر کرتے ہیں۔

نمبر ۴: مناولہ، محدث اپنی احادیث کا مجموعہ کسی کو دے دے اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) مناولۃ مقرون بالاجازۃ (۲) فقط مناولۃ

نمبر ۵: وجادۃ، کہیں کسی محدث کی مرویات کا مجموعہ مل جائے تو اس سے نقل کرنا۔

نوٹ: محدثین قرآۃ علی الشیخ، قرآۃ علی الشیخ، اجازت کا اعتبار کرتے ہیں باقی کا نہیں

کرتے۔

ان الفاظ میں قوت یا استعمال کے اعتبار سے کوئی فرق ہے؟

حافظ نے دو نقل کئے ہیں۔

نمبر ۱: امام زہری رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ، حمیدی

رحمۃ اللہ علیہ، یحییٰ بن سعید قطان امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ کے

ہاں تمام الفاظ مترادف ہیں۔ اکثر المغارِبہ اور کوفیین کا بھی یہی مسلک ہے۔ چونکہ لغت میں

ان میں کوئی فرق نہیں ہے، لہذا ان مذکورہ علماء میں سے بعض نے کہا کہ جب لغت میں کوئی

فرق نہیں ہے تو شرعی معنی کے اعتبار سے بھی کوئی فرق نہیں ہے۔

حافظ نے لکھا ہے ورجحہ ابن الحاجب فی مختصرہ، ونقل الحاکم عن

الائمة الاربعة

نمبر ۲: اگر استاد حدیث سناے تو ان الفاظ میں اس صورت میں کوئی فرق نہیں سب کو

استعمال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن قرآۃ علی الشیخ کی صورت میں مقید استعمال کریں گے۔ حدیثا قرآۃ علیہ۔ خبرنا قرآۃ علیہ الخ یہ اسحاق بن راہویہ، نسائی، ابن حبان، ابن مندہ رحمہم اللہ کا قول ہے۔

نمبر ۳: بعض کا قول: امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ، ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ، وہب تمیذ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ واکثر المشارقہ کا قول یہ ہے کہ صیغوں میں فرق ہے۔ حدیثا قرآۃ الشیخ کے لئے ہے، خبرنا قرآۃ علی الشیخ کے لئے اور انبأنا اجازت کی لئے استعمال کریں گے۔ ان کے ہاں ایک اور فرق بھی ہے کہ اگر استاد سے اکیلے سنے تو حدیثی اگر اجتماع کی صورت میں سنے تو حدیثا اگر قرآۃ علی الشیخ اکیلے کے لئے تو خبرنی اور اجتماع کی صورت میں خبرنا کہے اور اگر کوئی اور قرآۃ علی الشیخ کرتا ہے تو خبرنا فلان قرآۃ علیہ وانا سمع کہے۔ اسی طرح اجازت میں انبأنا علی هذا القیاس حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ مذکورہ فرق مستحب ہے اور واجب نہیں ہے اور اسی طرح حافظ نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمۃ الباب میں اپنے قول کی طرف اشارہ کیا ہے کہ عدم فرق مختار ہے اور اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اقوال سے دلیل پیش کی ہے جو ابتداً ذکر ہیں۔

فیما یروہ عن ربہ.....

یہ حدیث قدسی ہے اس سے امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ (۱) نبی علیہ السلام کی ساری روایات عن ربہ ہیں بواسطہ جبرائیل علیہ السلام کے اور عن ربہ میں واسطہ حذف کیا ہے کیونکہ بغیر واسطہ کے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف لیلۃ الاسراء میں سنا ہے تو اب جہاں واسطہ کو حذف کیا ہے یہ مرسل کے قبیل سے ہے اور یہ مقبول ہے جس طرح صحابی کا واسطہ حذف کرنے سے مرسل مقبول ہوتا ہے جبکہ محذوف ثقہ ہو۔

(۲) بعض روایات میں عن ربہ کی تصریح ہے بعض میں نہیں لیکن دونوں صورتیں برابر

ہیں۔

(۳) روایت مععنہ مقبول ہے بشرطیکہ راوی ثقہ ہو، مدلس نہ ہو اور لمن روی سے ایک

مرتبہ لقا بھی ہوئی ہو۔

ان من الشجر شجرة حد ثونی ماہی یہ مقام ترجمہ ہے۔

حافظ کا قول:

اس سے استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ اس حدیث کے تمام طرق کو جمع کیا جائے تو بعض میں حدیثی ہے بعض میں اخباری ہے اور بعض میں انبؤنی ہے، معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

(۲) اس سے اشارہ ہے کہ تمام صحیح اواء حدیث سے ثابت ہیں۔

قال فاستحييت بعض روایات میں ہے انا عاشر عشرة وانا اصغر القوم ہے۔ مجلس سے اٹھنے کے بعد اپنے والد عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ میرے دل میں خیال آیا تھا لیکن حیا کی وجہ سے نہیں کہا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تم اس وقت کہہ دیتے تو میرے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہوتا کیونکہ ممکن تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی ذہانت کے لئے دعا فرمادیتے۔

باب طرح الامام المسئلة ليختبر ما عند هم من العلم

اس باب میں اوپر مذکور حدیث نقل کی ہے۔

ترجمہ الباب کا مقصد:

سنن ابی داؤد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے نہی عن الاغلو طات کے متعلق کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکل مسائل پوچھنے سے منع کیا جس سے آدمی غلطی میں واقع ہوتا ہے۔ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ کسی صورت میں امتحان لینا جائز نہیں ہے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب قائم کیا کہ امتحان لینا جائز ہے اور جہاں منع ہے وہ اس صورت میں ہے کہ اپنی برتری کا اظہار کرنے کے لئے سوال کرے اور مجلس میں دوسرے کا ذلیل کرنا مقصود ہو۔ اور طلبہ کا امتحان رسوخ فی العلم کے لئے جائز ہے۔

محدثین نے لکھا ہے کہ امتحان اتنا مشکل نہ ہو کہ غور و فکر کے بعد بھی اس کی طرف ذہن نہ جائے اور اتنا آسان بھی نہ ہو کہ امتحان مذاق بن جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سوال پوچھا اس میں بعض قرآن تھے مثلاً اس وقت کھجور کے کچھ خوشے لائے گئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے قبل مثل کلمة طيبة

الایة بھی تلاوت فرمائی تھی۔

انہا مثل المسلم..... تشبیہ کس چیز میں ہے؟

(۱) استقامت میں مشابہت ہے۔

(۲) بعض نے لکھا ہے کہ جب اس کا سر کاٹا جائے تو سوکھ جاتا ہے۔

(۳) بعض نے لکھا ہے کہ جب یہ پانی میں ڈوب جائے تو ختم ہو جاتا ہے۔

(۴) انسان کی پیدائش جیسے بغیر منی کے نہیں ہوتی کھجور بھی بغیر تائبیر کے پھل نہیں

لاتا۔

(۵) حضرت آدم علیہ السلام جس مٹی سے پیدا ہوئے اس کے باقی ماندہ سے کھجور کو

پیدا کیا گیا۔ اس لئے تو اس کو عمتکم کہا گیا ہے۔

ان صورتوں کو حافظ نے رد کیا ہے کہ یہ صورتیں مسلمان کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔

اصح تر قول: جس طرح مسلمان تمام حالات میں دوسروں کے لئے نفع مند ہے ایسے

کھجور بھی تمام حالات میں مفید اور نفع مند ہے۔

باب القراءة والعرض علی المحدث

ورأى الحسن والشورى، ومالك القراءة جائزة، واحتج بعضهم بعضهم،

بحديث ضمام بن ثعلبة، واحتج مالك بصك..... حدثنا محمد بن سلام.....

عن الحسن، لاباس بالقراءة علی العالم، وحدثنا عبيد الله بن موسى عن سفیان،

إذا قرأ علی المحدث المحدث فلا بأس بان يقول حدثني

الحديث الثاني: حدثنا عبد الله بن يوسف..... عن انس بن مالك بينما

نحن جلوس مع النبي صلى الله عليه وسلم في المسجد فدخل رجل علی

جعل فاتاخره (الی آخره بتفصيلة)

ترجمة الباب کا مقصد:

بیان مسئلة من مسائل العلم اس مسئلہ میں مختصر سا اختلاف ہے تو امام بخاری رحمۃ

اللہ علیہ اس کو ذکر کر کے اپنے قول مختار کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

تفصیل: جیسے کہ گذر چکا کہ طرق تحمل حدیث میں سے ایک قرآۃ الشیخ ہے۔ یہ بالاتفاق جائز اور معتبر ہے۔

اور ایک طریقہ قرآۃ علی الشیخ کا ہے تو یہ صورت بعض کے ہاں بالکل غیر معتبر اور ناجائز ہے اور بعض کے ہاں جائز تو ہے لیکن قرآۃ الشیخ سے کمتر ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس ترجمۃ الباب سے دونوں کا رد مقصود ہے پہلے جواز کا ثبوت کرتے ہیں اور پھر حسن رحمۃ اللہ علیہ، سفیان رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کر کے دونوں میں تساوی کا ثبوت کیا ہے۔ نفس مسئلہ میں چند اقوال ہیں۔

نمبر ۱: قرآۃ علی الشیخ جائز نہیں۔

نمبر ۲: جائز ہے لیکن قرآۃ الشیخ سے کمتر ہے۔

نمبر ۳: امام بخاریؒ کا قول مختار کہ دونوں مرتبہ کے لحاظ سے برابر ہیں۔

نمبر ۴: امام مالکؒ کی طرف منسوب ہے کہ قرآۃ علی الشیخ قوی ہے قرآۃ الشیخ سے کیونکہ بعض دفعہ استاد غلطی کرے تو شاگرد غلطی پر تنبیہ نہیں کر سکتا۔ یا تو حیاء کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ شاید اس طریقہ سے پڑھنا بھی جائز ہو۔ بخلاف قرآۃ علی الشیخ کے اگر تلمیذ غلطی کرے تو استاد با آسانی تنبیہ کر سکتا ہے۔

نمبر ۵: اگر استاد اپنے حفظ سے سنا تا ہے تو قرآۃ الشیخ افضل ہے اور اگر استاد کتاب سے پڑھ کر سنا تا ہے قرآۃ علی الشیخ افضل ہے۔ حافظؒ کی رائے:

جمہور محدثین کے ہاں قرآۃ الشیخ قوی ہے اور دوسرے نمبر پر قرآۃ علی الشیخ ہے۔

امام مالکؒ سے جواب:

قرآۃ علی الشیخ ٹھیک اور افضل ہے بشرطیکہ استاد مغفل نہ ہو۔ بعض دفعہ استاد مغفل ہوتا ہے اور غلطی پر تنبیہ نہیں کرتا لہذا مطلقاً اس صورت کو افضل نہیں کہا جاسکتا۔

امام ابو حنیفہؒ سے دو قول نقل ہیں۔

(۱) دونوں صورتیں برابر ہیں۔

(۲) قرأه الشيخ اقوى ہے كما قال الجمهور۔

جبکہ امام مالک کے ہاں اصح قول قرأه علی الشیخ کی افضلیت کا ہے۔

ابن بطال نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ ہارون رشید اپنے دونوں بیٹوں کو لے کر مدینہ آئے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ میرے بیٹوں کو آ کر موطا سنائیں تو امام مالک نے کہا "العلم یوتی، العلم لایاتی" پھر ہارون بیٹوں کو لایا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھانے کی درخواست کی۔ انہوں نے کہا کہ یہ اس بلد والوں کی عادت نہیں، لہذا ہارون کے بیٹوں نے خود موطا سنائی۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نے لکھا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے تمام تلامذہ نے موطا خود سنائی ہے۔ یہ شرف صرف محمد بن الحسن شیبانی کو حاصل ہے کہ ان کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے خود اپنی زبان سے موطا سنائی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول مختار اور اس کے دلائل:

امام بخاری کے ہاں قرأه الشیخ اور قرأه علی الشیخ دونوں قوت کی لحاظ سے برابر ہیں اور اس کے ثبوت کے لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل پیش کئے ہیں۔

دلائل: سب سے پہلے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے۔

دلیل نمبر ۱: ضمام بن ثعلبہ کی حدیث کہ ان کی قوم کو قاصد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام تشریح کا علم دیا تو ضمام بن ثعلبہ تصدیق کے لئے مدینہ آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایک کر کے احکام کے بارے میں پوچھا کہ کیا یہ حکم اللہ کی جانب سے ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فقط نعم کہتے اور یہ صورت عرض علی العالم ہے جب ضمام قوم کے پاس گیا تو انہوں نے اس کی بات کو قبول کیا اور یہ نہیں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان سے ان چیزوں کا حکم نہیں دیا ہے بلکہ فقط نعم کہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرأه علی الشیخ معتبر ہے۔

نوٹ: اس حدیث سے فقط ان لوگوں کا رد ہے جو قرأه علی الشیخ کو غیر معتبر کہتے ہیں۔
دلیل نمبر ۲: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہنے ہیں کہ دو آدمیوں کے درمیان جب معاملہ ہوتا ہے مثلاً زید سے عمرو قرض لیتا ہے اور دستاویز (چیک) لکھی جاتی ہے۔ پھر غشی ان پر

پڑھ کر سنا تا ہے تو فقط ”ٹھیک ہے“ کہتے ہیں۔ لیکن جب بعد میں گواہ شہادت دیتے ہیں تو کہتے ہیں ”اشہدنا فلان“ جب باب الشہادت میں عرض معتبر ہے تو تحدیث میں بطریق اولی معتبر ہے کیونکہ شہادات میں احتیاط زیادہ ہے۔

دلیل نمبر ۳: پہلے زمانے میں قرآنہ حضرات قرآن نہیں پڑھاتے تھے بلکہ بچے پڑھنے اور قاری غلطی درست کرتے، بعد میں بچہ کہتا ”اقراءنی فلان“ جب باب القرآن میں عرض معتبر ہے تو باب تحدیث میں بطریق اولی معتبر ہے اس دلیل سے فقط قرآنہ علی الشیخ کا معتبر ہونا ثابت ہے۔ واحتج بعضهم بحدیث ضمام بن ثعلبہ حافظ نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ بعضهم سے مراد ”حمیدی“ ہے لیکن بعد میں اس مقام پر حافظ نے لکھا ہے کہ میں نے بعض لوگوں کی اتباع میں ”حمیدی“ لکھا تھا لیکن وہ غلط ثابت ہوا۔ اس سے ابو سعید الخدواء مراد ہیں۔

حدیث: بعض روایات میں تفصیل ہے کہ سورۃ المائدہ کی آیت ”لا تسئلوا عن اشیاء“ کے بعد ہم سمجھ گئے کہ تا معقول سوال سے منع کیا گیا ہے لیکن ہم چونکہ معقول اور تا معقول میں تمیز نہیں کر سکتے تھے لہذا ہم مطلقاً سوال کرنے سے رک گئے اور اس طرح ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہونے والے علم سے محروم ہو گئے۔ ہماری تمنا ہوتی کہ باہر سے کوئی سمجھ دار آدمی آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرے اور ہم بھی سن لیں۔ اسی عرصہ میں ضمام بن ثعلبہ آیا۔ ان کی قوم کو قاصد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی اور اس قول کے مطابق یہ مسلمان ہو گئے لیکن مزید تصدیق کے لئے قوم نے ضمام بن ثعلبہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ الخ۔

یہ واقعہ کب ہوا؟

(۱) واقدی اور محمد بن حبیب کا قول:

یہ ۵ ہجری کا واقعہ ہے، اس لئے ابن اسمین نے لکھا ہے کہ حج کا ذکر اس لئے نہیں کہ اس وقت تک فرض نہیں تھا۔

(۲) محمد بن اسحاق اور ابو عبیدہ کا قول:

یہ ۹ ہجری کا واقعہ ہے اور اس پر چند قرآن ہیں: (۱) ضمام بطور وفد کے آیا اور ستہ الوفود ۹ ہجری ہے۔

(۲) روایت میں خط اور قاصد کا ذکر ہے اور خطوط اور قاصد کا سلسلہ صلح حدیبیہ کے بعد واقع ہوا۔

(۳) ضمام بنی سعد کا آدمی ہے اور یہ ہوازن کی شاخ ہے اور ہوازن کا اسلام لانا ۸ ہجری میں ثابت ہے۔

ابن التین سے جواب: اس روایت میں حج کا ذکر نہیں ہے لیکن مسلم کی روایت میں حج کا ذکر ہے اور بخاری میں دوسری روایت میں حج کا ذکر ہے۔

ایکم محمد.....

یہ سوال اس لئے تھا کہ ابتدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم میں کھل مل کر بیٹھتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا تھا۔

فتاویٰ فی المسجد..... ابن بطلان نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے کیونکہ اونٹ کو مسجد میں باندھا ہے اور یہ ضرور پیشاب کرے گا۔ لیکن حافظ نے اس کو رد کیا ہے کہ مسند احمد میں تصریح ہے فاناخذ علی باب المسجد۔ واللہ اعلم۔

باب ما یذکر فی المناوۃ

و کتاب اهل العلم بالعلم الی بلدان

وقال انس: نسخ عثمان المصحف، فبعث بها الی الافاق، و رای ابن عبداللہ بن عمرو و یحیی بن سعید و ملک ذالک جائزا و احتج بعض اهل الحجاز بحديث النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیث کتب لامیر السریة۔

حدیث اول: حدثنا اسماعیل بن عبداللہ عن ابن مسعود ان ابن عباس اخبره ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعث بکتابہ رجلا.....

حدیث ثانی: حدثنا محمد بن مقاتل ابوالحسن..... عن انس رضی اللہ

عنه كتب النبي صلى الله عليه وسلم او اراد ان يكتب فقيل له انهم لا يقرؤن الا كتاباً مختصوماً فاتخذ خاتماً فضة نقشه: محمد رسول الله.

ترجمہ الباب کا مقصد:

تخل حدیث کے طرق میں سے ایک طریق کا بیان ہے۔ یہ صورت ہے ”مناولہ“ کی صورت یہ ہے کہ شیخ اپنے مرویات کا مجموعہ تلمیذ کو دے دے اس کی پھر دو صورتیں ہیں:

(۱) مناولہ مقرون بالا جازة (۲) مطلق مناولہ بغیر الا جازة۔ یعنی فقط مجموعہ دے دے اور نقل کرنے کی صراحت اجازت نہ دے۔

جمہور کے ہاں ”مناولہ مقرون بالا جازة“ مقبول ہے۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ مناولہ میں حدثنا، اخبرنا اور انبأنا استعمال کر سکتا ہے۔ لیکن اکثر کے ہاں حدثنا اور اخبرنا مطلقاً درست نہیں بلکہ حدثنا، مناولہ اور اخبرنا مناولہ استعمال کرے۔ لیکن مناولہ میں بہتر ”انبأنا“ ہے کیونکہ یہ مناولہ کے لئے خاص ہے۔

دوسرا طریقہ کتاب اهل العلم بالعلم الى البلدان، یہ صورت مقبول ہے یا نہیں؟ حدیث الباب سے اس کا معتبر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

شیخ الہند کا قول:

در حقیقت اس باب سے مقصد مناولہ کے مقبول ہونے کا ثبوت ہے لیکن چونکہ ”مناولہ“ کے بارے میں صریح روایت نہیں ہے لہذا دوسرا ترجمہ ”کتاب اهل العلم بالعلم“ کا بھی ایک ہی باب میں لائے ہیں اور یہ صورت چونکہ حدیث سے ثابت ہے تو ضمناً ”مناولہ“ کو بھی ثابت کیا ہے اور ایسے موقعوں پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یہی عادت ہے کہ دو ترجمے قائم کرتے ہیں اور دوسرا ترجمہ روایات سے ثابت ہوتا ہے تو ضمناً پہلا ترجمہ کرتے ہیں۔

جمہور کے ہاں مناولہ اور ”کتاب اهل العلم بالعلم الى البلدان“ دونوں معتبر

ہے۔

حافظ نے کتاب اهل العلم کے معتبر ہونے کے لئے شرائط لکھی ہیں۔

نمبر ۱: جس کی طرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے اشارہ کیا ہے کہ کتاب ”مختوم“ ہو۔

نمبر ۲: ثقہ اور معتمد آدمی کے ہاتھ بھیجا جائے۔

نمبر ۳: مکتوب الیہ، کاتب کے خط سے واقف ہو اور اس کا رسم الخط جانتا ہو۔

ابن بطلان اور علامہ کشمیری کا قول:

ابتدائی زمانہ میں کتاب القاضی الی القاضی معتبر تھا کیونکہ وہ خیر کا زمانہ تھا اور قاصد معتمد ہوا کرتے تھے لیکن بعد میں چونکہ شرعاً غالب ہوا لہذا اب کتاب القاضی میں دو گواہوں کو شرط کیا گیا ہے کہ قاضی ان کے سامنے خط لکھے اور پھر وہ خط کے ساتھ جائیں اور دوسرے قاضی کے پاس جا کر گواہی دیں۔ یہ گواہ اس لئے شرط ہیں کیونکہ قاعدہ ہے ”الخط يشبه الخط“

علامہ کشمیری فرماتے ہیں کہ یہ قاعدہ فقط ”دعاوی“ کے لئے ہے کہ مثلاً زید عدالت میں جا کر کہے کہ یہ بکر نے لکھا ہے لیکن بعد میں بکر انکار کرے تو یہ خط اور چیک مقبول نہیں ہے کیونکہ ”الخط يشبه الخط“ اس موقع پر زید گواہ لائے گا یا قسم کا معاملہ ہوگا۔ اس کے علاوہ دوسرے معاملات مثلاً بیع، شراء، نکاح، طلاق وغیرہ یہ خط کے ذریعے جائز اور معتبر ہیں۔

مناولہ کا ثبوت:

جب کتاب اہل العلم معتبر ہے تو ”مناولہ“ بطریق اولیٰ معتبر ہوگا کیونکہ ”مناولہ“ تو مشافہہ ہوتا ہے۔ جبکہ کتاب کی صورت مشافہہ نہیں ہوتی۔

اقویٰ کونسا ہے؟ بعض نے مناولہ کو اقویٰ کہا لکن مشافہہ اور بعض محدثین نے کتاب اہل العلم کو اقویٰ کہا ہے دوسرے قرآن کی وجہ سے۔

حافظ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قرآنہ الشیخ، قرآنہ علی الشیخ، مناولہ اور کتاب اہل العلم کو ذکر کیا ہے اور باقی طرق تحمل کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ یہ مذکورہ صورتیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مقبول ہیں اور باقی صورتیں مقبول نہیں ہیں۔

دلائل نمبر ۱: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحف کو جمع کیا یعنی یکجا لکھا اور پھر مختلف بلاد میں بھیجا تو لوگوں نے اس کو قبول کیا اور لوگوں نے انکار نہیں کیا یہ صورت کتاب اہل العلم بالعلم الی البلد ان کی ہے جو اس حدیث سے ثابت ہے۔

تفصیل: واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تبین وحی کو ترتیب سے قرآن لکھاتے، پھر خلافت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کو مجموعہ کی صورت میں جمع کیا گیا اور یہ مجموعہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ کو دیا۔ پھر خلافت عثمانی میں جب مجاہدین ہر طرف پھیل گئے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے مجاہدین کو آیات کے قرأت کے بارے میں لڑتے دیکھا ہے لہذا اس امت کو اختلاف سے پہلے سنبھال لیں۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لوگوں کو بلایا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ سے مصحف منگوایا اور اس کے چار یا پانچ نسخے تیار کئے۔ ایک نسخہ اپنے پاس رکھا جسے مصحف الامام کہتے ہیں اور دوسرے نسخے کوفہ، بصرہ اور شام کی طرف بھیجے۔

دلیل نمبر ۲: عبداللہ بن عمرؓ، یحییٰ بن سعیدؓ اور امام مالکؓ ان دونوں صورتوں کو جائز قرار دیتے تھے۔ یعنی ان کے ہاں مناوہ اور کتاب اہل العلم الی اہل العلم کی صورت جائز تھی۔

دلیل نمبر ۳: واحتج اهل الحجاز اس سے مراد حمیریؓ استاد امام بخاریؒ ہیں۔ یہ جمادی الثانی ۲ ہجری بدر سے پہلے کا واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جحش کی امارت میں سریہ روانہ کیا اور عبداللہ کو ایک خط دیا کہ فلاں مقام پر پڑھنا اس سے پہلے مت پڑھو۔ جب وہاں پر خط پڑھا تو لکھا تھا کہ نخلہ کے مقام پر چلے جاؤ اور کفار قریش کی خبر گیری لو۔ وہاں ابن الحضرمی کی امارت میں قافلہ آ رہا تھا کچھ جھڑپ ہوئی ابن الحضرمی مارا گیا اور یہ جھڑپ چونکہ یکم رجب کو ہوئی لہذا کفار نے واویلا شروع کیا کہ شہر الحرام میں قتال کیا ہے اسی موقع پر یسئلونک عن الشهر الحرام قتال فیہ۔ آیت نازل ہوئی۔

طرز استدلال: امیر کو خط دینا مناوہ ہے اور مقام مخصوص پر لوگوں کو پڑھ کر سنا دینا یہ

کتاب اہل العلم ہے۔

حدیث الباب: یہ خط عبد اللہ بن مر جس کے ہاتھوں عظیم الجبرین منذر بن سامی کے واسطے سے کسریٰ کو بھیجا۔ خط میں من محمد رسول اللہ الی کسریٰ لکھا تھا کسریٰ کا نام چونکہ مؤخر تھا اس لئے غصہ میں آ کر خط کو پھاڑ ڈالا۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع ملی تو بد دعا فرمائی کہ اللہم مزقہ کل معزق تو بعد میں کسریٰ کے بیٹے نے اپنی سوتیلی ماں کی محبت میں باپ کو مار ڈالا۔ ادھر کسریٰ نے ایک شیشی میں زہر رکھ کر اوپر سے قوت باہ کی چٹ چسپاں کر رکھی تھی جس کو کھا کر اس کا بیٹا بھی مر گیا۔ بعد میں بیٹی تخت نشین ہوئی۔ اور آخر میں یزدگرد بادشاہ بنا جو قتل ہوا۔ اس طرح ان کی حکومت ختم ہو گئی۔)

کسریٰ نے خط پھاڑا اور یمن کے گورنر یازان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ اس نے دو آدمی بھیجے بڑی موچھوں اور چھوٹی داڑھیوں والے (جیسے جماعت اسلامی والے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا ویسلکما من امر کما بہذا؟ فقالا امرنا ربنا کسریٰ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تو میرے رب نے داڑھی بڑھانے اور موچھیں گھٹانے کا حکم دیا ہے..... پھر فرمایا: جکاؤ میرے رب نے تمہارے رب کو قتل کیا۔ تو یہ یازان کے پاس گئے اس نے تھوڑا انتظار کیا جب کسریٰ مارا گیا تو یازان اپنے ساتھیوں سمیت مسلمان ہوا۔

طرز استدلال:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کے ہاتھ پر خط بھیجا اور یہ معتبر ہے یہی کتاب اہل العلم ہے۔

حدیث ثانی:

اس میں ہے کہ خط تب معتبر ہے جبکہ مختوم ہو اور ثقہ کے ہاتھ بھیجا ہو اور مکتوب الیہ کا تب کا رسم الخط جانتا ہو۔

فانخذ خاتما من فضة..... اس کی صورت یوں تھی: اللہ، رسول، محمد،

باب من قعد حيث ينتهي به المجلس ومن رأى فرجةً في الحلقة فجلس فيها

حدثنا اسماعيل..... عن ابي واقد الليثي ان رسول الله صلى الله عليه وسلم بينما هو جالس..... اذا قبل ثلاثة نفر فأقبل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وذهب واحد، فاما احدهما فرأى فرجةً..... واما الآخر فجلس خلفهم واما الثالث فادبر ذاهباً..... قال الا اخبركم عن نفر الثلاثة اما احدهم فأوى الى الله فأواه واما الآخر فاستحى فاستحى الله منه واما الآخر فاعرض فأعرض الله عنه.

ترجمہ الباب کا مقصد

نمبر ۱: حافظؒ اور ابن بطالؒ کے ہاں یہاں ”بیان ادب من آداب المتعلم“ ہے کہ جب متعلم مجلس علم میں آئے تو اگر حلقہ میں خالی جگہ دیکھے اور بغیر ایذاء کے وہاں تک پہنچ سکتا ہے تو حلقہ کے اندر بیٹھ جائے اور اگر حلقہ کے اندر جگہ نہ ہو یا جگہ ہو لیکن بغیر ضرر کے وہاں تک نہیں پہنچ سکتا یعنی لوگوں کو ضرر ہوتا ہے تو انتہاء مجلس میں لوگوں کے پیچھے بیٹھ جائے لیکن مجلس علم سے اعراض کر کے نہ جائے کہ یہ علم سے اور رحمت الہی سے محرومی کا سبب ہے۔

نمبر ۲: طالب علم کے متعلق ایک مسئلہ کا بیان ہے کہ بوقت طلب العلم تواضع اور انکساری کو اپنائے، چنانچہ بوجہ تکسیر مجلس علم سے اعراض کرنا سبب محرومی ہے۔

فرأى فرجةً في الحلقة..... حافظؒ نے لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر لوگ تھوڑے ہوں تو دائرہ میں بیٹھنا مستحب ہے اس طرح کہ وسط حلقہ خالی ہو۔

فوقفا على رسول الله..... یہاں پر یا تو مضاف محذوف ہے ای علی مجلس رسول الله۔ (۲) یا علی بمعنی عند ہے ای وقفنا عند رسول الله۔

واما الآخر فاستحى..... حافظ ابن حجرؒ نے اس کے دو معنی ذکر کئے ہیں۔

نمبر ۱: قاضی عیاضؒ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے حلقہ کے اندر بیٹھنے کے لئے مزاحمت نہیں کی اور لوگوں کے پیچھے انتہاء مجلس میں بیٹھ گیا، یہی مقصود ہے۔

نمبر ۲: اتی فاستحیٰ عن الذہاب اور اسی معنی کو حافظ نے ترجیح دی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو مستدرک حاکم میں منقول ہے کہ جب اس کو جگہ نہیں ملی تو جانے لگا لیکن پھر حیاء آئی کہ مجلس النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر استفادہ کئے کیسے جاؤں تو پھر لوٹ آیا اور بیٹھ گیا۔ لہذا یہاں حیاء عن الذہاب مراد ہے۔

فاستحیٰ اللہ منہ..... یعنی حیاء کا بدلہ (ثواب) دیا لفظ حیاء کا استعمال ذات واجب الوجود کے لئے مشاکلہ ہے۔

باب قول النبی ﷺ رب مبلغ اوعی من سامع

حدثنا مسدد..... عن عبدالرحمن ابن ابی بکرۃ عن ابيه، انه ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قال ای یوم هذا..... قال الیس بذی الحجة..... ای شہر هذا..... ای بلد هذا..... قال فان دماکم و اموالکم و اعراضکم حرام لحرمة یومکم هذا فی شہرکم هذا فی بلدکم هذا لیبلغ الشاهد الغائب فان الشاهد عسی ان یبلغ من هو اوعی له منہ.
ترجمہ الباب کا مقصد:

نمبر: بیان ادب من آداب المتعلم کہ معلم کو چاہئے کہ ہر کسی سے علم حاصل کرے چاہے استاد جو مفاہم اور معانی کو سمجھتا ہو یا نہ سمجھتا ہو اور معلم یہ نہ دیکھے کہ معلم علم کے اعلیٰ رتبہ پر فائز ہے یا نہیں۔

حضرت شیخ الحدیث نے یہی بات الابواب والتراجم میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے دوسرے انداز سے نقل کی ہے کہ آدمی تب تک عالم نہیں ہو سکتا حتیٰ یاخذ عن من هو فوقہ و عن من هو مثله و عن من هو دونہ۔

نمبر ۲: مقصد بیان ادب میں آداب المعلم ہے کہ معلم کسی کو پڑھانے سے انکار نہ کرے ہر کسی کو پڑھانے کیا معلوم کون زیادہ اوعی اور افہم ہو کہ ایسے فوائد حاصل کرے جو خود معلم حاصل نہ کر سکا ہو۔

حضرت شیخ الحدیث نے امام اعظمؒ استاد امام البرصیفہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ

امام اعمشؒ کسی مسئلہ میں مجھے جب امام صاحب تشریف لائے تو اعمشؒ نے آپ پر مسئلہ پیش کیا۔ امام صاحبؒ نے مسئلہ کا حل نکالا۔ تو اعمشؒ نے پوچھا کہ یہ آپ نے کہاں سے اخذ کیا ہے؟ امام صاحبؒ نے کہا من حدیث حدثنی کذا و کذا یوم کذا و کذا۔
جب اعمشؒ نے اس حدیث پر غور کیا تو فرمایا: انتم اطباء ونحن صیادلة کہ ہم تو جڑی بوٹیاں فروخت کرنے والے ہیں لیکن فوائد ہمیں معلوم نہیں ہیں اور آپ لوگ طبیب ہو جڑی بوٹیوں کے فوائد کے عالم ہو۔

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ضروری نہیں کہ معلم علم میں معلم سے کم ہو بلکہ بعض دفعہ معلم استنباط مسائل میں معلم سے بڑھ جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

حدیث الباب:

یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر بیٹھ کر خطبہ دیا۔

اشکال:

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ حدیث ہے لاتخذوا ظهور الدواب منابر اور اس واقعہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر بیٹھ کر خطبہ دیا ہے۔

جواب:

حافظؒ کی تطبیق:

نمبر ۱: جانور پر خطبہ دینا بلا ضرورت منع ہے اور بوقت ضرورت جائز ہے۔ تو تطبیق یہ ہے کہ منع بلا ضرورت کی صورت میں ہے اور یہاں پر ضرورت تھی۔

نمبر ۲: جانور پر طویل بیٹھنا منع ہے اور یہاں پر مختصر بیٹھنا واقع ہوا ہے جو کہ جائز ہے۔

ای یوم هذا ای شہر هذا، ای بلد هذا.....

یہ انداز خطاب ہے مخاطب کو متوجہ کرنے کے لئے اور بات کو واقع فی النفس کرنے کے لئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ صحابہ جانتے تھے کہ دن کون سا ہے، مہینہ کون سا ہے اور شہر کون

سا ہے لیکن وہ خاموش رہے، وہ یہ سمجھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سب کچھ معلوم ہے لیکن شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا نام تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ لہذا وہ خاموش ہو گئے اور اپنی رائے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کیا۔

اشکال:

اس حدیث میں ہے کہ ہم چپ ہو گئے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ہم نے جواب دیا کہ فلاں دن فلاں مہینہ فلاں بلد ہے تو حدیثین متعارض ہیں۔

جواب:

حافظ نے دو طرح سے تطبیق دی ہے۔

نمبر ۱: کہ مجمع زیادہ تھا، ابو بکرہ اپنے اردگرد لوگوں کا حال بیان کرتے ہیں کہ میرے اردگرد لوگ چپ ہو گئے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنے اردگرد کے لوگوں کا حال بیان کر رہے ہیں کہ انہوں نے جواب دیا تھا۔

نمبر ۲: ابو بکرہ کی روایت میں پورا واقعہ نقل ہے کہ لوگ اولاً خاموش ہو گئے تھے بعد میں جواب دیا تھا جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں صرف آخری حصہ نقل ہے۔

امسك انسان بخطامہ..... انسان سے مراد حافظ کے قول کے مطابق (۱) اصح تر قول "ابو بکرہ" ہیں۔

(۲) حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک اور قول بھی منقول ہے فان دماءکم و اموالکم حرام لحرمة یومکم ہذا فی بلدکم ہذا فی شہرکم ہذا۔

اشکال:

یہاں پر حرمت دماء وغیرہ کو حرمت یوم۔ حرمت شہر سے تشبیہ دی ہے حالانکہ حدیث میں ہے مسلمان کے خون کی حرمت بیت اللہ کی حرمت سے زیادہ ہے تو یہاں پر مشبہ بہ سے مشبہ حرمت میں اتویٰ ہے حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ مشبہ بہ، مشبہ سے قوی ہوتا ہے اور یہاں اس کا عکس ہے؟

جواب: یہ تشبیہ شہرت کی بناء پر ہے کہ ان کے ہاں اس دن اس مہینہ اور بلد کی حرمت

مشہور اور مسلم تھی لہذا حرمت خون کو اس سے تشبیہ دی ہے۔

فان الشاهد عسی ان یبلغ من هو او عی له منه.....

او علی بمعنی (۱) احفظ (۲) افہم۔

باب العلم قبل القول والعمل لقول اللہ عزوجل فاعلم انه لا اله الا اللہ فبدأ بالعلم وان العلماء هم ورثة الانبياء..... ومن سلك طريقا يطلب به علما سهل اللہ له طريقاً الى الجنة وقال انما يخشى اللہ من عباده العلماء۔ وما يعقلها الا العالمون۔ وقالوا لو كنا نسمع او نعقل الخ

ترجمہ الباب کا مقصد:

نمبر ۱: حافظ نے ابن مزیر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ترجمہ الباب کا مقصد یہ ہے کہ علم کا مرتبہ قول و عمل سے مقدم ہے کیونکہ قول و عمل کی تصحیح موقوف ہے۔ صحت نیت پر اور صحت نیت موقوف ہے اخلاص پر اور اخلاص نتیجہ ہے علم کا۔

نمبر ۲: علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ یہ بیان مقصود ہے کہ علم کا تقدم قول و عمل پر تقدم شرعی ہے تقدم زمانی کی طرف اشارہ نہیں ہے۔

نمبر ۳: شیخ الہند فرماتے ہیں کہ اس تقدم کو زمان اور شرع کی قید سے مقید کرنا درست نہیں ہے بلکہ مطلق چھوڑا جائے گویا اشارہ ہے کہ علم زمانا بھی اور شرعاً بھی مقدم ہے۔

نمبر ۴: اشاریہ الحافظ ایک مشہور مغالطہ کا رد ہے۔ مغالطہ یہ ہے کہ نصوص میں جو علم کے فضائل و مناقب ذکر ہیں وہ علم مع العمل کے لئے ہیں اور جو علم بلا عمل ہو اس پر یہ فضائل حاصل نہیں ہوں گے تو اس مغالہ کا رد مقصود ہے کہ علم کے دو مرتبے ہیں ایک علم مع العمل اور ایک علم بلا عمل۔ علم مع العمل بلاشبہ اعلیٰ مرتبہ ہے لیکن نصوص میں جو فضائل وارد ہیں وہ مطلق علم کے لئے ہیں چاہے عمل ساتھ ہو یا نہ ہو اب اگر عمل علم کے ساتھ نہ ہو تو وہ فضائل کا مستحق تو ہوگا۔ البتہ یہ الگ بات ہے کہ عدم عمل کی وجہ سے اس کا مواخذہ ہوگا۔

فاعلم انه لا اله الا اللہ واستغفر لذنبك..... یہاں سے دعویٰ کے دلائل کا

بیان ہے۔ حافظ نے لکھا ہے کہ یہ استدلال سفیان ابن عیینہ نے کیا ہے۔ ابو نعیم اصفہانی نے

حدیث العلماء میں لکھا ہے کہ ابن عیینہ نے یہ آیت پڑھی اور کہا کہ اس میں ابتداء علم سے کی ہے اور بعد میں استغفار کا ذکر ہے جو کہ عمل ہے، اس سے تقدم ثابت ہوتا ہے۔

العلماء وارثۃ الانبیاء..... یہ ابوداؤد کی حدیث کا ٹکڑا ہے، سنداً بعض نے صحیح اور بعض نے حسن قرار دیا ہے لیکن علی شرط البخاری نہیں تھی لہذا امام بخاری نے بطور حدیث اس کی تخریج نہیں کی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور ظاہر ہے کہ وارث کا وہی حکم ہوتا ہے جو مورث کا ہوتا ہے تو لہذا تعظیم کے لحاظ سے جو مقام انبیاء کا ہے وہی مقام علماء کا بھی ہوگا اس سے فضیلت علم ثابت ہوتی ہے۔ ورتوا العلم پر ما تو تو ریث سے ہے تو اس صورت میں فاعل انبیاء ہوں گے۔ یا یہ ورتوا مجرد ہے تو اس صورت میں فاعل علماء ہیں۔
من سئلك طريقا يطلب به علماً..... حافظ نے لکھا ہے کہ طریقاً اور علماً دونوں نکرہ ہیں تو دونوں جگہ تعظیم مقصود ہے۔

انما يخشى الله من عباده العلماء..... وجہ خشیت یہ ہے کہ خشیت علم کا اثر

ہے۔

قرأتین:

عام قرأت میں تو لفظ اللہ مفعول ہے اور العلماء فاعل ہے لیکن دوسری قرأت امام ابوحنیفہ اور عمر بن عبدالعزیز سے منقول ہے کہ لفظ اللہ مرفوع فاعل اور العلماء مفعول ہے تو اس صورت میں بخشی رعایت کے معنی میں ہوگا اس سے بھی ہمارا اور علم کا مقام معلوم ہوتا ہے۔

وما يعقلها..... ضمیر مونث امثال مذکورہ کو راجع ہے۔

وقالوا لو كنا نسمع او نعقل..... کفار دخول جہنم کے بعد افسوس کریں گے کہ کاش! ہم علم کی باتیں سنتے اور سمجھتے تو عمل کر لیتے اور جہنم سے بچ جاتے۔

هل يستوى الذين يعلمون..... استفہام کے ذریعے عدم التساوی بین

العلم والجهل کا بیان ہے۔

من یرد الله به خیرا یفقه فی الدین۔ انما العلم بالتعلم۔ حضرت معاویہ رضی

اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ دو خلافت میں مدینہ آئے اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں خطبہ دیا،
یا ایہا الناس تعلموا العلم انما العلم بالتعلم والفقہ بالتفقہ۔ آگے فرمایا۔ من یرد اللہ
بہ خیرا یفقہ فی الدین یہ بھی مرفوع حدیث ہے لیکن علی شرط البخاری نہیں ہے لہذا تخریج
نہیں کی۔ حافظ نے لکھا ہے کہ انما العلم بالتعلم سے ثابت ہوتا ہے کہ لبس العلم
معتبر الا العاخذ من الانبیاء و ورثتهم علی سبیل التعلّم۔

لو وضعتہم الصمصامة علی هذه یہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا
واقعہ ہے۔ یہ زہد و خشوع میں مشہور تھے، شام میں مقیم تھے ایک مرتبہ گورنر شام حضرت معاویہ
رضی اللہ عنہ کے ساتھ آیت والذین یکنزون الذهب الایة میں مخالفت ہو گئی۔ حضرت
معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا نزلت فی اهل الکتاب اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کہا
نزلت فینا و فیتهم اس اختلاف سے انتشار کا خطرہ پیدا ہوا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ان کو مدینہ بلا لیں تو مدینہ میں ان کے فتوؤں کی وجہ
سے اختلاف سا ہونے لگا۔ تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے مقام ”ربذہ“ میں
مقیم ہو گئے اور حکومت کی طرف سے ان پر فتویٰ دینے پر پابندی لگا دی گئی۔ ایک مرتبہ حج
کے موقع پر جمرۃ الوسطیٰ کے پاس لوگوں کو فتوے دے رہے تھے، اسی وقت ایک آدمی نے
آ کر کہا الم تنھی عن ذالک تو ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ لو وضعتہم
الصمصامة علی هذا و اشار الی قفا۔ الخ

استنباط مسئلہ: حافظ نے لکھا ہے کہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے عمل سے ثابت ہوتا
ہے کہ حکومت کی طرف سے فتویٰ پر پابندی کو پورا کرنا اور اس پر عمل ضروری نہیں گویا حضرت
ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی رائے میں حکومت کو یہ اختیار حاصل ہی نہیں۔

و کونوا ربانیین تفسیر ابن عباس کے مطابق اس کا معنی ہے۔

حکماء، علماء، فقہاء: سب سے اعلیٰ مرتبہ حکیم کا ہے پھر فقیہ کا اور پھر عالم کا

مرتبہ ہے۔

عالم: فقط مسائل کا جاننے والا۔ وجوہ اور اسباب و دلائل نہ جانتا ہو۔

فقیہ: مسائل مع وجوہ والا اسباب و دلائل کا عالم ہو۔

حکیم: مسائل مع الوجوه والاسباب والدلائل مع الحکمة کا عالم ہو اور منافع اور مضرات کا

جاننے والا ہو۔

تفسیر کا مقصد: تفسیر کا مقصد یہ ہے کہ حکیم بننا سب سے اعلیٰ مرتبہ ہی لیکن اس کے لئے ابتدا علم سے ہوتی ہے پہلے عالم پھر فقیہ اور پھر حکیم بنتا ہے۔ ربانی الذی یربى الناس یصغار العلم قبل کبارہ۔

صغار العلم وکبارہ کا معنی:

نمبر ۱: صغار علم سے مراد واضح مسائل اور کبار سے دقیق مسائل مراد ہیں۔

نمبر ۲: صغار سے فروع اور کبار سے اصول مراد ہیں۔

نمبر ۳: صغار سے وسائل یعنی علوم اکبر مراد ہیں اور کبار سے مقاصد یعنی علوم عالیہ مراد ہیں مقصد یہ ہے کہ ترتیب ایسی ہو کہ وہ علوم مقدم ہوں جو محتمل برداشت کر سکے پھر ترقی کرنی چاہئے۔

اشکال: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب میں مرفوع حدیث نہیں لائے؟

جواب نمبر ۱: کوئی حدیث اپنی شرط کے مطابق نہیں ملی۔

نمبر ۲: بعد میں حدیث لانے کا ارادہ تھا لیکن موقع نہ مل سکا۔

نمبر ۳: تشحیذ اذہان کے لئے حدیث کو چھوڑا ہے کہ خود مناسب حدیث تلاش کر کے

لاؤ۔ وغیرہ۔

باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یتخولہم بالموعظة والعلم کی لایتقروا

حدیث اول: حدثنا محمد بن یوسف عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولنا بالموعظة فی الايام کراهة السامة
علینا۔

حدیث ثانی: حدثنا محمد بن بشار عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ

وسلم قال یسروا ولا تعسروا بشروا ولا تنفروا۔

ترجمہ الباب کا مقصد:

بیان ادب من آداب المعلم ہے کہ معلم کو چاہئے کہ متعلم کے نشاط کا خیال رکھے اور ایسے اوقات میں پڑھائے کہ پڑھنے کے لئے دل میں شوق اور نشاط ہو اور تنفر اور اکتاہٹ پیدا نہ ہو۔

اکابرین کا قول ہے کہ وعظ و تعلیم و تعلم اگرچہ خیر ہے لیکن دن رات اسی میں مصروف نہیں رہنا چاہئے ورنہ اکتاہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ لہذا ایسے اوقات میں پڑھایا جائے کہ طلبہ کا ذہن سبق کے لئے متوجہ ہو۔

یتخولہم حافظ نے لکھا ہے کہ خال یا خائل کا معنی مال کی نگہداشت کرنے

والا۔

علامہ انور شاہ صاحب نے ”مگرانی کرنا“ کا معنی لکھا ہے۔

حافظ وغیرہ نے بتعرینا کا معنی کیا ہے کہ ہمیں عادی بناتے تھے یعنی تھوڑا تھوڑا وعظ فرماتے تاکہ ہم عادی ہو جائیں۔

بالموعظة والعلم یہاں اصل مقصود تخول بالعلم مقصود ہے بالموعظة مقصود بالذکر نہیں ہے لیکن چونکہ حدیث الباب میں موعظة کا ذکر ہے لہذا ترجمہ الباب میں علم کے ساتھ اس موعظة کو ذکر کیا۔ پھر اس سے علم کا حکم بھی ثابت کیا۔

موعظة خاص ہے اور علم عام ہے علم میں موعظہ بھی شامل ہے اور دیگر اشیاء بھی۔

یسروا ولا تعسروا طرز استدلال تیسیر کا حکم اپنے عموم کے اعتبار سے علم کو شامل ہے اور علم میں تیسیر یہ ہے کہ ابتداء تعلیم میں آسانی کی جائے اور عادی بنانے کے لئے زیادہ پڑھانے سے گریز کیا جائے۔ حدیث کا یہ جز ترجمہ الباب کے مناسب ہے۔

بشروا ولا تنفروا بعض محدثین نے اس جز کو بھی ترجمہ الباب سے مناسب کرنے کی کوشش کی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ تمام اجزاء ترجمہ کے مناسب ہوں بلکہ ایک جز کی مناسب کافی ہے۔

اشکال: حدیث میں تشبیہ کا مقابل تخفیر ذکر کیا ہے حالانکہ تبشیر کا مقابل انذار ہے اور

تیسیر کا مقابل تو تیسیر ہے؟

علامہ انور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ دراصل یہاں معلم کے لئے یہ نصیحت مقصود ہے کہ صرف و تخویف اور انذار پر اکتفا نہ کرے بلکہ تبشیر بھی کرے گویا مقصد یہ ہے کہ ابتداء میں تبشیر کیا کرو کیونکہ اس سے دل زیادہ متوجہ ہوتے ہیں البتہ جہاں انذار و تخویف کی ضرورت ہو تو وہاں تخویف بھی کیا کرے۔

باب من جعل لاهل العلم ایاماً معلومة

حدثنا عثمان بن ابی شیبہ..... عن ابی وائل کان عبداللہ یذکر الناس

فی کل خمیس فقال له رجل لوددت انک ذکرتنا کل یوم..... الی اکره ان املکم. الحدیث

ترجمہ الباب کا مقصد:

بیان مسئلہ من مسائل العلم کہ تعلیم و تعلم کے لئے تخصیص ایام شرعاً جائز ہے بدعت کے قبیل سے نہیں ہے، یہ باب گزشتہ کے لئے تکرار اور تہمت ہے۔ نگہداشت و تیسیر کی ایک صورت یہ ہے کہ تعلیم کے ایام متعین کئے جائیں۔ اور یہ فعل ابن مسعود کے عمل سے ثابت ہے۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حدیث سے استدلال کیا کہ کان یتحولنا..... الحدیث

ہمارے اکابر کہتے ہیں کہ تعین اوقات یا تعین ایام مقصود بالذات نہیں ہوتے اور نہ ان کو کوئی ثواب سمجھتا ہے۔ لہذا یہ بدعت نہیں کیونکہ بدعت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق من احدث فی امرنا هذا لیس منه فہو رد۔ الحدیث وہ قول محدث اور فعل محدث جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہو۔ ثواب اور دین سمجھتے ہوئے احداث کیا جائے اور ظاہر ہے کہ تعین اوقات کو کوئی ثواب اور دین نہیں سمجھتا لہذا یہ بدعت نہیں ہے۔

فقال رجل: رجل سے مراد یزید بن معاویہ الحنفی ہیں۔

باب من یرد اللہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین

حدثنا سعيد بن عفير..... عن معاوية رضى الله عنه يقول سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين وانما انا قاسم والله يعطى ولن تزال هذه الامة على امر الله لا يضرهم من خالفهم حتى ياتي امر الله۔

جیسا کہ گذر گیا ہے کہ ابتدائی مرتبہ عالم کا ہے پھر فقیہ کا اور پھر سب سے اعلیٰ مرتبہ حکیم کا ہے یہاں اس کا ذکر ہے۔
ترجمہ الباب کا مقصد:

اس سے پہلے جتنے ابواب گذر گئے ان میں علم اور عالم کی فضیلت کا بیان تھا اور اب فقیہ کی فضیلت کا بیان ہے کہ فقط عالم بننے پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے بلکہ اگلا مرحلہ فقیہ کا بھی حاصل کرے۔

فقیہ کا معنی ان نصوص میں جو فقہ اور فقیہ کا ذکر ہے اس سے فقہ اصطلاحی یعنی عالم بالفروع مراد نہیں ہے بلکہ مطلقاً فہم فی الدین کا معنی ہے۔

فقہ حنفی کی کتاب در مختار میں لکھا ہے کہ دنیا میں فقط انبیاء اور مبشرین بالجنتہ کی عاقبت معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا ہے، ان کے علاوہ باقی کسی کے بارے میں معلوم نہیں کہ اس کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا گیا ہے یا شر کا۔ یہ صرف فقہاء کی خصوصیت ہے کہ جس کو فقہ فی الدین دی گئی اس کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا گیا۔

انما انا قاسم والله يعطى..... کہ تمام نعمتوں کا حقیقی معطی تو اللہ ہے میں تو صرف لوگوں تک ان کا معین اور مقرر حصہ پہنچا دیتا ہوں۔

لن تزال هنا الامة قائمة على امر الله وفي بعض الروايات طائفة من هذه الامة اس طائفہ سے کون مراد ہیں؟ اس کے بارے میں چند اقوال ہیں:

امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس سے اہل العلم بالاثار یعنی محدثین مراد ہیں۔
امام احمد فرماتے ہیں کہ اس کا مصداق اگر محدثین نہ ہوں تو میں نہیں جانتا کہ یہ کون لوگ ہیں۔

قاضی عیاضؒ نے امام احمد کے قول کی تشریح میں کہا ہے کہ محدثین سے مراد اہل سنت والجماعت ہیں۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے کافی عرصہ تک تردد رہا کہ امام احمدؒ نے یہ قول کیسے کیا حالانکہ حدیث میں مجاہدین کی تشریح ہے پھر اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اس کا حل ڈال دیا کہ مجاہدین اور اہل سنت ایک ہی مصداق کی دو تعبیریں ہیں کیونکہ چودہ سو سال کی تاریخ گواہ ہے کہ جہاد فقط اہل سنت والجماعت ہی نے کیا ہے۔

امام نوویؒ سے حافظؒ نے نقل کیا ہے کہ ضروری نہیں کہ یہ طائفہ ایک ہی جماعت سے ہو بلکہ یہ ممکن ہے کہ اس کے افراد متعدد جماعتوں سے تعلق رکھتے ہوں بعض صوفیاء سے، بعض مجاہدین، بعض محدثین، فقہاء سے ہو سکتے ہیں اور اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اس طائفہ کے افراد یکجا جمع ہوں۔

حتیٰ باتی امر اللہ..... اس سے وہ ہوا مراد ہے جو قیامت سے ذرا پہلے چلے گی اس سے اہل ایمان کی روح قبض ہو جائے گی۔

باب الفہم فی العلم

حدثنا علی بن عبد اللہ..... عن مجاہد عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال

کننا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاتی بحمار فقال ان من الشجر شجرة.

ترجمہ الباب کا مقصد:

نمبر ۱: علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس ترجمہ الباب کا مقصد معلم کے آداب میں سے ایک ادب کا بیان ہے وہ اس طرح کہ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ لوگ فہم فی العلم میں مختلف ہوتے ہیں جیسے حدیث الباب سے ثابت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا تو ابن عمر رضی اللہ عنہ کا فہم اعلیٰ تھا فوراً نخلہ کی طرف ذہن گیا لیکن دیگر صحابہ کا ذہن نہیں گیا تو جب یہ ثابت ہو گیا کہ لوگ فہم فی العلم میں مختلف ہوتے ہیں بعض اعلیٰ بعض ادنیٰ اور بعض متوسط فہم کے مالک ہوتے ہیں تو معلم کو تینوں کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

نمبر ۲: مقصد یہ ہے الفہم فی العلم مطلوب کیونکہ گذر چکا ہے کہ کونوا رہانین کا معنی

ہے۔ کونوا فقہا علماء حکماء تو مقصد یہ ہے کہ تینوں مراتب کا حصول ضروری ہے یعنی فقط علم پر اکتفا نہ کرو بلکہ اگلا مرتبہ فقیہ کا حاصل کرو پھر اگلا مرتبہ حکیم کا حاصل کرو اگر تم کوشش کر کے فقیہ اور حکیم نہ بھی بن سکتے تو کم از کم کم فہم فی العلم تو حاصل ہو جائے گا اور یہی مطلوب چیز ہے۔

نمبر ۳: حافظ اور شیخ الہند فرماتے ہیں کہ مقصد یہ ہے باب الفہم فی العلم ای باب فضل الفہم فی العلم یعنی فضیلت فہم کا بیان ہے۔
اشکال:

اشکال ہوتا ہے کہ اس باب میں فہم کی فضیلت کا بیان کیسے ثابت ہوتا ہے حالانکہ حدیث الباب میں فہم العلم کی فضیلت کا کوئی ذکر نہیں ہے؟
جواب:

امام بخاریؒ کا طریقہ ہے کہ حدیث متعدد بار نقل کرتے ہیں کبھی مفصل اور کبھی مختصر اور اسی طرح کبھی ترجمہ الباب قائم کر کے مختصر حدیث لاتے ہیں لیکن مد نظر مفصل حدیث ہوتی ہے یہاں بھی یہی معاملہ ہے کہ اسی کو کتاب العلم میں مفصلاً ذکر کیا ہے جس میں ہے کہ مجلس کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے نخلہ کا خیال آیا تھا فاتحیت تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم اس وقت بتا دیتے تو میرے لئے حمر النعم سے زیادہ پسند ہوتا کیونکہ ممکن ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے فہم فی العلم کی دعا فرما لیتے تو اس سے فضیلت فہم فی العلم ثابت ہوتی ہے۔
فاردت ان اقول ہی النخلۃ..... یہ مقام ہے فہم فی العلم کا۔

صحبت ابن عمر الی المدینۃ فلم اسمعه بحدیث الخ دراصل صحابہ کرام تو قف اور احتیاط کا پہلا اختیار کرتے تھے کیونکہ حدیث میں وعید ہے: من حدث عنی حدیثاً وهو یری انہ کاذباً فلیتبعوا مقعدہ من النار، لہذا صرف شدید ضرورت کے بناء پر حدیث بیان کرتے ورنہ عموماً توفی اختیار کرتے اور یہی طریقہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بھی تھا۔

باب الاغتباط فی العلم والحکمة

قال عمر رضی اللہ عنہ تفقہوا قبل ان تسودوا وقال ابو عبد اللہ وبعد ان تسودوا..... حدثنا الحمیدی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ لاحسد الا فی اثنتین۔

ترجمہ الباب کا مقصد:

نمبر ۱: علم کی فضیلت اور اہمیت کا بیان ہے، فضیلت یہ ہے کہ یہ قابل غبطہ چیز ہے اور اہمیت یہ ہے کہ سیادت سے پہلے بھی علم حاصل کرے اور سیادت کے بعد بھی حاصل کرے۔
نمبر ۲: حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کا قاعدہ ہے کہ کبھی گزشتہ باب کی اجمال کو واضح کرنے کے لئے دوسرے باب قائم کرتے ہیں جیسے یہاں کہ ما قبل میں فہم فی العلم کی فضیلت بیان ہوئی تو اب یہ فہم کیسے حاصل ہوگا تو یہاں بتا دیا کہ تفقہوا قبل ان تسودوا وبعد ان تسودوا یعنی من المهد الی اللحد۔ اس طرح فہم حاصل ہوگا۔ فہم فی العلم کے بارے میں فرماتے ہیں۔ العلم لا یعطیک بعضہ حتی تعطیہ کلک۔

الاغتباط فی العلم والحکمة.....

ترجمہ الباب سے حدیث کی وضاحت مقصود ہے دو باتوں میں۔

نمبر ۱: حدیث میں ہے ”لاحسد الا فی اثنتین“ اور حسد نظر شریعت میں مذموم ہے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ الباب میں غبطہ کا لفظ لائے ہیں کہ حسد سے مراد غبطہ ہے اور غبطہ شرعاً جائز اور مطلوب ہے لقولہ تعالیٰ وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون۔
حسد اور غبطہ میں فرق:

حسد یہ ہے کہ دوسرے سے زوال نعمت کی تمنا کرے چاہے اس کو وہ نعمت ملے یا نہ ملے اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ حسد کرنے والا دوسرے کی نعمت دیکھ کر جلتا ہے جس کی وجہ سے زوال نعمت کی تمنا کرتا ہے اور یہ مذموم ہے۔ غبطہ یہ ہے کہ کسی کی صفت حسد دیکھ کر آدمی یہ تمنا کرے کہ اللہ مجھے بھی یہ نعمت عطا فرمائے، بغیر تمنا زوال نعمت من الغیر، کہ یا اللہ اس کے پاس بھی یہ نعمت ہے لیکن مجھے بھی عطا فرما دیجئے یہ جائز اور مطلوب ہے۔

نمبر ۲: دوسری وضاحت اس طرح ہے کہ حدیث میں ہے رجل اتاه الله الحكمة الخ تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں ”فی العلم والحكمة“ لائے ہیں تاکہ کتاب العلم سے مناسبت پیدا ہو جائے اور ویسے بھی حکمت کے درجہ تک پہنچنے تک راستہ علم سے گزرتا ہے کیونکہ علم مقدم ہوتا ہے پھر حکمت حاصل ہوتی ہے۔

قال عمر رضی اللہ عنہ تفقہوا قبل ان تسودوا قال ابو عبد اللہ وبعد ان

تسودوا

مقصد فقط یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ سیادت کے بعد علم حاصل نہیں کرنا چاہئے، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ سیادت کے بعد حصول علم سے موانع پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً یا تو یہ وجہ ہوتی ہے کہ سیادت کے بعد آدمی کو شرم آتی ہے کہ اس حال میں کیسے علم حاصل کروں گا اور یا یہ وجہ ہوتی ہے کہ سیادت کے بعد خدمت خلق کے تقاضے ہوتے ہیں اور تحصیل علم کا موقع نہیں ملتا۔

شیخ الہند فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ سیادت سے پہلے علم حاصل کرو ورنہ بعد میں جب اہل علم کی طرف لوگوں کی رجوع دیکھو گے تو حسد پیدا ہوگا اور عین ممکن ہے کہ لوگوں کے سامنے تمہاری خامیاں ظاہر ہو جائیں اور سیادت سے ہی ہاتھ دھونے پڑیں۔

سیادت کا معنی:

(۱) حافظ اور علامہ عینی نے قبل ان تزوجوا نقل کیا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ تروج سیادت کا جزء تو ہو سکتا ہے مکمل سیادت نہیں۔ (۲) سواد سے مراد صاحب لہیہ ہوتا ہے یعنی صاحب لہیہ ہونے سے پہلے حاصل کرو کیونکہ بعد میں ذہن مشوش ہوتا ہے اور تحصیل علم پوری طرح نہیں ہوتا۔

لاحسد الا فی اثنتین..... (۱) یا تو حسد سے غبطہ مراد ہے اس صورت میں ترجمہ شارح ہوگا یا حسد کا اپنا معنی مراد لیں مطلب یہ ہے کہ اگر حسد جائز ہوتا تو ان دو چیزوں میں جائز ہوتا۔

”فسلطه علی ہلکته فی الحق“ فی الحق کی قید سے اسراف سے احتراز ہوا ہے۔

حدیثنا اسماعیل بن ابی خالد علی غیر ما حدیثنا الزہری
مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث زہری نے ہمیں سنائی ہے اور اسماعیل نے بھی سنائی ہے۔
لہذا اضطراب کا اشکال نہ کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

باب ما ذکر فی ذہاب موسیٰ فی البحر الی الخضر

وقوله تعالیٰ: هل اتبعك علی ان تعلمن، حدیثنا محمد
عن الزہری عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انه تعارای هو والحربن قیس بن
الحصن الفزاری فی صاحب موسیٰ علیہ السلام.
ترجمہ الباب کا مقصد:

نمبر ۱: حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ علم قابل غبطہ چیز ہے تو
مقصد یہ ہے کہ اس کے حصول کے لئے مشقت برداشت کرنا چاہئے یہ مشقت کے بغیر
حاصل نہیں ہوگا۔

نمبر ۲: شیخ الہند فرماتے ہیں کہ گزشتہ باب میں تفقہوا قبل ان تسودوا و بعد ان
تسودوا ہے۔ تو اس باب میں اس اجمال کی تفصیل ہے یا اس دعویٰ کی دلیل ہے کہ حضرت
موسیٰ علیہ السلام نے نبوت اور سیادت کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام کے پاس تحصیل علم
کے لئے سفر کیا جیسا کہ فرمایا: هل اتبعك علی ان تعلمن مما علمت رشداً تو یہ واقعہ
ما قبل دعویٰ کے لئے ناقابل تردید دلیل ہے۔

نمبر ۳: بعض علماء اس باب کا مقصد یہ ہے کہ تحصیل علم کے لئے سفر جائز ہے۔
اشکال: اس قول پر اشکال ہوتا ہے کہ بعد میں اس مقصد کے لئے امام بخاری رحمۃ اللہ
علیہ ”باب الخروج فی طلب العلم“ لار ہے ہیں۔ لہذا یہ قول درست نہیں ہے۔

نمبر ۴: اس اشکال سے بچنے کیلئے بعض نے کہا ہے کہ سفر دو قسم پر ہے بری اور بحری تو
یہاں پر سفر بحری کے جواز کا ثبوت ہے اور آگے باب میں سفر بری کا ثبوت ہے۔
اشکال: اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ قول تب درست ہو سکتا ہے جب یہ ثابت ہو جائے

کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سفر الیٰ خضر فی البحر تھا حالانکہ یہ سفر حضرت خضر علیہ السلام تک بری تھا البتہ ملاقات کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام نے بحری سفر کیا ہے۔ لہذا ترجمۃ الباب میں ”ذہاب موسیٰ فی البحر الیٰ خضر“ کے الفاظ غلط ہیں۔

۱۔ حافظ ابن حجر اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ اس اشکال سے بچنے کے لئے ہم دو جگہ میں اگر مضاف محذوف مان لیں گے تو اشکال سے بچا جاسکتا ہے۔
 نمبر ۱: فی البحر میں ”البحر“ سے پہلے ”ساحل“ مضاف محذوف مان لیں تو عبارت یوں بنے گی۔ ”ما ذکر فی ذہاب موسیٰ فی ساحل البحر“ تو اشکال نہیں ہوگا۔
 نمبر ۲: الیٰ خضر میں خضر سے پہلے ”مقصد“ کو مضاف محذوف مان لیں تو عبارت ہوگی ”فی ذہاب موسیٰ فی البحر الیٰ مقصد خضر“ اس صورت میں بھی اشکال نہیں ہوگا۔

نمبر ۳: حافظ نے ابن منیر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اس مقام پر الیٰ خضر میں الیٰ بمعنی ”مع“ ہے جیسے قرآن مجید میں ہے ”ولا تأکلوا أموالکم الیٰ أموالکم ای مع أموالکم“ تو عبارت ہوگی۔ ذہاب موسیٰ فی البحر مع خضر۔ اس صورت میں بھی معنی واضح ہے۔ کیونکہ خضر سے ملاقات کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحری سفر کیا تھا۔

نمبر ۴: حافظ نے ابن رشید کے حوالے سے یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ الفاظ اپنے ظاہر پر محمول ہے اور ممکن ہے کہ یہ سفر الیٰ خضر سمندر میں ہوا ہو۔ حافظ نے اس کے لئے دو مؤیدات ذکر کئے ہیں۔

نمبر ۱: حدیث ہے کہ ملاقات ہوئی ہے فی جزیرہ من الجزائر اور ظاہر ہے جزیرہ تک پہنچنے کے لئے بحر میں سفر کرنا پڑتا ہے۔

نمبر ۲: حدیث ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام روانہ ہوئے ”فکان یتبع اثر الحوت فی البحر“ اور حوت جب بحر میں گھس گئی تو سوراخ سا بن گیا اور اس سوراخ کی مدد سے خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

انه تعلمی هو والحربن قیس فی صاحب موسی الخ

ایک اختلاف تو یہ ہے صاحب موسیٰ کے بارے میں اور آگے ایک اختلاف سعید بن جبیر اور نوف البرکالی کے درمیان خود موسیٰ کے بارے میں ہے کہ کون سے موسیٰ مراد ہیں بنی اسرائیل کے نبی یا موسیٰ بن میثی۔ حضرت سعید کا قول تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نبی مراد ہیں جبکہ نوف البرکالی کا قول تھا کہ موسیٰ بن میثی مراد ہیں۔ اس موقع پر ابن عباس نے ابی بن کعب کی یہ روایت سنائی۔
واقعہ کی تفصیل:

ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے لوگوں کو وعظ کر رہے تھے فجاء رجل فسأله، هل تعلم احدا احلم منك فقال لا اور حقیقت میں ایسا ہی تھا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی تھے اور نبی اپنے زمانے میں سب سے اعلم ہوتا ہے لیکن یہ ایک طرح سے اپنے علم کا دعویٰ تھا اور اللہ کو یہ بات پسند نہ آئی تو فرمایا: بسل عبدنا خضر تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملنے کے لئے اس کا راستہ پوچھا لیکن یہ چونکہ شفقت کا مقام نہ تھا عتاب کا مقام تھا لہذا راستہ کی تعیین نہیں کی مگر علامت بتادی کہ مچھلی ساتھ لے لو۔ جہاں مچھلی گم ہو جائے وہی مطلوبہ مقام ہے۔ مختصراً یہ کہ جب خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو خضر علیہ السلام سفید چادر لپیٹے ہوئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلام کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا اور کہا کہ زمین پر سلام کرنے والا کون ہے؟ فرمایا میں موسیٰ ہوں..... دونوں کشتی میں سوار ہوئے ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے بیٹھ کر چونچ سے پانی پینے لگی تو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میرا تمہارا اور ساری مخلوق کا علم اللہ کے علم کے مقابلے میں اتنا بھی نہیں ہے جتنا کہ سندس سے چڑیا نے چونچ میں پانی اٹھایا ہے۔ اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ادب اور تعلیم مقصود تھی کہ آپ کو یہ کہنا چاہئے تھا اللہ اعلم۔

بعض لوگ اس واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ ولی افضل ہے نبی سے۔ لیکن یہ فضول باتیں ہیں، البتہ یہ بات ہے کہ یہ دعویٰ اللہ تعالیٰ کو ناپسند تھا، ورنہ خضر علیہ السلام کے

پاس تکوینیات کا علم تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تشریحات کا علم تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہ تو تکوینی علوم کی ضرورت تھی اور نہ تکوینی علوم، تشریحی علوم سے افضل ہیں۔ کچھ حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں:

ان کا نام بلیا بن مکنان ہے اور یہ افریڈون کے زمانے کے ہیں بعض کے ہاں قبل ذوالقرنین ہے اور بعض کے ہاں ذوالقرنین کے دور کے ہیں۔ بعض کے ہاں نبی ہیں اور بعض کے ہاں ولی ہیں، اصح قول نبوت والا ہے۔

صوفیاء کے قول کے مطابق زندہ ہیں اور محدثین کے مطابق وفات پا چکے ہیں۔

وجہ تسمیہ:

حضرت خضر اس لئے کہلاتے ہیں کہ یہ جہاں بھی پاؤں رکھتے وہ جگہ سرسبز ہو جاتی۔
انہ تماری هو والحر معلوم ہوا کہ علمی مسائل میں اختلاف شائستگی کے ساتھ جائز ہے۔

فدعاہ ابن عباس رضی اللہ عنہ معلوم ہوا کہ اختلاف کے وقت اپنے سے اعلم کے پاس جانا چاہئے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللهم علمہ الكتاب

حدثنا ابو معمر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال ضمنی رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم وقال اللهم علمہ الكتاب

ترجمۃ الباب کا مقصد:

نمبر ۱: ما قبل میں گزر گیا کہ حصول علم کے لئے مشقت اور جدوجہد کرنا چاہئے حتیٰ کہ سمندر کے پر مشقت سفر سے بھی گریز نہیں کرنا چاہئے۔ یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ صرف مشقت برداشت کرنا اور جدوجہد کرنا کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ توفیق من جانب اللہ بھی ضروری ہے جس کی صورت یہ ہے کہ محنت مشقت کے ساتھ ساتھ خود دعا کرنا اور بزرگوں سے دعا کرنا مفید اور نافع علم کے حصول کے وسائل ہیں، جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے محنت کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی جس سے خوش ہو کر آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے حصول علم کی دعا فرمائی اور نیتجتاً ابن عباس قرآن کے سب سے بڑے عالم اور ترجمان القرآن بن گئے۔

۲: بیان ادب من آداب المتعلم ہے کہ حصول علم کے لئے محنت کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ استاد اور شیخ کے ارضاء کے لئے اس کی خدمت کرو تا کہ وہ خوش ہو کر تمہارے لئے دعا کریں تو اس کی وجہ سے علم نافع حاصل ہوگا۔

چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا واقعہ بعض نے نقل کیا ہے کہ چونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خالہ میمونہ رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں سے تھیں تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کی معمولات معلوم کرنے کے لئے حضور رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا..... رات کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو کر بیت الخلاء تشریف لے گئے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے موقع غنیمت جان کر خدمت کے لئے وضو کے لئے پانی پیش کرنا چاہا، اس کی تین صورتیں تھیں (۱) بیت الخلاء میں جا کر پانی پیش کرنا لیکن یہ تستر کے خلاف تھا۔ (۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے کا انتظار کیا جائے اور پانی طلب کرنے پر پیش کیا جائے اس میں ایک تو تائاً خیر تھی اور ممکن تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانی طلب نہ فرماتے۔ (۳) پانی لے جا کر بیت الخلاء کے پاس رکھا جائے یہ صورت بہتر تھی لہذا یہ اختیار کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے وضو کیا پوچھا کہ پانی کس نے رکھا ہے بتایا گیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سینے سے لگایا اور دعا کہ اللہم علمہ الكتاب۔

نمبر ۳: طالب علم محنت کرے اور ساتھ ساتھ اساتذہ کا ادب بھی کرے بلکہ تمام وہ وسائل جن سے حصول علم میں معاونت ہوتی ہے ان کا ادب ضروری ہے اسی واقعہ میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہو گئے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی پیچھے کھڑے ہو گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ پھر پیچھے ہو گئے۔ یہ معاملہ تین بار ہوا۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے ہونے کی وجہ پوچھی تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ ہیں۔ میں کیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوی کھڑا ہو جاؤں۔ اس حسن ادب سے خوش ہو کر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ لہذا وسائل علم مثلاً کتاب، درس گاہ، کاپی، تپائی، قلم وغیرہ کا ادب علم نافع کے اسباب ہیں۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ میں کتاب کے سامنے استاد کی طرح ادب سے بیٹھتا ہوں اور میں نے کتاب کو مطالعہ میں کبھی اپنا تابع نہیں کیا بلکہ میں کتاب کے تابع ہو کر مطالعہ کرتا ہوں۔ یعنی حاشیہ پڑھنے کے لئے کبھی کتاب کو نہیں موڑا بلکہ خود اس طرف سے جا کر بیٹھتا ہوں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اللہ نے کیا علم عطا کیا۔

فائدہ: طالب علم کے پاس شیخ کے سینے سے علم حاصل کرنے کے لئے حسن ادب سے زیادہ اچھا طریقہ نہیں ہے۔

فضمنی ضم کا مقصد: وہی نسبت اتحادی پیدا کرنا تھا۔

علمہ الكتاب ضمیر کا مرجع ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں، اس لفظ کو امام بخاریؒ ترجمۃ الباب میں لائے ہیں۔ اشارة الى ان هذا لا يختص بابن عباس رضی اللہ عنہ

باب متى يصح سماع الصغير

حدیث اول: حدثنا اسماعيل عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال اقبلت راكبا على حمار انا وانا يومئذ قد ناهزت الاحتلام۔ (الحدیث)

حدیث ثانی: حدثنا محمد بن يوسف عن محمود بن الربيع، قال عقلت من النبي صلى الله عليه وسلم محبة محها في وجهي وانا ابن خمس من دلو۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

بیان مسئلہ من مسائل العلم ہے لیکن اس مسئلہ سے پہلے تمہید سن لیں کہ محدثین کی اصطلاح میں استاد سے حدیث سننے کو تحمل حدیث کہتے ہیں۔ اور حدیث سننے کے بعد دوسرے کو سنانا یہ اداء حدیث کہلاتا ہے۔ تو اب مسئلہ یہ ہے کہ تحمل حدیث کتنی عمر میں کر سکتا ہے۔ تو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں بخاریؒ کے استاذ یحییٰ بن معینؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے درمیان اختلاف ہے۔ یحییٰ بن معینؒ کے ہاں تحمل حدیث کے لئے

پندرہ سال عمر شرط ہے دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ چودہ سال کی عمر میں بدر میں آپ رضی اللہ عنہ کو قبول نہیں کیا گیا جبکہ احد کی لڑائی میں پندرہ سال کی عمر میں قبول کیا گیا۔ امام احمد نے اس بات کو رد کیا ہے کہ یہ واقعہ جہاد سے متعلق ہے اس کا تحمل حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے بعض علماء کے ہاں پانچ سال شرط ہے اور بعض نے نو اور دس سال کا قول کیا ہے۔ پانچ سال کا قول کرنے والوں نے محمود بن الربیع کی حدیث الباب سے استدلال کیا ہے۔

امام احمد، امام بخاری اور جمہور کے ہاں تحمل حدیث کے لئے شرعا کوئی عمر مقرر نہیں ہے البتہ تمیز شرط ہے کہ بچہ تمیز کر سکے اور بات سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور اس تمیز میں لوگ مختلف ہوتے ہیں۔ بعض چھوٹی عمر میں سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور بعض بڑھاپے اور سفید داڑھی کے باوجود نہیں سمجھتے۔ لہذا عمر کی کوئی تعیین نہیں۔

یحییٰ بن معین کا قول:

حافظ نے اس کے دو مطلب لکھے ہیں:

(۱) ۱۴ سال سے پہلے استاد کے پاس حاضر ہونا جائز نہیں یعنی اس سے پہلے علم

حدیث شروع نہ کرے۔

(۲) ۱۴ سال کی عمر سے پہلے سنی ہوئی بات کو بعد میں نقل کرنا جائز نہیں ہے۔

اقبلت راکبا علی حمار اتان..... یہ حجة الوداع کا واقعہ ہے۔

یہاں پر اتان کو لائے ہیں حمار کی تانیٹ ظاہر کرنے کے لئے کیونکہ حمار اسم جنس ہے

مذکر اور مونث دونوں پر اطلاق ہوتا ہے ترکیب میں اتان۔ حمار کے لئے یا تو صفت ہے اور

یا حمار سے بدل واقع ہوا ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ حمارۃ لانے سے یہ مقصد حاصل ہو جاتا لیکن حافظ ابن حجر

زرکشی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ”حمارۃ“ کا اطلاق گدھی اور خچر پر ہوتا ہے، لہذا حمارۃ

کے معنی میں اشکال تھا کہ اس سے خچر مراد ہے یا گدھی؟

الی غیر جدار ای سترة غیر الحدار..... معنی یہ ہے کہ سترہ تھا لیکن دیوار کے علاوہ

کوئی اور سترہ تھا لہذا سترة الامام سترة لمن خلفه تو اگر ابن عباس لوگوں کے سامنے

سے گزر رہے تھے تو کوئی حرج نہیں اور گدھی نمازیوں کے سامنے سے گزر رہی تھی جس سے معلوم ہوا کہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

فقہ کَرْم سے فقہ اصطلاحی کے لئے آتا ہے اور سمع سے مطلقاً تفتہ کے لئے آتا ہے۔

اشکال یہاں مشہور اشکال ہے کہ حدیث میں تمثیل بیان کی گئی ہے لیکن مثل یعنی زمین کی تو تین قسمیں بیان کی ہیں اور مثال یعنی انسان کی دو قسمیں بیان کی ہیں لہذا دونوں میں مطابقت نہیں؟

جواب نمبر ۱: جس طرح مثال میں دو قسم کا بیان ہے اسی طرح حقیقتاً مثل بہ کی بھی دو ہی قسمیں بیان ہیں اگرچہ ظاہراً تین اقسام معلوم ہوتی ہیں لیکن حقیقتاً دو قسم ہیں نافع اور غیر نافع اسی طرح انسان کی بھی دو قسم بیان کیں نافع اور غیر نافع۔ لہذا اس طرح مطابقت حاصل ہو جاتی ہے۔

نمبر ۲: یہ کہ جیسے مثل بہ زمین کی تین قسمیں بیان ہیں اسی طرح انسان کی بھی تین قسمیں بیان ہیں وہ اس طرح کہ قسم اول میں دو قسم داخل ہیں تو تین اقسام یوں ہوں گی۔ (۱) علم حاصل کیا، خود عمل کیا اور دوسروں کو بھی نفع دیا۔ (۲) علم حاصل کیا خود خاطر خواہ عمل نہ کیا لیکن دوسروں کو نفع دیا۔ (۳) وہ آدمی جس نے نہ علم حاصل کیا اور نہ ہی دوسروں کو نفع دیا۔ لہذا مطابقت پیدا ہوگی اب قسم دوم یعنی جو خود منتفع نہ ہو اس کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) خود صرف فرائض پر تو عمل کرے لیکن مستحبات پر عمل نہ کرے۔ (۲) یہ کہ روایت تو جمع کرے لیکن استنباط مسائل کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔

قال ابو عبد اللہ..... بعض روایات میں تو خوب سیراب ہونے کو اشارہ ہے۔

باب رفع العلم وظهور الجہل

وقال ربیعة لا ینبغی لاحد عنده شی من العلم ان یضیع نفسه.

حدثنا عمران بن مغیرة..... عن انس رضی اللہ عنہ ان من اشراط

الشاعة ان یرفع العلم ویثبت الجہل ویشرب الخمر ویظہر الزنا.

ترجمہ الباب کا مقصد:

وہی مضمون سابق کا تسلسل ہے عنوان بدل کر وہی مضمون تاکید کے طور پر بیان فرما رہے ہیں کہ اگر تدریس اور تعلیم کو چھوڑا گیا تو رفع العلم ہوگا اور نتیجتاً جہل غالب ہوگا اور یہ اشراط الساعۃ سے ہے اور اس کا سبب علماء بنیں گے لہذا علم حاصل کرنے کے بعد تدریس نہیں چھوڑنا چاہئے۔

اشراط الساعۃ کی تفصیل:

علامات قیامت کے متعلق شاہ رکن الدین محدث دہلوی کی کتاب میں لکھا ہے کہ علامات قیامت دو قسم کے ہیں (۱) صغریٰ (۲) کبریٰ۔

علامت صغریٰ: علامات صغریٰ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شروع ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت علامات صغریٰ میں شامل ہے علامات کبریٰ میں سے (۱) حضرت مہدی اس وقت کے مجدد ہوں گے۔ (۲) نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ (۳) خروج یاجوج ماجوج وقتالہم مع عیسیٰ (۴) ظہور دجال وقتالہ مع عیسیٰ علیہ السلام (۵) طلوع الشمس من مغربہا۔ وغیرہ ان علامات کا ظہور بالکل قرب قیامت میں ہوگا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ علامات ایسی تسلسل کے ساتھ ہوں گے جیسے تسبیح کے دانے تسبیح ٹوٹنے وقت مسلسل گرتے ہیں۔

ترتیب علامات کیا ہوگی؟

احادیث میں تمام علامات کی ترتیب تو صراحتاً ذکر نہیں ہے البتہ بعض کے بارے میں احادیث وارد ہیں کہ سب سے پہلے مہدی کا ظہور ہوگا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے تو عین اسی وقت امام مہدی امام کے لئے آگے بڑھنا چاہیں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر ان سے آگے ہونے کی درخواست کریں گے۔ وہ کہیں گے یہ آپ لوگوں کی خصوصیت ہے پھر دجال کا ظہور ہوگا حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوج لے کر مقابلہ کے لئے نکلیں گے۔ دجال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھے گا تو یذوب کما یذوب الملح پھر یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا جن سے مقابلے کی تاب کسی میں نہیں ہوگی حضرت عیسیٰ علیہ السلام مع لشکر کے

پہاڑ پر چلے جائیں گے یا جوج ماجوج زمین میں خوب فساد برپا کریں گے پھر یہ کہہ کر کہ اب آسمان والوں سے نمٹتے ہیں تو آسمان کی طرف تیر پھینکنے شروع کریں گے۔ اللہ جل شانہ ان پر موت طاری کریں گے پوری زمین لاشوں سے بھر جائے گی پھر کچھ پرندے ان کی لاشیں اٹھا کر سمندر میں پھینکیں گے۔

تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام واپس آجائیں گے زمین پر تمام برکات واپس آجائیں گے پھر آجہ الارض کا ظہور ہوگا پھر ایک نرم ہوا آئی گی جس سے اہل ایمان کی روہیں قبض ہو جائیں گی پھر اشرار الخلق پر قیامت قائم ہوگی۔

حدیث میں جو علامات مذکور ہیں یہ علامت صغریٰ ہیں:

لخمسين امرأة القيم الواحد ای القائم بامورہا.....

یہ مطلب نہیں کہ سب بیویاں ہوں گی اور یہ کثرت زنا کا نتیجہ ہوگا کیونکہ کثرت زنا سے دو عذاب مسلط ہوتے ہیں (۱) کثرت نساء (۲) قحط کا مسلط ہونا۔ یا یہ ساری بیویاں ہوں گی اور جہل کی علامت ہے کہ ایک آدمی ۵۰، ۵۰ عورتوں سے شادی کرے گا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانے میں لکھا ہے کہ آج کل بھی ترکمانستان میں جہالت کی وجہ سے لوگ پچاس پچاس شادیاں کرتے ہیں لخمسين امرأة سے عدد معین مراد نہیں یہ کثرت کے لئے ہے۔

شئ من العلم..... سے مراد فہم ہے کہ کچھ ذرا فہم ہو تو علم ضرور حاصل کرے۔

لاحدنکم حدیثنا لا یحدنکم احد بعدی..... یا تو مخاطب اہل بصرہ ہیں تو مراد یہ ہے کہ بصرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سب سے آخری صحابی تھے یا مخاطب عام لوگ تھے تو مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث میرے سوا کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی ہے۔ کہ وہ تمام لوگوں کو سنائے۔

باب فضل العلم

حدیثنا سعید بن عفیر..... عن ابن عمر قال: سمعت رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم یقول بینما انا نائم او تیت بقدرح لبن فشربت.....

اشکال:

ترجمہ الباب پر اشکال ہوتا ہے کہ کتاب العلم کی ابتداء میں بھی باب فضل العلم قائم کیا ہے تو بظاہر تکرار پر نظر آتا ہے؟

جواب نمبر ۱: علامہ یعنی رحمۃ اللہ علیہ سے ابتدائی باب میں علماء کی فضیلت کا بیان تھا اور یہاں علم کی فضیلت کا تو تکرار نہیں ہے۔

نمبر ۲: حافظ سے منقول ہے کہ ابتدائی باب میں فضل سے مراد فضیلت تھی اور یہاں فضل سے مراد زیادت فی العلم ہے یعنی ضرورت سے زائد علم کے بارے میں باب ہے۔ لہذا کوئی تکرار نہیں ہے۔

زائد علم کا مطلب:

نمبر ۱: شیخ الہند فرماتے ہیں کہ مثلاً آدمی مسلمان ہے اور فقیر ہے تو اس کے لئے اپنی ذات کے لئے طہارت، صلوٰۃ، صوم وغیرہ کے مسائل جاننا تو ضروری ہیں لیکن یہ چونکہ فقیر ہے لہذا حج اور زکوٰۃ کے مسائل کے لئے اس کی اپنی ضرورت نہیں۔ یہ اس کے لئے زائد علم ہے تو آیا اس آدمی کے لئے زائد علم حاصل کرنا جائز ہے؟ اور لا یعنی میں تو داخل نہیں ہے؟ تو امام بخاری نے باب قائم کر کے بتایا کہ زائد علم حاصل کرنا مستحسن اور بہتر ہے بقدر ضرورت علم تو اپنے عمل میں لائے اور زائد علم دوسروں کو سکھلائے۔

نمبر ۲: علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ زائد علم کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کسی کے پاس کتب ہیں کچھ ضرورت کے ہیں اور کچھ ضرورت سے زائد ہیں تو یہ کسی اور کو دے دے۔ یا یہ کہ طالب علم کسی استاد سے علم حاصل کر رہا ہے تو بقدر ضرورت علم حاصل کرنے کے بعد استاد کو چھوڑ دے تاکہ دوسرے طالب علم حاصل کر سکیں لیکن بے تکلف بات شیخ الہند صاحب کی ہے۔

ترجمہ الباب کا مقصد:

وہی شیخ الہند کی بات ہے کہ قدر ضرورت سے زائد علم کا حاصل کرنا مستحسن اور بہتر

ہے۔

او تبت بقدر لبن فشربت لاری الری الخ
ری: سیرابی، تر و تازگی

پہلی بات:

تو یہ ہے کہ لبن کی تعبیر علم سے کی ہے تو ان دونوں میں مناسبت کیا ہے؟

جواب:

مناسبت یہ ہے کہ دودھ جسم ظاہری کے لئے غذا ہے اور علم روح کی غذا ہے۔

دوسری بات:

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت سے زائد علم دوسروں کو منتقل کرنا چاہئے۔

تیسری بات:

حدیث سے بظاہر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ پر ثابت ہوتی ہے باقی صحابہ رضی اللہ عنہم پر تو فضیلت مسلم ہے لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فضیلت خلاف واقعہ ہے؟

جواب: اس حدیث میں اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا ذکر ہے لیکن دیگر احادیث میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت زیادت علم کا ذکر ہے مثلاً (۱) حدیث میں ہے کہ اللہ نے جو علم میری سینے میں اتارا صبیثہ فی صدر ابی بکر (۲) جب اذا جاء نصر اللہ الآیۃ اتری تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے ایک بندہ کو اختیار دیا، دنیا کی زندگی اور اللہ کی ہاں نعمتوں کے درمیان تو بندہ نے اللہ کے ہاں نعمتوں کو اختیار کیا۔ اس موقع پر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: فدیناک بآبائنا وامہاتنا۔ صحابہ کو تعجب ہوا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر بات واضح ہو گئی کہ یہ نکتہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سمجھ گئے تھے اور حدیث میں الفاظ ہیں۔ وکان ابو بکر رضی اللہ عنہ اعلمنا۔

باب الفتیا وهو واقف علی ظہر الدابة او غیرها

حدثنا اسماعیل عن ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقف فی حجة الوداع بمنی للناس یسالونہ، فحاء رجل

وقال لم اشعر وحلفت قبل ان اذبح، قال: اذبح ولا حرج.

ترجمہ الباب کا مقصد:

نمبر ۱: شاہ ولی اللہ اور شیخ الہند فرماتے ہیں کہ یہ بات اصول میں سے ہے کہ مفتی سکون کی حالت میں فتویٰ دے چلنے پھرنے کی حالت میں فتویٰ نہ دے کیونکہ عموماً ایسی حالت میں غلطی ہو جاتی ہے لہذا سکون کی حالت میں فتویٰ دے۔

امام بخاری نے یہ باب قائم کر کے بتا دیا کہ سواری کی حالت میں اگر کوئی سوال کیا جائے تو اس کا جواب دینا جائز ہے اور یہ صورت چلنے پھرنے میں داخل نہیں ہے۔

نمبر ۳: امام فخر الدین رازی کے نزدیک حدیث میں چونکہ آیا ہے لا تحعلوا ظہور دوابکم منابر کیونکہ جانوروں کی تخلیق خاص مقصد کے تحت کی گئی ہے بعض دودھ کے لئے بعض ہل چلانے اور بعض بوجھ اٹھانے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں تو اس صورت میں اشکال ہو سکتا تھا کہ تقریر اور فتویٰ دینا علی ظہر الدابہ جائز نہ ہوگا تو امام بخاری نے یہ باب قائم کر کے اشکال کو دفع کیا کہ حدیث میں جہاں منع ہے تو وہ بلا ضرورت اور اظہار شان کی صورت پر حمل ہے اور بوقت ضرورت خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

اشکال:

ترجمہ الباب میں وهو واقف علی الدابہ کے الفاظ ہیں جبکہ حدیث الباب میں اس کا ذکر نہیں ہے لہذا دعویٰ اور دلیل میں مطابقت نہیں ہے۔

جواب:

حافظ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے حسب عادت کتاب الحج کی حدیث کو مد نظر رکھ کر باب قائم کیا ہے وہاں الفاظ ہیں کسان واقفاً علی الدابہ اس صورت کو ترجمہ شارح کہتے ہیں۔

فقال فحلفت قبل ان اذبح فقال اذبح ولا حرج.....

حاجی کی تین قسمیں ہیں: (۱) مفرد جو تجاوز عن المیقات کے وقت صرف حج کی نیت کرے۔ یہ مکہ جا کر طواف قدم کر کے احرام پر مستمر رہے گا اور وہ ذی الحجہ کو منیٰ آ کر رمی

کرے پھر حلق کرے اس پر دم نہیں اس پر صرف رٹی اور حلق کی ترتیب ہے اس کے بعد حل ناقص حاصل ہوگا اور طواف زیارت کے بعد حل کامل ہوگا۔

(۲) متمتع: جو عند تجاوز عن المیقات صرف عمرہ کا احرام باندھے پھر عمرہ کے بعد حج کا احرام باندھے۔

(۳) قارن جو عند تجاوز عن المیقات دونوں کی نیت کرے۔ یہ دونوں منیٰ میں آ کر بالترتیب رمی، ذبح اور حلق کریں گے۔ عند احناف والمالکیہ۔ یہ ترتیب واجب ہے اور عند الشافعی و احمد مستحب ہے تو احناف کے نزدیک اس ترتیب کی غلطی سے دم واجب ہوگا اور امام شافعی و امام احمد کے ہاں دم واجب نہ ہوگا، حدیث الباب ان کی مستدل ہے۔ احناف اس کا جواب دیتے ہیں:

جواب: اس حدیث کی دو تاویلیں ہیں (۱) ولا حرج سے مراد ولا اثم ہے کہ گناہ نہیں ہے لیکن اس سے دم کی نفی لازم نہیں آتی۔

(۲) یہ چونکہ عام طور سے پہلا حج تھا لوگ احکام سے واقف نہیں تھے لہذا من جانب اللہ لوگوں کی رعایت کی گئی بعد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ تھا: من قدم شیئاً و اخر فعليه دم۔

باب من اجاب الفتيا باشارة اليد والرأس

حدیث اول: حدثنا موسى بن اسماعيل..... عن ابن عباس رضي الله عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم مثل في حجته.

حدیث ثانی: حدثنا المكي بن ابراهيم..... عن ابي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم يقبض العلم و يظهر الجهل و يكثر الهرج..... فقال هكذا بيده فحر كها كانه يريد القتل.

حدیث ثالث: حدثنا محمد اسماعيل..... عن اسماء قالت اتيت عائشه رضي الله عنها وهي تصلي فقلت ماشان الناس ف اشارت الي السماء.

ترجمة الباب كما مقصد:

نمبر ۱: حضرت شاہ ولی اللہ کا قول ہے کہ مقصد فقط یہ ہے کہ موقع تعلیم پر اشارہ استعمال کرنا جائز ہے۔

نمبر ۲: حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں کہ احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم موقع تعلیم پر بار بار الفاظ دہراتے صحابہ بعض دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشقت دیکھ کر فرماتے لیتہ سکت اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے اذنا تکلم تکلم بکلام فصیح اور اس طرح نقل ہے رفتار تکلم کے بارے میں کہ نعدہ بعدہ تو ایک طرف یہ انداز تعلیم ہے اور دوسری طرف تعلیم بالاشارہ ہے اور یہ مسلم ہے کہ اشارہ تصریح کی طرح نہیں ہے تفہیم میں کیونکہ بعض اشارات مفہم نہیں ہوتے تو اس طرح سے وہم ہوتا تھا کہ فتویٰ جو کہ تعلیم کا ایک نوع ہے اس میں اشارہ کا استعمال جائز نہ ہوگا تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب قائم کر کے بتا دیا کہ لکل مقال مقام و لکل مقال مقام، ”ہر سخن نکتہ و ہر نکتہ مقامے دارد“ کہ مقام تصریح پر تصریح مستحسن ہے اور مقام اشارہ پر اشارہ مستحسن ہے۔

من بالشارة اليد والرأس

اشکال:

یہ کتاب العلم ہے اور یہ باب تو فتویٰ کے متعلق ہے؟

جواب:

فتویٰ بھی ایک نوع تعلیم ہے کیونکہ مستفتی کو مسئلہ بتا دینا ایک نوع علم تعلیم ہے حدیث اول اور ثانی اشارہ بالید کے متعلق ہیں اور حدیث ثالث اشارہ بالرأس کے متعلق ہے۔ حدیث ثالث: یہ صلوٰۃ الکسوف ۹ ہجری کا واقعہ ہے۔ حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تھا۔

وهي تعصى فقلت ما شان الناس فاشارت الى السماء الخ.

اشکال:

نماز میں اشارہ بالرأس اشارہ مفہم ہے اور یہ تو مفسد الصلوٰۃ ہے۔

جواب:

(۱) یہ واقعہ قبل حکم الفساد کا ہے۔ (۲) وہی تصلی سے مراد ترید ان تصلی ہے۔

اشکال:

یہ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل نہیں ہے؟

جواب: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہی تھیں

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انی لاری من خلفی تو اس ارشاد کے لحاظ سے آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل دیکھا اور نکیر نہیں کی تو یہ تقریر ہے۔

لم اکن زابنتہ.....

اشکال: جنت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں دکھائی گئی تو کیسے یہ غایت درست

ہو سکتی ہے کہ حتی الحنۃ والنار؟

جواب: یہاں رؤیت سے مراد رؤیت عام سفلی میں مراد ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو جو رؤیت ہوئی تھی وہ عالم بالا میں تھی۔

حتى الحنۃ والنار کا اعراب: (۱) منصوب جب حتی غایہ کے لئے ہو۔ (۲)

مجرور ہے جب کہ حتی جارہ ہو۔ (۳) مرفوع ہے جب کہ حتی ابتدائی ہو۔

تفتنون فی قبور کم مثل فتنة الدجال.....

تشبیہ اس لئے دی ہے کہ دجال کا فتنہ بھی سخت ہوگا اور احیاء عن القبور کا دعویٰ کرے گا

اور قبر سے شیطان بصورت مردہ کے زندہ نکلے گا، تو لوگ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے کہ شاید یہ

حقیقی خدا ہے ایسے ہی نکیر منکر کا فتنہ بھی اتنا ہی سخت ہوگا۔

علمک بهذا الرجل..... هذا سے اشارہ یا تو معبود فی الذہن کو ہو گیا یا آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کی تصویر سامنے لائی جائے گی۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اور اس مردہ کے

درمیان سے حجاب ہٹایا جائے گا۔

باب تحریض النبی وفد عبدالقیس علی ان یحفظوا الایمان

والعلم ویخبروا من ورآہم

وقال مالك بن الحويرث قال لنا النبي صلى الله عليه وسلم: ارجعوا الى اهليكم فعلموهم۔

حدثنا محمد بن بشار عن ابى جمره رضى الله عنه: قال كنت اترجم بين ابن عباس رضى الله عنه وبين الناس.

ترجمۃ الباب کا مقصد:

بیان ادب من آداب العلم کہ فقط پڑھانے پر اکتفاء نہ کرے بلکہ حفظ کرنے کی ترغیب اور دوسروں تک منتقل کرنے کی ترغیب بھی کرتا رہے تاکہ تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رہ سکے، اس کی طرف قرآن کریم میں اشارہ ہے کہ ”ولینذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يرجعون“ اس معنی کے ثبوت کیلئے دو واقعے دلیلًا نقل کئے ہیں:

(۱) مالک بن حویرث کا واقعہ تعلقاً نقل کیا ہے کہ مالک بن حویرث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ۱۹ دن رہے تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اشتیاق الی الاہل کو محسوس کیا تو ان کو گھر جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اپنے اہل خانہ کو یہ باتیں سکھلا دو۔

(۲) دوسرا واقعہ وفد عبد القیس کا ہے اس میں ہے احفظوه واخبروه من وراءکم اس کی تفصیل کتاب الایمان میں گزر چکی ہے۔

باب الرحلة فی المسئلة النازلة

حدثنا محمد بن مقاتل ابو الحسن عن عقبة الحارث انه تزوج فأتته امرأة فقالت انى ارضعت عقبة والتى تزوج بها الخ اشكال:

پہلے بھی امام بخاری طلب علم کیلئے سفر کا باب قائم کر چکے ہیں اور اب یہاں پر دوبارہ یہی مسئلہ بیان ہو رہا ہے تو بظاہر تکرار نظر آتا ہے۔

جواب:

(۱) گزشتہ باب میں سفر بحری کا بیان تھا اور یہاں سفر بری کا بیان ہے۔

(۲) گزشتہ ترجمہ عام تھا اور یہ ترجمہ خاص ہے۔ یعنی باب سابق میں مطلقاً علم کیلئے

سفر کا بیان تھا اور یہاں مسئلہ النازلہ کیلئے سفر کا بیان ہے، تو تکرار نہیں ہے۔ یہاں پر یہ بیان ہو رہا ہے کہ اگر کوئی مسئلہ پیش آئے اور آدمی کو خود بھی معلوم نہ ہو اور قریب میں بھی کسی کو معلوم نہ ہو تو اس صورت میں دو احتمال ہیں (۱) آدمی اپنے خیال سے فیصلہ کرے (۲) آدمی سفر کر کے کسی عالم سے مسئلہ معلوم کر لے۔ امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ ایسی صورت میں سفر کر کے مسئلہ معلوم کرنا چاہئے۔

ترجمہ الباب کا مقصد:

مقصد یہی ہے کہ اگر مسئلہ معلوم نہ ہو تو اپنے گمان پر فیصلہ نہ کرے بلکہ کسی عالم کے پاس سفر کر کے اس سے مسئلہ معلوم کرے۔

واقعہ کی تفصیل:

عقبہ نے غیبتہ نامی عورت سے شادی کی، ایک عورت آ کر کہنے لگی ارضعت عقبہ والتی تزوج بها یعنی یہ دونوں رضاعی بہن بھائی ہیں۔ عقبہ کا خیال تھا کہ یہ جھوٹ ہے لیکن دل میں خلش سی پیدا ہوئی تو شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر مسئلہ معلوم کر لیا۔

کیف و قد قیل..... ای کیف تباشرها

مسئلہ رضاعت ایک عورت کی اطلاع سے ثبوت رضاع کا حکم:

نمبر ۱: امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ رضاعت مآلاً معاملہ مالی ہے لہذا اس میں نصاب شہادت ضروری ہے ایک عورت کی اطلاع سے رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ معاملہ مالی اس طرح ہے کہ جب عورت رضاعت کا دعویٰ کرے تو گویا اجرت رضاعت کا دعویٰ کر لیا، کیونکہ ثبوت رضاعت سے اس کے لئے اجرت ثابت ہوگی۔

نمبر ۲: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک عورت کی اطلاع کافی نہیں بلکہ دو عورتیں ضروری

ہیں۔

نمبر ۳: امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ چار سے کم عورتوں کی اطلاع سے رضاعت ثابت

نہیں ہوگی۔

نمبر ۳: امام احمد فرماتے ہیں کہ ایک عورت کی اطلاع سے رضاعت ثابت ہوتی ہے۔ انہوں نے حدیث باب سے استدلال کیا ہے۔

جمہور کا جواب: کیف و قد قبل کا حکم قضاء نہیں ہے بلکہ ایک مشورہ ہے کہ شرعاً تو یہ نکاح جائز ہے لیکن چونکہ لوگوں میں تمہاری رضاعت کی بات مشہور ہو چکی ہے لہذا احتیاطاً تم اس نکاح کو ختم کر دو۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے فیض الباری میں منقول ہے کہ ایک عورت کی اطلاع کی دو صورتیں ہیں (۱) قبل النکاح، اس صورت میں یہ اطلاع تسلیم کی جائے گی۔ (۲) بعد النکاح، اس صورت میں تسلیم نہیں ہوگی۔ شیخ خیر الدین رحمٰنیؒ سے درمختار میں نقل ہے کہ ایک حکم قضاء ہے اور ایک دیانۃ قضاء تو نصاب شہادت پر ہوگی جبکہ دیانۃ مفتی ایک عورت کی اطلاع پر فتویٰ دے سکتا ہے تو یہ حکم دیانۃ تھا قضاء نہیں تھا۔
قضاء اور دیانت میں فرق:

فیض الباری منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ کبھی کبھی حلال اور حرام کا فرق ہوتا ہے کہ قضاء کوئی کام حلال ہوتا ہے اور دیانۃ وہ حرام ہوتا ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بہت سی مثالیں پیش کی ہیں۔

باب التناوب فی العلم

حدثنا ابو الیمان عن عمر رضی اللہ عنہ قال و کنت و جارلی و کنا نتناوب فی النزول
ترجمہ الباب کا مقصد:

علماء نے دو تعبیر کئے ہیں لیکن مقصد دونوں کا ایک ہے۔
نمبر ۱: طالب علم کو صرف تحصیل علم میں منہمک نہیں رہنا چاہئے بلکہ اخراجات کی فکر بھی ضروری ہے۔

نمبر ۲: اگر کوئی آدمی دنیا کے معاملات میں مصروف ہے اور تحصیل علم کا وقت نہیں ملتا تو کسی اور کاروباری آدمی کو ساتھ ملا لے اور دونوں تحصیل علم کے لئے باری مقرر کر لیں۔

دونوں کا مقصد ایک ہی ہے کہ ہمہ وقت علم میں مصروف رہنے سے اہل و عیال کا حق ضائع ہوتا ہے لہذا بار مقرر کر کے دونوں کام سرانجام دے۔

حدیث الباب:

حدیث مختصر ہے اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شادی انصاری عورت سے کی تھی جس کی بناء پر عوالی المدینہ میں رہنا پڑتا تھا۔ انہی ایام میں غسان کی طرف سے مدینہ پر حملہ کا خطرہ تھا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ساتھی شام کو اضطرابی حالت میں آیا تو کہتے ہیں کہ مجھے حملے کا خیال آیا لیکن اس نے کہا حدث امر عظیم کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زوجات کو طلاق دیدی ہے۔ اس سے پہلے ازواج مطہرہ کا حضور کے ساتھ کچھ معاملہ ہوا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو سمجھایا تھا..... صبح حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو دیکھا کہ لوگ مسجد میں بیٹھے رو رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چبوترے میں تشریف فرما تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی، نہ ملی دوبارہ اجازت طلب کی نہ ملی پھر کہا میں حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے سفارش لے کر نہیں آیا ہوں بلکہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں تو میں حفصہ رضی اللہ عنہ کا سراڑا دوں۔ پھر اجازت مل گئی۔ پوچھنے پر معلوم ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زوجات کو طلاق نہیں دی فقلت اللہ اکبر۔

باب الغضب فی التعلم والموعظة اذا رأى ما یکره

حدیث اول: حدثنا محمد بن کثیر..... عن ابی مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ قال قال رجل یارسول اللہ انی لا اکاد اذ رک الصلوٰۃ مما یطول بنا فلان..... فمارایت النبی فی الموعظة غضبا من یومئذ.

حدیث ثانی: حدثنا عبد اللہ بن محمد..... عن زید بن خالد الجهنی،

سئل عن اللقطة.

حدیث ثالث: حدثنا محمد بن العلاء..... عن ابی موسیٰ سئل النبی عن

اشیاء کرہا فلما اکثر علیہ غضب.....

ترجمہ الباب کا مقصد:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب طالب علم تمہارے پاس آئیں فقولوا لہم مرحباً تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طالب علم کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے اور ایسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رؤف اور رحیم تھے اور ایضاً ارشاد ہے انما بعثتم میسرین الخ تو ان احادیث کا تقاضہ ہے کہ تعلیم اور وعظ کے موقع پر غصہ کا اظہار نہ کیا جائے۔ تو اسی اشکال کو دفع کرنے کے لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب قائم کیا کہ بوقت ضرورت اور بقضاء حالت غصہ کا اظہار جائز ہے گویا یہ بیان ادب من آداب المعلم ہے کہ جب حکمت کا تقاضہ ہو تو غصہ جائز بلکہ کبھی کبھی تو مستحسن اور ضروری ہے۔ واللہ اعلم۔

فی التعلیم والموعظة.....

اصل مقصد جواز الغضب فی التعلیم کا ثبوت تھا لیکن چونکہ مندرجہ بالا تمام حدیثوں میں مجلس وعظ کے واقعات ہیں اور غضب فی التعلیم کے بارے میں احادیث صراحتاً نہیں تھے لہذا ترجمہ الباب میں ”والموعظة“ کا لفظ بڑھا دیا اور ان احادیث سے غضب فی وقت التعلیم کا جواز ثابت کیا ہے اس طرح سے کہ (۴) وعظ بھی تعلیم کی ایک نوع ہے جب وعظ میں اظہار غصہ جائز ہے تو تعلیم میں بھی جائز ہوگا۔ (۲) جیسے تعلیم میں معلم کے ساتھ نرمی و شفقت کا معاملہ ضروری ہے ایسے ہی وعظ میں بھی ضروری ہے تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعظ میں اظہار غصہ ثابت ہے تو تعلیم میں بھی جائز ہوگا۔

لا اکاد ادرك الصلوة مما يطول بنا فلان.....

اشکال: یہ شکایت بظاہر درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ تطویل الصلوة تو ادراک الصلوة کا سبب ہے جبکہ عدم ادراک کا کیونکہ نماز تطویل ہوگی تو دیر سے آنے والا بھی ادراک کرے گا تو صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ کیسے کہا کہ اس تطویل الصلوة کی وجہ سے میں نماز نہ پانے والا ہوں۔

جواب نمبر ۱: اس اشکال کے جواب میں حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی عیاض

سے نقل کیا کہ اصل عبارت یہ ہے۔ لا اکاد اترك الصلوة الخ کہ اس تطویل کی وجہ سے میرا ارادہ نماز ترک کرنے کا ہے لیکن حافظ نے خود کہا ہے کہ اس قول کی تاکید احادیث سے نہیں ہوتی۔

نمبر ۲: اس عبارت کا معنی یہ ہے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ نماز میں شریک نہ ہوں کیونکہ معاذ نماز میں تطویل کرتے ہیں (جو ناقابل برداشت نہیں) تفصیل واقعہ:

عمر و بن کعب زمیندار آدمی تھے رات کو تھکے ماندے آئے اور معاذ بن جبل نے نماز میں سورہ بقرہ شروع کی۔ عمرو سے برداشت نہ ہو سکی نماز توڑ کر انفرادی نماز پڑھ لی۔ معاذ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو فرمایا شاید وہ منافق ہو گیا ہے۔ عمرو کو یہ بات بہت ناگوار گزری لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر آئے حضور سخت غصہ ہوئے اور فرمایا۔ 'ما بال الناس..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطبہ میں تخفیف صلوٰۃ کا حکم فرمایا۔ امام بخاری نے ترجمہ الباب کے لئے اس سے استدلال کیا ہے۔

لقط اٹھانے کا حکم

حدیث ثانی: سنبل عن اللقطة.....

لقطہ کا اٹھانا جائز ہے بشرطیکہ حسن نیت سے اٹھائے اور نہ اٹھانے کی صورت میں ضائع ہونے کا خطرہ ہو لیکن اگر نیت ذرا سی بھی خراب ہو گئی تو لقطہ ہرگز اٹھانا جائز نہیں۔

عرفہا سنة..... جمہور علماء مع امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ ہر چیز کی تعریف ایک سال تک نہیں ہے بلکہ اشیاء کے مختلف ہونے سے تعریف بھی مختلف ہوگی۔ احادیث سے ثابت ہے کہ ذی قیمت شئی کی ایک سال تک تعریف کرے، جب مالک آئے اور ملتقط کو اس کا ظن غالب ہو کہ یہی مالک ہے تو دے دے ورنہ گواہوں کا مطالبہ کرے بعض حضرات نے تین سال تک تعریف کا نام دیا ہے لیکن یہ احادیث سے ثابت نہیں۔

ما یفعل باللقطة..... امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اٹھانے والا غنی ہے تو من جانب المالك صدقہ کر دے لیکن یاد رہے کہ اگر بعد میں مالک آیا اور صدقہ کو

قبول نہ کیا تو پھر اٹھانے پر شرعاً قیمت واجب ہے اور اگر اٹھانے والا غریب ہے تو خود استعمال کرنا اس کے لئے جائز ہے لیکن مالک کے مطالبے پر اس کے اوپر قیمت واجب ہوگی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لقطہ کا استعمال مطلقاً جائز ہے۔

قال: فضالة الابل، فغضب..... اس بناء پر ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اونٹ کو بطور لقطہ لینا جائز نہیں جبکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اختلاف مواقع کے سبب حکم مختلف ہوگا۔ اگر ایسی جگہ ہے کہ چور، ڈاکو یا درندوں کے پھاڑنے کا خطرہ ہو تو اونٹ کو بطور لقطہ لینا جائز ہے اور اگر ضائع ہونے کا خطرہ نہ ہو تو اٹھانا جائز ہے کیونکہ لقطہ اٹھانے کی علت یہ ہے کہ مالک کا مال ضائع ہونے سے بچ جائے۔ ائمہ ثلاثہ نے گھوڑا، بیل، گائے وغیرہ کو اونٹ کے حکم میں شامل کیا ہے جبکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے تو بکری کو بھی اسی حکم کے تحت داخل کیا ہے۔

حدیث ثالث: اذا اكثر عليه فغضب..... نامناسب سوالات کی جب کثرت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ ہوئے اور فرمایا "سلونى ماشتم" دو آدمیوں کی نسب پر لوگوں کو شبہ تھا اور لوگ ان کو تنگ کرتے تھے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے باپ کے بارے میں پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے باپ کا نام لیا جس سے ان کی نسب واضح ہو گئی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ بھانپ لیا، فوراً دو زنانوں بیٹھ کر فرمایا رضینا باللہ ربنا وبحمد نبیاً تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔

باب من برک علی ركبتيه عند الامام والمحدث

حدثنا ابو اليمان..... اخبرني انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ

عليه وسلم اخرج مقام عبد الله بن حذافة فقال ابوك حذافة.

ترجمہ الباب کا مقصد:

اگر برك على ر كبتيه سے مراد جلوس على هيئة التشهد ہے تو پھر مقصد بیان ادب من آداب المتعلم ہے کہ متعلم، استاد اور محدث کے سامنے ایسے صورت میں بیٹھے جو ادب پر دلالت کرتی ہوتا کہ استاد کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا سکے اور بات کو سمجھ سکے۔ کیونکہ عدم توجہ کی صورت میں نہ سمجھ سکے گا۔

نمبر ۲: حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے لامع الدراری میں اور اسی طرح شیخ صاحب نے الابواب والتراجم میں نقل کیا ہے کہ برك على ر كبتيه سے مراد تشہد کی صورت نہیں بلکہ یہ صورت مراد ہے کہ آدمی تشہد پر بیٹھا ہو اور اپنا پچھلا حصہ تھوڑا سا اٹھائے تو مقصد ترجمہ یہ ہوگا کہ یہ صورت اگرچہ خلاف ادب ہے لیکن بوقت ضرورت جائز ہے جیسے حدیث سے ثابت ہے دونوں صورت میں مقصد ایک دوسرے کے بالکل برعکس ہے۔

استیاط مسئلہ: علامہ عینی نے اس مسئلہ مستبط کیا ہے کہ اگر استاد ناراض ہو جائے تو اس کے ترضیہ کے لئے کوئی مناسب صورت اختیار کر کے اسے راضی کرنا چاہئے۔

باب من اعاد الحدیث ثلاثا لیفہم

فقال النبی الا وقول الزور فمزال یکررہا، وقال ابن عمر رضی اللہ عنہما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم هل بلغت ثلاثا
حدیث اول: حدثنا عبده..... عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه كان اذا تكلم بكلمة اعادها ثلاثا حتى تفهم عنه واذا اثنى على قوم فسلم عليهم ثلاثا.

حدیث ثانی: حدثنا مسدد..... عن ابن عمر رضی اللہ عنہما وقال تخلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم..... وقد ارهقنا الصلوة..... ویل للاعقاب من النار مرتین او ثلاثا.

ترجمہ الباب میں الا وقول الزور ہے یہ ایک حدیث کا ٹکڑا ہے۔ الا انبئکم باکبر الكبائر..... الا شراک باللہ، و عقوق الوالدین، الا وقول الزور. اور هل بلغت یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔

ترجمہ الباب کا مقصد:

نمبر ۱: حافظ نے ابن مسیر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ مقصد یہ ہے کہ اگر طالب علم محدث سے اعادۃ الحدیث کا مطالبہ کرے تو محدث کے لئے اعادہ جائز ہے۔ گویا یہ بیان مسئلہ العلم ہے۔

نمبر ۲: ابن التین کا قول ہے کہ اعادۃ الحدیث کی حد اور انتہا بتانا مقصود ہے کہ تین مرتبہ اعادہ کرے اس سے زائد نہ دہرائے۔

نمبر ۳: حضرت گنگوی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الہند سے منقول ہے کہ طلبہ عموماً تین قسم کے ہوتے ہیں۔ اعلیٰ ذہم والے، متوسط ذہم والے اور ادنیٰ ذہم والے۔ تو مقصد یہ ہے کہ جو اہم اور باریک بات ہو تو اس کو دہرانا چاہئے تاکہ سب سمجھ جائیں ہر بات کو دہرانا ضروری نہیں بلکہ محسر ہے۔ یہی مطلب ہے ”اذا تکلم بکلمۃ اعادھا کا کہ ہر بات کو نہ دہراتے بلکہ اہم اور توجہ طلب بات کو دہراتے جیسے الاوقول الزور کو بار بار دہرایا کیونکہ معاشرے میں جھوٹی شہادت کو اہمیت نہیں دی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اہمیت جتانے کے لئے اس کو بار بار دہرایا۔

و اذا تکلم بکلمۃ..... کلمۃ سے مراد نحوی کلمہ نہیں بلکہ پورا جملہ مراد ہے جیسے حدیث ہے اصدق کلمۃ قالها الشاعر لبید۔ پھر اس کا شعر کہا۔ الا کل شئی ما خلا اللہ باطل الخ

و اذا اتی علی قوم مسلم علیہم ثلثا.....

(۱) اس سے مراد اسلام استیذان ہے اور حکم یہ ہے کہ کسی کے گھر جا کر تین مرتبہ کہے السلام علیکم ادخل کہے اگر تین مرتبہ پر اجازت نہ ملے تو واپس لوٹ جائے۔
(۲) سلام اول استیذان کے لئے تھا دوسرا سلام تخلیہ کے لئے تھا اور تیسرا سلام الوداع تھا۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں جاتے تو سامنے کی طرف بائیں اور دائیں طرف منہ پھیر کر سلام کرتے تھے۔

(۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مجمع میں جاتے تو ابتداءً مجلس میں سلام کرتے پھر وسط مجلس اور پھر انتہا مجلس میں سلام کرتے تھے۔

فی سفر مسافرنا..... یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے اور ہر دفعہ آپ انگلی اٹھا کر آسمان کی طرف اشارہ فرماتے تھے کہ ہل بلغت

نمسح علی ارجلنا..... المراد منه الغسل الخفیف۔

باب تعلیم الرجل امته واهله

حدثنا محمد بن ہو ابن سلام..... حدثنی ابو بردہ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلثة رجل من اهل الكتاب امن بنبیہ.....
والعبد المملوك اذا ادی حق اللہ..... ورجل كانت عنده امة..... ثم قال
عامر اعطينا کھا بغير شیئی قد کان یرکب فیھا دونھا المدينة.....
ترجمۃ الباب کا مقصد:

اس کا مقصد الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ کا مطلب واضح کرتا ہے کہ آدمی گھر کا راعی ہے تو اس پر گھر کے افراد کی تعلیم کا بندوبست لازمی ہے جیسے امیر پر رعایا کی تعلیم کا بندوبست لازمی ہے تو گویا مقصد تعلیم ہے کہ تعلیم فقط رجال اور احرار کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عورتوں اور اماء کے لئے بھی تعلیم کی ضرورت ہے۔

تعلیم الرجل امته واهله.....

امۃ کو اہلہ پر مقدم کیوں کیا؟

جواب:

(۱) کیونکہ حدیث میں امۃ کا تذکرہ ہے اور اہلہ کا تذکرہ نہیں ہے۔

(۲) اہل کی تعلیم کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ قیاساً ثابت کر رہے ہیں کیونکہ جب تعلیم

الامۃ باعث اجر ہے تو تعلیم الاہل بطریق الاولی باعث اجر ہے کیونکہ اہل کا حق باندی سے

زیادہ ہے۔

ثلثة لهم اجران.....

اشکال:

مذکورہ آدمیوں میں سے ہر ایک کے کم از کم دو کام ہیں تو دو کاموں پر اجر ان کا ملنا کون سی خصوصیت اور امتیاز ہے ہر آدمی کے لئے یہی حکم ہے؟

جواب (۱) بظاہر تو یہ دو کام لگتے ہیں لیکن حقیقتاً ایک ہی کام ہے کیونکہ سابقہ نبی پر ایمان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ایک ہی تو ہے اور ایسے ہی حق اللہ اور حق المولیٰ ادا کرنا ایک ہی ادا حقوق ہے۔ اور تادیب اور تعلیم الامۃ ایک ہی ہے کیونکہ ایک ہی شخص کے متعلق ہے۔

جواب (۲) کام تو دو ہیں لیکن ہر کام پر اجر ملتا ہے۔

جواب (۳) اجر کا ذکر اشتباہ کو ختم کرنے کے لئے ہے کہ کوئی کہے گا سابقہ نبی پر ایمان تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے منسوخ ہو گیا لہذا اجر نہیں ملے گا اور حق المولیٰ کا ادا کرنا تو فریضہ ہے اس پر اجر نہیں ملے گا اور باندی کی تعلیم و تادیب شاید خواہش نفس کے تحت ہو لہذا اس پر اجر نہیں ملے گا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اشتباہ کو ختم کیا کہ ان کو اجر ملے گا۔
رجل من اهل الكتاب.....

(۱) اہل کتاب سے مراد فقط نصاریٰ ہیں کیونکہ یہود کا دین بعثت عیسیٰ سے منسوخ ہو گیا تھا لہذا اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

اشکال: اس وقت تو مدینہ میں یہود و نصاریٰ نہیں تھے اور یہ آیت یؤتکم اجرکم عبد اللہ بن سلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور عبد اللہ یہودی عالم تھے۔ لہذا محمد شین فرماتے ہیں کہ اس اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ دونوں مراد ہیں البتہ وہ یہود مراد ہیں جن تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ نہ پہنچی ہو اور نصاریٰ سے تمام نصاریٰ مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔

باب عظة الامام النساء وتعليمهن

حدثنا سليمان بن حرب..... قال ابن عباس رضي الله عنه اشهد على النبي صلى الله عليه وسلم او قال عطاء اشهد على ابن عباس رضي الله عنه ان

النبي صلى الله عليه وسلم خرج..... وذن انه لم يسمع النساء فوعظهن
وامرهن بالصدقة فجعلت المرأة تلقى القرط والخاتم الخ
وقال اسماعيل عن ابوب عن عطاء قال ابن عباس رضى الله عنه اشهد
على النبي صلى الله عليه وسلم

ترجمة الباب کا مقصد:

اس سے پہلے تعلیم علم کا مسئلہ گزر گیا اور یہ کہ تعلیم الامت والاہل شوہر کی ذمہ داری ہے
یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ صرف شوہر کی ذمہ داری نہیں بلکہ امیر اور کا کام بھی ذمہ دار ہے کہ
رعایا میں عورتوں کے لئے تعلیم کا بندوبست کرے۔

عظة الامام النساء و تعلیمهن.....

ترجمہ کے دو جز ہیں (۱) وعظ (۲) تعلیم النساء تو حدیث الباب میں فوعظهن سے
پہلا جزء اور امرهن بالصدقة سے دوسرا جزء ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ امر بالصدقة تعلیم کے قبیل
سے ہے۔ یا یہ وعظ کا جزء تو صراحتاً ثابت ہے اور تعلیم کو ضمناً ثابت کیا ہے کیونکہ وعظ میں ضمناً
تعلیم ہوتی ہے۔

فجعلت المرأة تلقى القرط.....

مسئلہ تصرف النساء فی ملکهن:

(۱) حدیث الباب سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتیں اپنی ملکیت میں شوہر کی اجازت کے
بغیر تصرف کر سکتی ہیں اور یہی جمہور کا مذہب ہے البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں عورت
کو شوہر کی اجازت کی ضرورت ہے۔

(۲) اور اگر ملکیت شوہر کی ہو تو بالاتفاق شوہر کی اجازت ضروری ہے صراحتاً یا عرفاً
البتہ عورت اپنا حق بلا اجازت لے سکتی ہے۔ اور یہی مذہب جمہور کا ہے۔ امام مالک رحمۃ
اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عورت کی اپنی ملکیت ہو تب بھی بلا اجازت استعمال نہیں کر سکتی۔ باب
کی حدیث جمہور کا مستدل ہے۔ باقی امیر اور امام پر یہ لازم ہے کہ عورتوں کی تعلیم کا
بندوبست کرے۔

اشهد علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و قال اسماعیل عن ابوب الخ۔
یہ مزید تاکید کیلئے ہے کہ مجھے وہ ایسا یاد ہے کہ میں اس پر شرعی گواہی دینے کو تیار
ہوں۔ اس دوسری سند سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اشہد یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول
ہے۔

باب الحرص علی الحدیث

حدثنا عبدالعزیز بن عبداللہ..... عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ قیل یا رسول
اللہ من اسعد الناس بشفاعتک یوم القیامۃ؟ قال لقد ظننت یا ابا ہریرہ رضی اللہ
عنہ ان لا یسألنی احد اول منک لعارایت من حرصک علی الحدیث.
لا یسألنی عن هذا الحدیث احد اول منک.....
ترکیب:

- (۱) اول کو مرفوع پڑھیں تو یہ احد کی صفت ہوگی یا اس سے بدل واقع ہوگا۔
- (۲) اول کو منصوب پڑھیں تو یہ سال کا مفعول ثانی ہوگا۔

ترجمہ الباب کا مقصد:

گزشتہ ابواب میں مطلق علم کی ترغیب تھی اور اس باب میں خصوصاً علم الحدیث کے
حصول پر ترغیب کا بیان ہے۔

قیل یا رسول اللہ..... سائل کون تھا؟

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری روایات کی روشنی میں لکھا ہے کہ سائل خود ابو
ہریرہ رضی اللہ عنہ تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب حوصلہ افزائی پر مبنی تھا۔

من اسعد الناس..... اسعد اسم تفضیل ہے تو اس کا مطلب ہے کہ سب کا فائدہ تو ہوگا
لیکن سب سے زیادہ فائدہ کس کو ہوگا؟

جواب نمبر ۱: حافظ اور یعنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسعد بمعنی سعید کے ہے اسم
تفضیل کا اپنا معنی مراد نہیں ہے۔

نمبر ۲ سندھی فرماتے ہیں کہ اسعد اپنی معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ سب کو

شفاعت کا فائدہ ہوگا لیکن لوگ سعادت میں مختلف ہوں گے۔ مثلاً ابوطالب کو بھی فائدہ ہوگا کہ آگ کے کنارے تک لایا جائے گا اور ایک جنتی کو بھی ہوگا کہ اس کے درجات بلند ہوں گے۔ اسعد الناس من قال لا اله الا الله خالصاً من قلبه یعنی وہ کلمہ گو جس نے کوئی نیک عمل نہ کیا ہو اس کو سب سے زیادہ فائدہ ہوگا کہ وہ جہنم سے جنت میں آجائے گا حالانکہ اس کے پاس نجات کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

باب کیف یقبض العلم

و کتب عمر بن عبدالعزیز الی ابی بکر بن حزم انظر ماکان من حدیث رسول الله صلی الله علیه وسلم فانی خفت دروس العلم و ذهاب العلماء و لاتقبل الا حدیث النبی و لیفشوا للعلم و لیجلسوا حتی یعلم من لا یعلم فان العلم لا یهلك حتی لا یکون یسرا۔

حدثنا اسماعیل بن ابی اویس عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ان اقلت لا یقبض العلم انتزاعاً ینتنزه من العباد ولكن یقبض بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالم اتخذ الناس رؤسا جهالا ففسلوا فافتوا بغير علم فضلوا واضلوا۔

ترجمہ الباب کا مقصد:

یہ بتانا مقصود ہے کہ حفاظت علم اور بقاء علم ضروری ہے۔ عمر بن عبدالعزیز کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ حفاظت علم کے دو طریقے ہیں۔ (۱) قید کتابت (۲) درس و تدریس۔

کتب عمر الی ابی بکر ابن حزم.....

مدون اول کون ہے؟

(۱) بعض نے لکھا ہے کہ امام زہری متوفی ۱۲۵ھ مدون اول ہیں (۲) محققین کی رائے یہ ہے کہ ابوبکر بن حزم متوفی ۱۲۰ھ مدون اول ہے۔

کیف یقبض العلم:

حضرت شیخ الحدیث کا فرمان ہے کہ امام بخاری جہاں باب کو کیف سے مصدر کرتے

ہیں تو اشارہ ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف اقوال ہے وہاں امام بخاریؒ اپنے قول مختار کو ذکر کرتے ہیں یہاں قبض العلم کے بارے میں بھی اختلاف روایات کا اختلاف تھا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ قرب قیامت میں رات کو آدمی عالم حافظ ہوگا صبح اٹھے گا تو سب کچھ بھول گیا ہوگا۔ اور رات کو مصحف صحیح ہوگا لیکن صبح کو نقوش مٹ گئے ہوں گے۔ امام بخاریؒ رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو لاکر دوسری روایات کے ضعف کو اشارہ کیا ہے۔

حافظ نے ابن منیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ انتزاع پر قادر ہے لیکن انتزاع کی صورت اللہ اختیار نہیں کریں گے۔ بعض حضرات دونوں طرح کی روایات میں جمع کی صورت اختیار کرتے ہیں کہ پہلے تو قبض العلماء کی صورت ہوگی اور عین قرب قیامت میں انتزاع العلم ہوگا۔

لا يقبل الا حديث النبي صلى الله عليه وسلم لعني فقط مرفوع حديث
لكهوا آثار صحابه وغيره مت لكهوا۔

باب هل يجعل للنساء يوماً على حدة في العلم

حدثنا آدم عن ابي سعيد الخدري قال: قال النساء للنبي صلى الله عليه وسلم علينا عليك الرجال ما منكن امرأة تقدم ثلثة من ولدها الا كان لها حجاباً من النار فقالت امرأة واثنين قال واثنين
حدثني محمد بن بشار عن ابي هريرة رضى الله عنه ثلث لم يبلغوا الحنث.

ترجمہ الباب کا مقصد:

بیان مسئلہ من مسائل العلم کہ تعلیم النساء کے لئے تخصیص یوم جائز ہے جیسے حدیث سے ثابت ہے بعض روایات میں مکان کی تخصیص کا ذکر ہے کہ موعدا کن بیت فلانة۔

ما منكن امرأة الا كان لها حجاباً من النار اس کے تحت محدثین نے چند باتیں لکھی ہیں۔

(۱) حجاب من النار کی منقبت صرف ماں کے خاص نہیں بلکہ باپ کو بھی یہ منقبت حاصل ہے۔ کیونکہ یہ منقبت صدمہ کی وجہ سے ہے اور اولاد کی وفات پر جس طرح ماں کو صدمہ ہوتا ہے اسی طرح باپ کو بھی صدمہ ہوتا ہے۔

(۲) حجاب من النار کی منقبت تب حاصل ہوگی کہ وفات اولاد پر صبر کیا جائے لیکن اگر بے صبری اور جزع فزع کیا تو پھر یہ منقبت حاصل نہیں ہوگی۔

(۳) حجاب من النار کے لئے تین کا عدد ضروری نہیں بلکہ اس حدیث میں دو کے لئے بھی یہی حکم ہے اور کتاب الجنائز کی روایت میں ایک بچے کے لئے یہی منقبت ہے اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے کہ جس عورت کا کوئی بچہ نہیں ہو تو میں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے لئے فرط ہوں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر امت کو سب سے بڑا صدمہ ہوا ہے۔

(۴) یہ منقبت تب حاصل ہوگی جبکہ بچہ بلوغ سے قبل انتقال کر جائے کیونکہ نابالغ مسلمان بچے جنتی ہوتے ہیں اور یہ اللہ سے مناقشہ کریں گے کہ ہم بغیر ماں باپ کے جنت میں نہیں جائیں گے جبکہ بالغ بچوں کا تو خود حساب ہوگا۔ وہ کسی کے لئے سوچ نہیں سکے گا۔ یوم یفر المروم من اخیر الایة البتہ بالغ کے انتقال پر اگر صبر کیا تو اس کا اجر ملے گا۔

ثلاثة لم يبلغوا الحنث..... حث کے معنی ہے گناہ اور نامناسب کام، لیکن چونکہ گناہ بالغ کے لئے ہوتا ہے نابالغ پر گناہ کا وبال نہیں لہذا بلوغ پر حث کا اطلاق کیا گیا ہے۔

عن عبدالرحمن بن اصبہانی.....

حافظ ابن حجر نے اس تعلق کے دو فوائد لکھے ہیں (۱) پہلی سند میں ابن الاصفہانی کا نام مذکور نہیں ہے اور اس تعلق میں نام عبدالرحمن مذکور ہے۔

(۲) گزشتہ حدیث میں ثلاثہ کا لفظ مطلق آیا تھا۔ اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ یہ منقبت نابالغ اولاد کی وفات پر حاصل ہوگی۔

باب من سمع شیئاً فلم يفهمه فراجعہ حتی يعرفہ

حدثنا سعيد بن ابی مریم قال حدثنی ابن ابی ملکة ان عائشة رضی اللہ عنہا زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت لا تسمع شیئاً لا تعرفہ الا راجعت فیہ حتی تعرفہ وان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من حوسب عذب، فقالت عائشة: فقلنا اولیس اللہ یقول فسوف یحاسب حساباً یسیراً قالت فقال انما ذاک العرض۔

ترجمہ الباب کا مقصد:

(۱) بیان ادب من آداب المعلم کہ اگر طالب علم معلم سے کوئی بات سنے اور سمجھ میں نہ آئے تو استاد سے مراجعت کرے حتیٰ کہ بات سمجھ لے۔

(۲) یا مقصد بیان مسئلہ من مسائل العلم ہے کہ استاد سے تفہیم کے لئے سوال کرنا جائز اور طالب علم کا حق ہے البتہ تعنت اور ضد کی بناء پر سوالات کرنا ممنوع ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کے سوالات لا تسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم کے تحت داخل نہیں ہے۔

قال من حوسب عذب حضور کا یہ فرمان حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آیت فسوف یحاسب حساباً یسیراً سے متعارض سمجھا تو نبی علیہ السلام سے سوال کیا تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ انما العرض۔

انما ذاک العرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فسوف یحاسب میں حساب عرض مراد ہے گویا حساب دو قسم پر ہے (۱) حساب یسیر یہ عرض ہے (۲) حساب عسیر جسے مناقشہ کہتے ہیں۔

مناقشہ: الاستقصاء فی الحساب حتی لا یتروک منہ شیئی یعنی آدمی پر گناہ پیش کئے جائیں گے اور پوچھا جائے گا لم فعلت اور عرض یہ کہ ان یعرف ذنوبہا فی بعضی عنہا یعنی گناہ اس پر پیش کئے جائیں گے لیکن یہ سوال نہیں ہوگا کہ لم فعلت بلکہ معاف کر دیا جائے گا۔

حضرت شاہ ولی اللہ کا قول: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں حساب کو دو قسم کی

طرف تقسیم کیا۔ (۱) حساب یسیر (۲) حساب عمیر۔

علامہ سندھی کا قول: حساب کی قسمیں بیان نہیں کی بلکہ عرض کو حساب سے خارج کیا کہ اصل حساب مناقشہ ہی ہے اور عرض حساب میں داخل نہیں لیکن ہمارے اکابر نے شاہ ولی اللہ کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

من حوسب عذب اور اہل سنت کا مسلک:

اہلسنت کے ہاں عاصی اور مرتکب کبیرہ تحت المشیت میں داخل ہے لہذا ضروری نہیں کہ جس سے مناقشہ کیا گیا وہ معذب ہوگا۔ بلکہ ممکن ہے کہ عاصی کو اللہ جل جلالہ اپنے فضل سے معاف فرمائیں۔

اشکال: عاصی جب تحت المشیتہ داخل ہے تو من حوسب عذب میں عذب کا کیا مطلب ہے؟

علامہ فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ یہ مناقشہ خود عذاب ہے (کیونکہ اس کو گھبراہٹ اور خوف ہوگا یہ عذاب سے کم نہیں)

حافظ ابن حجر کا قول: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ اشکال ایسا ہے جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے اہل بدر اور اہل حدیبیہ کو جنت میں داخل فرمائیں گے تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو اشکال ہوا کہ وان منکم الا واردھا تو اس کے خلاف ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انصحی الذین اتقوا اور اسی طرح جب آیت اتری الذین امنوا ولم یلسبوا ایمانہم بظلم تو صحابہ کو اشکال ہوا کہ اینالیم بظلم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان الشریک لظلم عظیم O واللہ اعلم۔

باب يبلغ العلم الشاهد الغائب

حدیث اول: حدثنا عبد اللہ بن یوسف..... عن ابی شریح انه قال لعمر بن سعید..... ایذن لی ایہا الامیر احدثک..... ان مکة حرمها اللہ ولم یحرمها الناس..... فلا یحل لامری یؤمن باللہ والیوم الآخر ان یسفک بہادما..... قال انا اعلم منک لا تعیذ عاصیاً ولا فراً بدم.

حدیث ثانی: حدثنا عبد الله بن عبد الوهاب..... عن ابی بکر ؓ رضی اللہ عنہ ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم..... قال: فان دماءکم و اموالکم..... حرام..... و کان محمد یقول صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ذلك الحدیث بلغت مرتین .

ترجمہ الباب کا مقصد:

مقصد تعلیم علم ہے کہ علم کی بات سیکھ کر دوسروں تک پہنچائی جائے۔

حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں کہ اس تبلیغ علم کے لئے مکمل عالم ہونا ضروری نہیں اور نہ کسی کا پوچھنا ضروری ہے۔

واقعہ کی تفصیل: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (گورنر شام) نے بیعت کے لئے یہ شرط لگائی کہ پہلے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر قصاص لو پھر ہم بیعت کریں گے۔ اس بات سے معاملہ بگڑ گیا۔ مختصر یہ کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو متبعین علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اور ادھر شام سے معاویہ رضی اللہ عنہ نے مقابلے کے لئے لشکر بھیجا۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہو گئے تو حسن رضی اللہ عنہ کے دل میں صلح کرنے کا خیال آیا۔ چنانچہ انہوں نے صلح کر کے خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی آخری عمر میں خلیفہ مقرر کرنا چاہا چنانچہ لوگوں کے مشورے سے اپنا بیٹا یزید خلیفہ مقرر کیا۔ بعض لوگوں نے تو بیعت کی لیکن بعض صحابہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا کیونکہ یزید کی ذاتی زندگی میں نقائص تھے۔ مدینہ میں بھی لوگوں نے بیعت سے انکار کیا۔

(۱) محمد بن ابی بکر: ان میں ایک حضرت ابو بکر کے بیٹے تھے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا انتقال تو معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ہوا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ انتشار کے اندیشہ سے بیعت کر لی۔ چنانچہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ حرم میں پناہ لینے کے

لئے مکہ تشریف لے گئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو تو اہل کوفہ کے خطوط پر کوفہ تشریف لے گئے اور وہاں پر دردناک واقعہ پیش آیا اور ادھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے مکہ میں اپنی خلافت کا اعلان کیا اور لوگوں نے حمایت کی تو یزید نے گورنر مدینہ، عمرو بن سعید کو خط لکھا کہ مکہ پر لشکر کشی کر کے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دو۔ عین اسی وقت جبکہ عمرو بن سعید لشکر تیار کر رہا تھا قاضی ابو شریح رضی اللہ عنہ نے کہا۔ ائذن لی ایہا الامیر احدثک الخ تو گورنر نے کہا انا اعلم منک لا تعیذ عاصیا ولا فارا بدم ولا فارا بخریبة۔
مسئلہ نمبر ۱: حدود حرم کے اندر درخت کاٹنا۔

ایسا درخت جو کسی نے خود لگایا ہو تو اس کا کاٹنا اس کے لئے جائز ہے لیکن ایسا درخت جو خود بخود داگ آئے تو اس کا کاٹنا جائز نہیں۔
مسئلہ نمبر ۲: حرم میں پناہ لینا۔

(۱) اگر حرم سے باہر کسی کا مالی حق کھائے اور حرم میں جا کر پناہ لے تو حرم اس کو پناہ نہیں دیتا، بلکہ اس کو پکڑ کر حق واپس کرنے پر مجبور کیا جائے۔ یہ فارا بخریبة میں داخل ہے۔
(۲) کسی کو زخمی کرے اور جا کر حرم میں پناہ لے تو حرم اس کو بھی پناہ نہیں دیتا یہ بھی اموال کے حکم میں داخل ہے اس کو پکڑ کر قصاص لیا جائے۔ (۳) فارا بدم یعنی کسی کو قتل کر کے حرم میں پناہ لے تو شوافع کے ہاں حرم کو پناہ نہیں دے گا بلکہ اس کو پکڑ کر قصاص کا حکم لگائیں گے اور خارج حرم لے جا کر قصاص کریں گے۔ اور احناف کے ہاں اس کو نکلنے پر مجبور کیا جائے جب حرم سے نکل جائے تو پکڑ کر قصاص لیا جائے جب تک حرم میں ہے نہیں پکڑا جائے گا۔
یہ حدیث جہاں پر تفصیل آئی ہے تو احناف کی مستدل ہے۔

ان مکة حرمها الله ولم يحرمها الناس.

اشکال:

یہاں پر تو صرف اللہ کی جانب تحریم کی نسبت کی ہے جبکہ دوسری حدیث میں اللہ ان ابراہیم حرم مکة الخ وہاں تحریم کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف بھی کی ہے؟
جواب:

حرمت مکہ تو حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے تھی لیکن طوفانِ نوح علیہ السلام سے وہ حدودِ حرم کی علامات زائل ہوئیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی تجدید کی اور یہی حدیث سے مراد ہے۔

انا اعلم منک عمرو بن سعید اکثر کے ہاں تابعی ہیں اور انا اعلم منک کہنا اس کا غلط ہے۔

لا تعبد عاصیاً ولا فلراً بدم الخ یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ ابن زبیرؓ نہ عاصی تھے نہ فاراً بدم اور شوافع حضرات کہتے ہیں کہ یہ کلمہ حق ارید بہا الباطل کے قبیل سے ہے۔

ولا فلراً بخربة (۱) خربة بفتح الخاء چوری (۲) خربة بضم الخاء بمعنی فساد (۳) خزبة بکسر الخاء وسكون الزاء وبالياء بمعنی رسوائی کا کام۔
تمام شارحین نے لکھا ہے کہ اس کا یہ کلمہ حق ہے لیکن ارید بہا الباطل۔ صحابی کا قول احناف کا دلیل بنتا ہے۔

باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حدیث اول: حدثنا علی قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تکذبوا علی الخ

حدیث ثانی: حدثنا ابو سعید عن جابر بن عبد اللہ من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار.

حدثنا موسى عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ تسموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی ومن رانی فی المنام فقد رانی۔

ترجمہ الباب کا مقصد:

گزشتہ ابواب میں حصول علم مراجعت فی العلم، تعیم علم وغیرہ کے امور سے متعلق احادیث لائے تھے تو اس باب سے مقصد یہ ہے کہ تعیم علم اگرچہ محمود ہے لیکن اس میں احتیاط کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ کہیں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹی بات نہ کہی جائے ورنہ

بجائے محمود ہونے کے جہنم کا مستحق ہو جائے گا۔

باب اثم من كذب الخ

اشکال:

ترجمہ میں اثم کا ذکر ہے لیکن باب کی احادیث میں اثم کا بیان نہیں ہے صرف سزا کا ذکر ہے لہذا بظاہر ترجمہ الباب اور احادیث الباب میں مناسبت نہیں؟

جواب:

اثم اور گناہ ان وعیدات سے ماخوذ اور مفہوم ہوتا ہے جو احادیث میں مذکور ہیں کیونکہ بغیر گناہ کے کوئی جہنم میں نہیں جاتا اور جب حدیث میں کذب علی النبی کی سزا جہنم ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ گناہ کا کام ہے۔

حافظ ابن حجر کا قول ہے کہ باب کی احادیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب ترتیب قائم کی ہے کہ پہلے مطلقاً کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ممنوع قرار دیا ہے پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کی توفی اور احتیاط کو بیان کیا ہے۔ پھر بیان کیا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کثرت حدیث کو ناپسند کرتے تھے کیونکہ کثرت حدیث بسا اوقات مفضی الی الکذب ہوتی ہے۔ پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث لائے کہ جس طرح یقظہ کی صورت میں کذب علی النبی ممنوع ہے ایسے ہی نیام کی صورت میں بھی ممنوع ہے۔

کذب کی تعریف:

امام نووی نے لکھا ہے کہ اہل سنت کے ہاں برخلاف واقعہ بات کو کذب کہتے ہیں۔
تعمد ہونا شرط نہیں البتہ مواخذہ صرف تعمد میں ہوگا۔

کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم:

(۱) اہل سنت والجماعۃ کے نزدیک کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مطلقاً حرام ہے چاہے دین کے ضرر کے لئے ہو یا اپنے خیال میں دین کے نفع کے لئے ہو۔

(۲) کرامیہ، روافض وغیرہ وہ جھوٹ جو نقصان کے لئے ہو تو وہ حرام ہے لیکن جو نفع اور ترغیب کے لئے جھوٹ بولا جائے وہ جائز ہے۔

دلیل نمبر ۱: حدیث میں ہے ”من کذب علی“ علیٰ اضرار کے لئے ہے جو ثابت ہوا کہ اضرار کے لئے تو کذب حرام ہے لیکن ترغیب الناس کے لئے جائز ہے۔

دلیل نمبر ۲: مسند بزار کی روایت ہے ”من کذب علی لیضل بہ الناس“ کہ اضلال الناس کے لئے تو وضع الحدیث حرام ہے لیکن ترغیب اور نفع کے لئے جائز ہے۔

اہل سنت والجماعت کے ہاں کذب علی النبی مطلقاً حرام ہے اور بہر صورت اس کے نقصانات ہیں، سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذخیرہ مشتبہ ہو جائے گا کہ کون سی حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ نقل ہے اور کون سی موضوع ہے۔

کرامیہ کو جواب:

(۱) حدیث میں جو علی کا لفظ مذکور ہے اس سے اشارہ ہے کہ کذب علی النبی بہر صورت باعث نقصان اور باعث ضرر ہے۔

(۲) لیضل بہ الناس (۱) ایسے جملے میں مرسل ہونے میں اختلاف ہے اور بقول حافظ ابن حجر یہ سند امرسل ہے، لہذا امرنوع کے مقابلے میں مرسل سے استدلال درست نہیں ہے۔ (۲) لیضل میں لام علت کے لئے بلکہ ضرورت کے لئے ہے یعنی کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انجام ضلالت اور گمراہی ہے۔

تنبیہ: سور القرآن کی فضائل کے بارے میں اکثر احادیث موضوع ہیں (ان کی کوئی اصل نہیں)

وضع الحدیث کی ایک وجہ: ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں ایک وضع الحدیث کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ قرآن کو چھوڑ کر فقہ حنفی کی طرف متوجہ ہو گئے تو میں نے احادیث وضع کر لیں تاکہ لوگ قرآن کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

کاذب کا حکم: امام ابو محمد الحہینی، ابن منیر ان کے ہاں کاذب علی النبی کافر ہے۔
دلیل نمبر ۱: فلیتیبوا مقعدہ من النار، وغیرہ کیونکہ اس سے مراد تخلید ہے اور تخلید فی النار کفار کے لئے ہے نہ کہ مسلمانوں کے لئے۔

دلیل نمبر ۲: عام مسلمانوں پر جھوٹ باندھنا بھی کبیرہ ہے اگر کذب علی النبی کو بھی صرف کبیرہ ہی کہیں گے تو دونوں میں کوئی فرق نہ رہے گا اور ظاہر ہے دونوں میں کتنا فرق ہے کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں دین کا نقصان ہے، بخلاف عام مسلمان کے۔

امام الحرمین نے اپنے والد ابو محمد الحہینی کا قول رد کیا ہے۔

نمبر ۱: اس وجہ سے کہ آدمی کذب علی اللہ سے تو کافر نہیں ہو جاتا تو کذب علی النبی کی وجہ سے کیسے کافر ہو گیا۔

نمبر ۲: کذب علی النبی حرام ہے اور ارتکاب حرام سے آدمی کافر نہیں ہوتا جب تک کہ مستحل نہ ہو البتہ اگر کذب کو حلال جانے تو تحلیل الحرام کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔

فرق کا جواب: کذب علی النبی اور عام کذب میں حکم کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے البتہ سزا اور عذاب کے اعتبار سے فرق ہوگا۔ جسے ایک سارق الدرہم ہے اور ایک سارق الالف الدرہم ہے حکم کے اعتبار سے دونوں کو سرقہ کہتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ عذاب میں فرق ہوگا۔

اہل سنت کا مذہب:

امام الحرمین فرماتے ہیں کہ یہی جمہور کا مذہب ہے کہ آدمی کذب علی النبی کی وجہ سے کافر نہیں ہوتا۔

حدیث زبیر رضی اللہ علیہ عنہ: انسی لم افارقه، الخ کہ مجھے حضور کے ساتھ کثرت رفاقت کا شرف حاصل ہے ان کے افعال اور اقوال میں نے دیکھے ہیں لیکن کثرت تحدیث کی وجہ سے احتیاط ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من کذب علی فلیلج النار تو کثرت میں احتیاط کا پہلو چھوٹ جاتا ہے تو کبھی جھوٹی بات منسوب ہو جاتی ہے۔ اگرچہ اس میں تعدد نہیں ہوتا لیکن اس کا نقصان بہر صورت ہوتا ہے۔

اشکال: بعض مکثرین صحابہ مثلاً ابو ہریرہؓ انہوں نے کیوں کثرت تحدیث کو اختیار کیا؟ جواب نمبر ۱: ممکن ہے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس ذخیرہ بہت زیادہ ہو اور انہوں نے اپنے ذخیرے کے بہ نسبت بہت کم تحدیث کی ہو اگرچہ ہمیں وہ احادیث کثیر معلوم ہوتی

ہیں۔

جواب نمبر ۲: مکہ میں صحابہ کی زندگی طویل تھی اور لوگوں کو حالات کے پیش نظر اقوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت ہوتی تھی اگر یہ حدیث نہ سنا تے تو کتمان علم کی وعید کے تحت داخل ہوتے چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ لولا آیشان فی الكتاب لما حدثکم

جواب نمبر ۳: ان صحابہ کی کثرت میں بھی احتیاط ملحوظ تھی، فقط وہ احادیث سنا تے جو صحیح یاد تھیں۔

من کذب علی مسلم اقل.....

بعض لوگوں نے اس سے روایت بالمعنی کے عدم جواز پر استدلال کیا ہے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں ہوتا، لہذا اس وعید کے تحت داخل ہے۔

الا کتاب اللہ..... یہ استثناء منقطع ہے۔

اوفہم اعطیہ رجل مسلم..... اس سے باتفاق الحمد میں قوت استنباط واجتہاد مراد ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان حضرات میں سے ہیں جن کو اللہ نے قوت استنباط واجتہاد سے نوازا ہے۔

مافی ہذہ الصحیفہ قال العقل

یعنی اس میں دیت کے احکام، والا سیر اور جو مسلمان کفار کی قید میں ہیں ان کی رہائی کے لئے جہاد کرنے اور انفاق کی ترغیب ہے یا اعماق کرنے کی ترغیب ہے۔

ولا یقتل مسلم بکافر..... اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

شوائع وحنابلہ وغیرہ کے ہاں یہ حکم عام ہے۔ یعنی مسلمان اگر کافر حربی، ذمی یا معاہد کو قتل کرے تو اس کے مقابلے میں مسلمان قصاصاً قتل نہیں ہوگا۔

احناف کہتے ہیں کہ حدیث میں کافر سے مراد کافر حربی ہے اور کافر ذمی یا معاہد کے مقابلے میں مسلمان قصاصاً قتل ہوگا۔

ولیل نمبر ۱: حدیث انما بنلوا (خراج) لتکون دمائہم کدمائنا واماو الہم کاموالنا لہذا کافر ذمی اور معاہدے کے مسلمان قصاصاً قتل ہوگا۔

دلیل نمبر ۲: اگر مسلمان حربی کا مال سرقت کرے تو قطع ید نہیں جبکہ ذمی اور معاہدہ کے مال میں بالاتفاق قطع الید ہوگا جب مال میں ذمی اور معاہدہ مسلمان کی طرح ہیں تو دم کے معاملے تو بطریق اولیٰ مسلمان کی طرح ہوں گے۔

ولا یختل شو کھا ولا یعضد شجرتها..... جو درخت خود بخود آگ آئے اس کا کاٹنا جائز نہیں؟ خود لگایا ہو اور درخت کاٹ سکتا ہے۔

ولا یقتطع ساقطها..... لقطہ حرم کے بارے میں تین اقوال ہیں۔

(۱) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لقطہ حرم کا زندگی بھر اعلان کرتا رہے گا نہ خود استعمال کر سکتا ہے اور نہ صدقہ کر سکتا ہے۔

(۲) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لقطہ حرم اور عام لقطہ کا حکم میں برابر ہے۔

(۳) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لقطہ حرم کا اٹھانا بالکل جائز ہی نہیں کیونکہ مالک خود آ کر لے لے گا، اگر تم اٹھاؤ گے تو حجاج جب چلے جائیں گے تو کہاں کہاں اعلان کرتے پھر و گے۔

فہو بخیر النظرین..... احناف کے ہاں قتل عمد کا موجب قصاص ہے اور دیت اس صورت میں ہوگی جب قاتل اور اولیاء مقتول دونوں دیت پر راضی ہوں۔
دیگر فقہاء کے نزدیک قاتل کی رضا کے بغیر دیت کا حکم نہیں ہوگا۔

باب العلم والعظة باللیل

حدثنا صلقة..... عن ام سلمه رضی اللہ عنہم قالت استيقظ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ..... ماذا انزل الیلة من الفتن..... فرب کاسیة فی الدنیا عاریہ فی الآخرة

ترجمہ الباب کا مقصد:

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے بارے میں گذر چکا ہے کہ ان سے تحولنا بالموعظة مخافة السامة“ تو اس سے وہم پیدا ہو سکتا تھا کہ رات کو علم اور وعظ درست نہیں ہوگا تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب سے وہم کو دور کیا کہ بوقت ضرورت رات کو

وعظ و تعلیم جائز ہے۔

(۲) شیخ الہند فرماتے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وجعلنا الیل لباسا وجعلنا النهار معاشا اور بظاہر رات کو تعلیم اور وعظ کرنا جعلنا الیل لباسا کے خلاف ہے۔ تو اس کی وجہ سے وہم ہوتا تھا کہ شاید رات کو یہ وعظ جائز نہ ہو۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب سے بتا دیا کہ موقع محل کے مطابق اور بوقت ضرورت رات کو تعلیم جائز ہے اور منشاء قرآن کے خلاف نہیں۔

(۳) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کے مطابق نہی عن النوم قبل العشاء والسمر بعدہ تو اس سمر کی دو صورت ہیں۔ (۱) قبل النوم سمر، یہ مسئلہ اگلے باب میں آ رہا ہے۔

(۲) سمر بعد النوم اس باب میں یہ مسئلہ بیان ہو رہا ہے کہ عشاء کے بعد سمر بعد النوم دین کی غرض سے جائز ہے۔

فقال سبحانه الله ماذا انزل الليلة من الفتن الخ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتے نے اطلاع دی کہ آج رات اللہ نے فتنے نازل کئے جن کا ظہور بعد میں ہوگا۔
فتن سے مراد:

وہ فتنے جن کا ظہور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوا مثلاً
(۱) شہادت عثمانؓ (۲) جنگ جمل (۳) جنگ صفین وغیرہ۔

خرزائن سے مراد:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خصوصاً دور فاروقی میں فارس اور روم کا علاقہ فتح ہوا اور بہت سا رمالِ نعمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

ایقظوا صواحب الحجر اس سے مراد زوجاتِ مطہرہ ہیں چونکہ یہ دعا کا وقت تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جگانے کا حکم دیا۔

فرب كاسية في الدنيا عارية في الآخرة مطلب یہ ہے:

(۱) کہ وہ عورتیں دنیا میں لباس پہنے ہوئے ہوں گے لیکن اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے آخرت میں ننگی ہوں گی۔ (۲) دنیا میں اعمال کرتی رہیں گی لیکن آخرت میں ان کے اجر سے محروم ہوں گی۔ (۳) دنیا میں اللہ نے نعمتوں سے نوازا ہوگا لیکن ناشکری کے باعث آخرت میں نعمتوں سے محروم ہوں گی۔

باب السمر بالعلم

حدیث اول: حدثنا سعيد بن عفیر..... ان عبد الله بن عمر قال صلى لنا النبي صلى الله عليه وسلم العشاء في آخر حياته فلما سلم قال قال ارئيتكم ليلتكم هذه فان رأس مائة سنة منها لا يبقى من هو على ظهر الارض احد.

حدیث ثانی: حدثنا ادم..... عن ابن عباس رضی اللہ عنہما..... صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم العشاء..... ثم نام ثم قام ثم قال نام الغلیم..... ثم نام حتی سمعت غطیطه ثم خرج الی الصلوۃ الحدیث.

سمر لغت میں ضوء القمر یعنی چاند کی چاندنی کو کہتے ہیں۔ عرب کی عادت تھی کہ چاندنی راتوں میں گھروں سے باہر جا کر قصہ خوانیوں میں مصروف ہوتے۔ تو سمر کا اطلاق ان قصے کہانیوں پر ہونے لگا۔ پھر تو سعاہر بات جو بعد العشاء ہو اس کو سمر کہا جانے لگا۔

ترجمہ الباب کا مقصد:

بیان مسئلہ من مسائل العلم کہ حدیث میں سمر بعد العشاء سے نہی موجود ہے اس سے بظاہر سمر بالعلم کا منع ہوتا بھی معلوم ہوتا تھا تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب قائم کر کے یہ بتا دیا کہ نہی کا محل دوسرا ہے یعنی فضول باتیں، لہذا ضرورتاً علمی بات کرنا جائز ہے کیونکہ عموماً علمی مجلس طویل نہیں ہوتیں آدمی کا دل نہیں لگتا جبکہ فضول مجلس کو شیطان مزین کرتا ہے لہذا وہ طویل بھی ہوتی ہے اور قضاء الفجر کا سبب بھی بنتی ہے۔

حدیث اول: فان علی رأس عامہ سنة منها لا يبقى علی ظهر الارض احد

مسئلہ حیات خضر:

اس حدیث کے تحت محدثین نے حیات خضر کا مسئلہ ذکر کیا ہے۔ محدثین امام بخاری

رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے کہ خضر وفات پا چکے ہیں۔
دلیل نمبر ۱: اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک زندہ بھی رہے ہوتے تو حضور صلی
اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق سو سال کے اندر وفات پا گئے ہوں گے۔

دلیل نمبر ۲: وما جعلنا لبشرٍ من قبلك الخلد آیت سے ثابت ہے کہ کسی کے لئے
ہمیشہ کی زندگی عطا نہیں کی گئی اور حیات خضر اس کے خلاف ہے۔

دلیل نمبر ۳: واذا اخذ الله ميثاق النبيين الاية اگر خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو کسی
غزوہ میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی ہوتی حالانکہ یہ کسی روایت سے ثابت نہیں
ہے کہ خضر علیہ السلام نے کسی موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی ہو۔

علامہ انور کشمیری نے صوفیاء کے قول کو مختار اور راجح قرار دیا ہے۔ اور محدثین کے
دلائل کا جواب دیا ہے۔

جواب نمبر ۱: ممکن ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے وقت حضرت خضر علیہ
اسلام علی ظہر الارض نہ ہوں بلکہ سمندر میں ہوں۔

جواب نمبر ۲: خلد کا معنی ہے ہمیشہ کی زندگی اور صوفیاء تو ہمیشہ کی حیات کے قائل نہیں
بلکہ قرب قیامت میں وفات ہونے کے قائل ہیں۔

جواب نمبر ۳: اللہ تعالیٰ نے ميثاق انبياء سے لیا ہے اور خضر علیہ السلام کی نبوت مختلف
فیہا ہے بالفرض اگر نبوت تسلیم کی جائے تو ممکن ہے خضر علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی نصرت کی ہو لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تذکرہ نہیں فرمایا ہو یا خضر علیہ السلام نے عیانا
نصرت نہ فرمائی ہو بلکہ چھپ کر فرمائی ہو۔ بہر حال صوفیاء کے پاس بھی کچھ روایات ہیں اور
کچھ بزرگوں کے کشف بھی ہیں لیکن کشف صرف اپنے حق میں حجت ہے کسی اور کے حق
میں نہیں اور اسی طرح عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے جو
ملاقات ثابت ہے تو اس کے جواب میں ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے رد علی المنطقیین
میں لکھا ہے کہ اگر جن کسی کے پاس آ کر خضر ہونے کا دعویٰ کرے تو جھٹلانے کی کیا دلیل
ہے۔ لہذا اس طرح کے دلائل سے استدلال درست نہیں بہر حال یہ مسئلہ ایمانیات کا نہیں
ہے ممکن ہے کہ ابھی تک زندہ ہوں۔

حدیث ثانی میں ترجمہ الباب کا ثبوت:

(۱) ثم قال نام الغلیم سے ترجمہ الباب سے ثابت ہوتا ہے لیکن اس پر اشکال ہے کہ اس میں تو علم کی کوئی بات نہیں۔

(۲) فجعلنی عن یمینہ سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ سمر بالعلم کا اطلاق قول و فعل دونوں پر ہوتا ہے۔

(۳) باب کی حدیث سے التزاماً ترجمہ الباب ثابت ہوتا ہے کیونکہ جب رشتہ دار ملتے ہیں تو ضرور حال احوال پوچھتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پوچھے ہوں گے۔

(۴) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ تمام تاویلات بارہ ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جب کوئی حدیث لاتے ہیں تو ان کی نظر تمام طرق پر ہوتی ہے چنانچہ یہی حدیث جب کتاب تفسیر میں آئی ہے تو وہاں پر ہے فتحدث مع اہلہ ساعة اس سے صراحتاً ترجمہ الباب کا ثبوت ہوتا ہے۔ الابواب والتراجم میں حضرت شیخ الہند نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم۔

باب حفظ العلم

حدیث اول: حدثنا عبدالعزیز بن عبداللہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال ان الناس یقولون اکثر ابو ہریرۃ ولو لا ایتان فی کتاب اللہ ما حدثت حدیثا وان اباہریرۃ کان یلزم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشبع بطنہ.

حدیث ثانی: حدثنا ابو مصعب احمد بن ابی بکر عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قلت یا رسول اللہ قلت قال ابسط ردآءک فبسطتہ فغرف بیدہ.

حدیث ثالث: حدثنا اسماعیل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال حفظت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعائین فاما احدہما فبسطتہ واما الاخر فلو بسطتہ قطع هذا للعلوم.

ترجمہ الباب کا مقصد:

بیان ادب من آداب المتعلم ہے کہ علم کو حفظ کرنا ضروری ہے اور احادیث سے حفظ کی دو صورتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) علمی مشغلہ میں مداومت رکھے۔ (۲) حفظ میں صرف اپنی محنت اور حافظہ پر اکتفا نہ کرے بلکہ اس کے لئے اسباب بھی اختیار کرے جیسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرائی، ایسے ہی اساتذہ اور بزرگوں سے دعاء کرائی جائے۔ اور اسی طرح ترک معاصی اور انہماک فی الطاعات اختیار کرے جیسے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ منقول ہے کہ میں نے وکیع رحمۃ اللہ علیہ سے سورۃ الحفظ کی شکایت کی تو انہوں نے ترک معاصی کا حکم دیا۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی فاوصانی بترك المعاصی
فان العلم نور من الی ونور الله لا يعطى لعاصی

اور اسی طرح یہ مقصد بھی معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اپنا ہر طرح کا علم ہر کسی کے سامنے پیش نہ کرے بلکہ بعض باتیں بعض لوگوں کے سامنے بیان کرنا مناسب ہوتی ہیں اور بعض کے سامنے مناسب نہیں ہوتی بلکہ موقع محل کی مناسبت سے علم کا اظہار کرے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کلم الناس علی قدر عقولہم۔ اتحبون ان یکذب اللہ ورسولہ کیونکہ اگر بات عقل میں نہیں آئے گی تو وہ انکار کرے گا اور یہ اللہ اور رسول کی تکذیب ہے۔

حدیث اول: لوگ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر کثرت حدیث کی وجہ سے اعتراض کرتے کہ باوجود قلت صحبت دوسرے انصار اور مہاجرین سے زیادہ روایات بیان کرتے ہیں کیونکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۷۷ھ میں مسلمان ہوئے تھے تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر قرآن میں کتمان علم کی وعید نہ ہوتی تو میں ایک حدیث بھی بیان نہ کرتا لیکن کتمان علم پر وعید کی وجہ سے بیان حدیث پر مجبور ہوں۔ اور رہی بات کثرت روایات کی تو چونکہ مہاجرین بھائی تجارت میں مشغول ہوتے اور انصار کھیتی باڑی میں مشغول ہوتے لہذا ان کو کثرت سماع کا موقع نہ مل سکا جبکہ میری نہ دکان تھی نہ کھیت و باغ اور نہ اہل و عیال کی فکر تھی زیادہ سے زیادہ اپنے پیٹ کی فکر ہوتی تو جب پیٹ بھر کر کھانا ملتا تو ہمہ وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میرا حاضر رہتا اور حدیث ثالث میں ہے کہ میرے پاس تو اس سے بھی زیادہ علم محفوظ ہے لیکن اگر باقی علم بیان کروں تو لوگ میرا گلہ کاٹ دیں گے۔

حفظت عن رسول اللہ صلی علیہ وسلم وعائین واما الآخر فلو بسطته قطع هذا البلعوم۔

وعائین سے کیا مراد ہے؟

(۱) صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایک برتن سے مراد علم الظاہر اور احکام شرعیہ ہیں جن کا بیان ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کیا ہے اور دوسرے سے مراد علم الباطن والاسرار ہے جس کو عام لوگوں کے سامنے بیان کرنا مناسب نہیں تھا۔

(۲) محدثین فرماتے ہیں کہ ایک سے مراد علم الظاہر اور علم الاحکام ہے اور دوم سے مراد فتن اور ائمہ جور کے بارے میں پیشینگوئیاں تھیں اگر ان کو ابو ہریرہ فرماتے تو امراء الجور اور ان کے خاندان آپ رضی اللہ عنہ کو نقصان پہنچاتے۔ البتہ بعض دفعہ کنایہ ان کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اعوذ باللہ من امارۃ الصبیان اس سے مراد بنو امیہ کے جوان امراء تھے جنہوں نے بعض نامناسب کام کئے۔

یشبع بطنہ

اس کے دو مطلب ہیں: (۱) کہ مجھے اور کوئی فکر نہیں صرف یہ پیٹ بھر کر مل جاتا تو میں ہمہ وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتا۔ (۲) کان یلازم رسول اللہ === یشبع بطنہ یعنی اتنی صحبت اختیار کی اور علم حاصل کیا کہ جی بھر گیا۔

فغرف بیدہ یہ محسوسات کے ضبط کرنے اور لینے دینے کا طریقہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی طریقہ غیر محسوسات میں اختیار کیا۔

سند آخر (۱) حدیث اول میں بیدہ تھا یہاں بیدہ یہ ہے۔ (۲) وہاں فیہ نہ تھا یہاں فغرف بیدہ فیہ ہے۔

باب الانصات للعلماء

حدثنا حجاج عن جریر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قال له في حجة الوداع استصت الناس فقال لا ترجعوا بعدي كفاراً
يضرب بعضكم رقاب بعض.....

ترجمہ الباب کا مقصد:

(۱) بیاں ادب من آداب المعلم ہے کہ مجلس علم میں خاموش رہے اگر خاموش نہ ہوتا، تو دوسرے اسے خاموش کرائیں۔

(۲) حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب تم کسی مجلس میں جاؤ اور وہ کسی بات میں مشغول ہوں تو اسی مشغولیت کی حالت میں ان سے علم کی بات بیان نہ کرو بلکہ انتظار کرو کہ وہ خاموش ہو جائیں اور بات سننے کے لئے تیار ہوں تو ان سے علم کی بات شروع کرو۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی کو خاموش نہیں کرنا چاہئے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب قائم کر کے بتایا کہ بوقت ضرورت خاموش کرانا جائز ہے۔

لا ترجعوا بعدي كفاراً.....

(۱) ارتداد سے روک رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ جی معلوم ہوا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگ مرتد ہو گے اور نیتاً قتل و قتل کریں۔
(۲) دونوں چیزوں سے منع کر رہے ہیں لیکن اصل منع قتل و قتل سے ہے اور ارتداد کا ذکر تشبیہاً ہے کہ یہ کفارہ کا کام ہے۔

باب ما يستحب للعالم اذا سئل اي الناس اعلم فيك

العلم الى الله تعالى

ترجمہ الباب کا مقصد:

بیان ادب من آداب المعلم ہے کہ کسی صورت میں اپنے لئے علم کا دعویٰ نہ کرے بلکہ اگر کوئی کہے کہ سب سے بڑا عالم کون ہے تو اللہ اعلم کہے اپنی خدمات پیش نہ کرے کہ لوگ تو بندہ حقیر کو سب سے بڑا سمجھتے ہیں کیونکہ علم صفات الہی میں سے ایک وصف ہے اور صفات الہی میں بڑائی اور کبریا ہے تو اس سے آدمی میں تکبر پیدا ہو جاتا ہے اور اسی بڑائی کی وجہ سے

اپنے لئے علم کا دعویٰ کرتا ہے لہذا عالم کے لئے تو اضع ضروری ہے کیونکہ بڑائی اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ یہی وجہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ عالم کون ہے؟ تو انہوں نے ”آنا“ کہا اگرچہ یہ حقیقت تھی لیکن اللہ کو یہ بات پسند نہ آئی اور عتاب نازل ہوئی۔

حضرت خضر علیہ السلام..... قول اصح کے مطابق نبی ہیں لیکن تشریحی نبی نہیں تھے ان کی امت نہیں تھی۔

فائدہ: باب ذہاب موسیٰ علیہ السلام کی حدیث اور اس حدیث میں کوئی خاص فرق نہیں صرف اجمال اور تفصیل کا فرق ہے اور یہ کہ وہاں ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حر بن قیس الغراری کا اختلاف تھا۔ خضر علیہ السلام کے بارے میں اور یہاں پر ابن عباس رضی اللہ عنہ اور نوف البرکالی کا اختلاف ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہ نوف البرکالی کا خیال تھا کہ اس سے مراد موسیٰ بن میشی ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے پوتے ہیں۔

کذب عدو اللہ..... اگر اتنا سخت لہجہ استعمال نہ کرتے تو لوگ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بجائے نوف کی بات پر اعتماد کرتے کیونکہ نوف واعظ تھے اور لوگوں میں وعظ زیادہ مشہور ہوتا ہے بخلاف عام علماء کے۔

باب من یسأل وهو قائم عالما جالسا

حدثنا عثمان رضی اللہ عنہ..... عن ابی موسیٰ قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالا تقال فی سبیل اللہ فان احدنا یقاتل غضبا و یقاتل حمیة..... فقال من قاتل لتکون کلمة اللہ هی العلیا فهو فی سبیل اللہ

ترجمہ الباب کا مقصد:

نمبر ۱: حافظ ابن حجر ابن منیر سے نقل کرتے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ من احب ان یتمثل له الرجال فلیتبعوا مقعدہ من النار کہ عالم اگر چاہے کہ لوگ میری عزت کے لئے کھڑے ہوں تو یہ مذموم ہے، اس سے وہم ہو سکتا تھا کہ اگر عالم بیٹھا ہو تو

سائل کھڑے ہو کر اس سے سوال نہ پوچھے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں اشارہ کیا ہے کہ بیٹھے ہوئے عالم سے کھڑے کھڑے سوال کیا جانا اس وعید کے تحت داخل نہیں۔

نمبر ۲: حضرت شیخ الہند اور علامہ خطابی ابن بطلال کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ گزشتہ ابواب میں گزر گیا کہ معلم کے سامنے مؤدب ہو کر بیٹھنا چاہئے، جیسے باب من برک الخ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ مذکور ہے تو اس حدیث الباب پر اشکال ہو سکتا تھا کہ یہ صورت ادب معلم کے خلاف ہے۔ تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب سے بتا دیا کہ بوقت ضرورت یہ صورت جائز ہے اور خلاف ادب نہیں ہے۔

فان احدنا یقاتل غضباً او حمیة من قاتل لتکون کلمة اللہ ہی العلیا۔
یہ جملہ جوامع الکلم سے ہے۔ گویا اس میں اشارہ ہوا کہ غضب اور رحمت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) غضب و حمیت نفس و خاندان و آبرو کے لئے۔ (۲) غضب و حمیت اللہ اور دین کے لئے۔ تو وہ قتال جو غضب اللہ اور حمیت اللہ کے لئے ہو وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ بصورت دیگر جہاد نہیں۔

لتکون کلمة اللہ ہی العلیا اس حدیث میں جہاد کی غرض و غایت بیان فرمائی کہ اس سے دین کی سر بلندی ہوتی ہے اور ہمیشہ یہی نتیجہ نکلتا ہے بشرطیکہ جہاد خلوص نیت سے ہو کیونکہ ارشاد ہے: والذین جاہلوا فینا لنہدینہم الایة۔

جواب میں لام تاکید اور نون تاکید قائم مقام قسم کے ہیں تو جب ہم دیکھیں کہ جہاد کا مذکورہ نتیجہ نہیں نکلتا تو سمجھنا چاہئے کہ مجاہدین کی نیتوں میں فتور ہے۔

الا انہ کان قائماً یہاں سے ترجمہ الباب ثابت ہوتا ہے اور یہ ترجمہ الباب کا مقام ہے۔

فہو فی سبیل اللہ یہ لڑائی اللہ کے راستے میں ہے یا وہ مجاہد اللہ کے راستے میں ہے۔

باب السؤال والفتيا عند رمى الجمار

حدثنا ابو نعیم عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند الحمرۃ وهو یسال فقال رجل یرسل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نحررت قبل ان ارمی قال ارم ولا حرج.

ترجمہ الباب کا مقصد:

کہ اگر عالم یا مفتی طاعت میں مشغول ہے تو اس صورت میں مستفتی کے لئے سوال کرنا اور مفتی کے لئے سوال کی طرف توجہ دینا اور جواب دینا جائز ہے اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ طاعت دو قسم پر ہیں۔

(۱) وہ طاعات کہ اگر ان کے دوران مفتی سوال غور سے سنے اور جواب دے تو عبادت فاسد ہوتی ہے مثلاً نماز تو اس صورت میں مستفتی کا سوال کرنا اور مفتی کا جواب دینا دونوں ناجائز ہے۔

(۲) وہ طاعات کہ اگر ان کے دوران مفتی سوال کا جواب دے تو عبادت فاسد نہیں ہوتی مثلاً ذکر، طواف، رمی الجمار وغیرہ تو اس صورت میں مستفتی کا سوال کرنا اور مفتی کا جواب دینا دونوں جائز ہیں، گویا یہ بیان مسئلہ من مسائل العلم ہے۔

اشکال: حافظ نے ایک اعتراض کیا ہے کہ ترجمہ الباب اور حدیث الباب میں بظاہر مطابقت نہیں ہے کیونکہ ترجمہ الباب میں عند رمی الجمار کا ذکر ہے اور حدیث میں رايت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند الحمرہ ہے تو ممکن ہے کہ یہ سوال رمی الجمار سے پہلے ہو یا بعد میں ہو لہذا تصریح نہیں کہ سوال عند رمی الجمار ہوا ہے۔

جواب: (۱) حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی جواب دیا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کبھی الفاظ کے عموم سے ترجمہ الباب ثابت کرتے ہیں تو یہاں رايت عند الحمرہ ہے جو قبل الرمی، بعد الرمی، عین وقت الرمی اور دعا بعد الرمی کو شامل ہے تو اس عموم کی وجہ سے یہ عین رمی الجمار کو بھی شامل ہے۔ لہذا ترجمہ الباب ثابت ہوتا ہے۔

(۲) بعض عند الحمرہ سے چونکہ یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ دعا بعد الرمی کی صورت ہو تو

اس سے اتنی بات معلوم ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم طاعت میں مشغول تھے تو اس عمومی معنی سے ثابت ہوا کہ وقت طاعت میں سوال کرنا جائز ہے اور رمی الجمار بھی طاعت ہے۔
اسماعیلی کا اشکال: امام بخاری اگر اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر باب قائم کرتے ہیں تو اسی حدیث کے اوپر تین باب قائم کرنے چاہئیں۔ (۱) جو رمی الجمار پر دال ہو یعنی باب سوال عند رمی الجمار (۲) جو مکان پر دال ہو یعنی سوال عند الحجر (۳) جو زمان پر دال ہو یعنی سوال یوم النحر۔

جواب: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا ہے کہ پہلا ترجمۃ الباب گزر چکا ہے اب زمانہ سے مقید اعمال میں علم کے مسائل بیان کر رہے ہیں۔
ارم ولاحرج..... مسئلہ ترتیب ارکان حج

احناف کے ہاں ترتیب واجب ہے کہ دس تاریخ کو پہلے رمی کرے اگر متمتع ہے تو پھر نحر کرے اور پھر حلق کرے اور اس سے حل ناقص حاصل ہوگا، پھر طواف زیارت سے حل کامل حاصل ہوگا البتہ طواف زیارت اور ارکان ثلاثہ کے درمیان ترتیب واجب نہیں۔
ائمہ ثلاثہ کے ہاں ارکان میں ترتیب واجب نہیں ہے اور ان کا متدل حدیث الباب ہے کہ ارم ولاحرج۔

جواب: (۱) احناف اس حدیث کا جواب دیتے ہیں کہ یہ چونکہ پہلا حج تھا لہذا اللہ کی طرف سے اس میں رعایت تھی۔

(۲) ولاحرج میں اخروی گناہ کی نفی ہے اور اس میں دم کی نفی کا ذکر نہیں ہے۔
دلیل احناف برائے وجوب ترتیب: ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر ہے کہ 'من قدم شیئاً او اخر من نسكہ فعليه دم۔'

باب قول اللہ وما اوتیتم من العلم الا قليلا

حدثنا قيس بن حفص..... عن عبد الله رضى الله عنه..... فمر بنفر من اليهود فقال بعضهم سلوه عن الروح..... فقال يا ابا القاسم..... ما الروح؟ فسكت فقلت انه يوحى..... ففقت فلما اتحلى عنه، فقال يسئلونك عن الروح

قل الروح من امر وما اوتيتم من العلم الا قليلا.

ترجمہ الباب کا مقصد:

یہ مسئلہ گزر گیا کہ ضرورت کا مسئلہ مفتی سے ایسی صورت میں بھی پوچھا جاسکتا ہے کہ مفتی طاعت میں مشغول ہو تو اس بارے میں بتا دیا کہ بر ضرورت کی بات عالم سے پوچھنی چاہئے کیونکہ ہمارے پاس اگر علم ہے بھی تو بہت تھوڑا ہے لقولہ تعالیٰ وما اوتيتم من العلم الا قليلا۔

خراب: ضد عامر۔ غیر آباد زمین کو کہتے ہیں۔

تفصیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر چند یہودیوں پر ہوا بعض نے کہا کہ ان سے روح کے بارے میں پوچھ لو۔ بعض نے کہا کہ مت پوچھو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا جو توراہ میں ہے تو ہمیں لامحالہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تسلیم کرنی پڑے گی اور انکار کی کوئی گنجائش نہ رہے گی۔ بہر حال انہوں نے پوچھ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ خاموش ہوئے اسی وقت وحی اتری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلاوت فرمائی: یسئلونک عن الروح من امر ربی وما اوتيتم من العلم الا قليل۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی جواب دیا جو توراہ میں تھا۔

فقمت (۱) پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوا۔ (۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور یہود کے درمیان کھڑا ہوا تا کہ یہود نقصان نہ پہنچا سکیں۔

یسئلونک عن الروح

روح سے مراد کیا ہے:

(۱) قرآن میں جبرئیل علیہ السلام پر اطلاق ہوا ہے۔ نزل بہ الروح الایۃ۔ (۲) قرآن پر اطلاق ہوا ہے۔ او حینا الیک روحا من امرنا۔ (۳) ایک عظیم فرشتے پر اطلاق ہوا ہے۔ یوم یقوم الروح الایۃ۔ (۴) روح انسانی پر بھی اطلاق ہوا ہے۔ یہاں پر یہی مراد ہے جس کے ساتھ بدن کا قوام ہے۔

روح کی حقیقت: حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ استائر اللہ بہ۔ اللہ کے علاوہ کسی کو

حقیقت معلوم نہیں۔

قل الروح من امر ربي: عالم دو قسم پر ہے۔ (۱) عالم خلق۔ (۲) عالم امر۔
 (۱) امور تکوینی عالم امر ہے اور امور تشریحی عالم خلق ہے۔ (۲) عرش سے اوپر عالم
 امر اور عرش کے نیچے عالم خلق ہے۔ (۳) مادہ سے پیدا ہونے والا عالم خلق ہے اور کلمہ کن
 سے پیدا ہونے والا عالم امر ہے۔

باب من ترک بعض الاختیار مخافة ان یقصر فهم بعض الناس فیقعوا فی اشد منه

حدثنا عبد الله بن موسى كانت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہم
 تسرب اليك كثيرا فمأخذ حدثك في الكعبة قلت قالت لي قال النبي صلى الله عليه
 وسلم يا عائشة لو لا ان قومك حديث عهدهم.

ترجمہ الباب کا مقصد:

گزشتہ ابواب میں گزر گیا کہ عالم اپنے قول و عمل سے علم کی تبلیغ اور تشریح کرے تو امام
 بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مطلوب اور محمود کام ہے لیکن اس میں ہوشیاری سے کام
 لینا چاہئے کیونکہ بعض امور عالم کو مختار اور پسندیدہ ہوتے ہیں لیکن لوگ غلط نہیں اور نا سمجھی کی
 وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو عالم کو ایسا عمل نہیں کرنا چاہئے گویا بیان ادب من ادب
 المعلم ہے۔

تفصیل:

سب سے پہلے یہ بات کہ کعبہ کی تعمیر کتنی مرتبہ ہوئی، تو یعنی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ
 سب سے اول کعبہ کی تعمیر فرشتوں نے کی۔ ثانیاً ابراہیم علیہ السلام نے، ثالثاً قریش نے،
 رابعاً عبد اللہ ابن زبیر نے، خامساً حجاج بن یوسف نے، فرشتوں کی تعمیر مسقف نہیں تھی
 صرف دیواریں تھی پھر ابراہیم نے مسقف تعمیر کیا، دروازہ زمین سے ملحق تھا اور دروازے
 دو بنائے تھے ایک دخول کے لئے اور بالکل سامنے ایک خروج کے لئے۔ قریش نے اپنے
 دور میں سوچا کہ ہم جس کا داخل ہونا پسند کریں وہ کعبہ میں داخل ہو اور جس کو نا پسند کریں وہ

داخل نہ ہو تو اس پر عمل کرنے کے لئے انہوں نے دو کام کئے۔ (۱) دو کے بجائے ایک دروازہ رکھا۔ (۲) دروازے کو زمین سے خوب اوپر کیا۔ فتح مکہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔ یا عائشہ لولا ان قومك حديث عهدهم بكفر لنقضت الكعبة وجعلت له بايين كه ميرادل چاہتا ہے کہ کعبہ کو طرزِ ابراہیمی پر تعمیر کروں لیکن میں اگر ایسا کروں تو لوگ چونکہ حدیث العہد بالکفر ہیں تو سمجھیں گے کہ اب تک تو کعبہ کی تعمیر کا فخر سب قریش کو تھا لیکن اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ فخر اکیلے اپنے لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ممکن ہے اس غلط فہمی کی وجہ سے بعض لوگ مرتد ہو جائیں ورنہ کم از کم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ ظن کریں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے ایک امتیازی شان کے خواہاں ہیں اور یہ ظن سوء ایمان کے لئے مضر ہے۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلط فہمی کے امکان کی وجہ سے اپنا پسندیدہ عمل (تعمیر کعبہ بطرزِ سابق) چھوڑ دیا۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش تھی لیکن انہوں نے جب اسود سے پوچھا کہ کاتت عائشہ نسر الیک فما حدثک فی الکعبہ تو اسود نے کہا کہ مجھے تعمیر کعبہ کے بارے میں حدیث سنائی تھی لیکن کچھ الفاظ بھول گیا ہوں۔ غرض اسود نے حدیث سنادی تو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا دور جب آیا تو انہوں نے سوچا کہ اب تو لوگوں کا ایمان راسخ ہو چکا ہے لہذا اب غلط فہمی اور فتنہ کا خدشہ نہ ہوگا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کے مطابق کعبہ تعمیر کیا لیکن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اندازہ غلط نکلا کیونکہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حجاج نے اس تعمیر کو توڑا کہ اس میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا مقصد ایسی شہرت اور ناموری تھی لہذا حجاج نے دوبارہ کعبہ قریش کے طرز پر تعمیر کیا۔ بعد میں ہارون الرشید نے اس حدیث کے تحت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے تعمیر کعبہ کا فتویٰ پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کے مطابق بنا دوں؟ تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں کعبہ کو حکمرانوں کے لئے کھلوانا بنانا نہیں چاہتا کیونکہ ہر حکمران پہلے والی تعمیر کو توڑ کر جدید تعمیر کریں گے اور اس انہدام اور تعمیر سے کعبہ کی عظمت اور ہیبت لوگوں کے دل سے نکل جائے گی۔ تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے تعمیر کی اجازت

نہیں دی چنانچہ موجودہ تعمیر قریش کی طرز پر ہے۔

**باب من خص بالعلم قوما دون قوم كراهية ان لا يفهموا وقال
على رضى الله عنه. حدثوا الناس بما يعرفون اتحبون ان
يكذب الله ورسوله**

حدثنا اسحق بن ابراهيم قال حدثنا انس بن مالك رضى الله عنه ان
النبي صلى الله عليه وسلم و معاذ رديفه على الرحل قال، من احد يشهد ان
لا اله الا لله و ان محمدا رسول الله صلغنا من قلبه الا حرمه الله على النار۔ قال
يلرسول الله صلى الله عليه وسلم افلا اخبر به الناس فيستبشرون قال اذا يتكلموا
واخبر بها معاذ عند موته تائماً
ترجمة الباب کا مقصد:

حافظ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ گزشتہ باب اور اس باب کا مضمون اور مقصد ایک ہے
البتہ تکرار کے اشکال سے بچنے کے لئے اتنا فرق کریں گے کہ
(۱) گزشتہ باب افعال سے متعلق تھا اور یہ باب اقوال سے متعلق ہے کہ ایسی بات نہ
کرنی چاہئے کہ لوگوں کے ذہن میں نہ آئے کیونکہ جب بات عقل میں نہیں آتی تو تبادرالی
الانکار ہوتا ہے اب اگر اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہوگی تو اللہ اور رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کا انکار ہوگا اور یہ کفر ہے اور سب کفریہ بات کرنے والا ہوگا۔
(۲) یا یہ فرق کریں گے کہ گزشتہ باب عام تھا اقوال اور افعال دونوں کو شامل تھا اور یہ
باب خاص ہے اور اقوال کے ساتھ ہے تو تخصیص بعد اعمیم ہے لہذا تکرار کا اشکال بھی نہیں
ہوگا۔

حدثوا الناس حضرت علیؑ کا اثر نقل ہے کہ غرائب اور غیر معروف باتیں لوگوں
کے سامنے بیان مت کرو۔ ورنہ نتیجہ انکار اور کفر ہوگا اور سب کفر تم ہو گے یہی روش صحابہ کرام
رضوان اللہ علیہم اور مابعد کے علماء اور ائمہ نے اختیار کی ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا
واقعہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق لوگوں کو

خوشخبری سنانے نکلے کہ من قال لا اله الا الله دخل الحنة حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سختی سے منع فرمایا کہ بعض لوگ قاصر ذہن والے اعمال کو چھوڑ کر اسی کلمہ پر اکتفا کر لیں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی حکم دیا چنانچہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو موافقات عمر میں ذکر کیا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عوام کے سامنے ایسی باتیں بیان نہ کرو جن سے حکومت کے خلاف بغاوت کی اجازت کا خدشہ ہو۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ صفیات باری تعالیٰ کی احادیث بیان کرنے سے منع فرماتے تھے کہ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی طرح ہاتھ، پاؤں ثابت کریں گے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ غریب الحدیث بیان کرنے سے روکتے تھے۔

قال علی رضی اللہ عنہ حدثوا الناس حدثنا به عیید اللہ بن موسیٰ

اشکال:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر پہلے نقل کیا اور سند بعد میں ذکر کی۔ وجہ کیا ہے؟

جواب:

(۱) یہ طریقہ حدیث اور اثر میں فرق ظاہر کرنے کے لئے کیا ہے لیکن یہ طریقہ صرف اسی مقام پر اختیار کیا ہے۔ (۲) اصل مقصود متن تھا تو مقدم ذکر کیا لیکن سند کے بغیر متن مضبوط نہیں ہوتا لہذا اس کو بھی ذکر کیا۔ (۳) ممکن ہے سند بعد میں ملی ہو۔ (۴) سند کی ضعف کو اشارہ کیا ہے کیونکہ سند میں معروف ابن خربوذ پر کلام ہے۔

من قال لا اله الا الله دخل الحنة.....

اشکال:

ایک طرف یہ حدیث ہے اور دوسری طرف اہل سنت کا اجماع ہے اور احادیث سے بھی ثابت ہے کہ عصاة المؤمنین کو عذاب ہوگا تو تطبیق کس طرح ہوگی۔

جواب:

(۱) مطلب یہ ہے کہ شہادتین کا اقرار کیا اور اس کا تقاضہ بھی پورا کیا یعنی گناہ نہ کئے۔

(۲) اس صورت پر محمول ہے کہ قریب الموت اسلام لایا اور گناہ کا موقع نہ ملا تو سابقہ گناہ الاسلام بھدم ماکان قبلہ سے ختم ہو جائیں گے۔ (۳) تحریم النار سے مراد تحریم الخلود ہے تحریم الدخول نہیں ہے۔ (۴) یہ قول خرج مخرج الغالب کے قبیل سے ہے کہ شہادتین کے اقرار سے مسلمان ہو اور مسلمان سے غالب توقع ہے کہ گناہ نہیں کرے گا۔ (۵) لفظ عام ہے لیکن مراد بعض اعضاء ہیں جیسے احادیث سے بھی ثابت ہے کہ وموواضع السجود کو آگ پر حرام کیا گیا ہے۔

صدقا من قلبہ.....

(۱) احتراز من النفاق۔

(۲) یطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شہادتین کے تقاضا پر عمل کیا۔

فاخبر بها عند موتہ تانماً..... تاکہ کتمان علم کی وعید کے تحت داخل نہ ہو جاؤں۔

ذکر لسی ان النبی قال..... اس میں دو احتمال ہیں۔ (۱) میمون بن عمرو۔ (۲)

عبدالرحمن بن سمرہ۔

باب الحیاء فی العلم

وقال محاهد لا يتعلم العلم مستحیی ولا مستکبر و قالت عائشہ رضی

اللہ عنہا نعم النساء نساء الانصار لم يمنعهن الحیاء ان يتفقهن فی الحدیث

حدیث اول: حدثنا محمد بن سلام..... عن ام سلمہ قالت جاءت ام

سليم رضی اللہ عنہا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ

ان اللہ لا یستحیی من الحق فهل علی المرأة فی غسل ان احتملت الی آخرہ۔

حدیث ثانی: حدثنا اسماعیل..... عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قال ان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان من شجرة لا یسقط ورقها۔

ترجمہ الباب کا مقصد:

(۱) ابن مزیر کا قول ہے کہ ادب من اداب الحعلم بیان کرنا ہے کہ حعلم کو طلب علم میں

حیاء کرنا مناسب نہیں ورنہ علم سے محروم رہ جائے گا۔

(۲) شیخ الہند فرماتے ہیں کہ یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی یقینی اور قطعی بات نہیں فرمائی ہے بلکہ حکم کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ حیاء محمود صفت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ الحیاء خیر کله، الحیاء لایاتی الا بخیر۔ اور صفت محمودہ کے اختیار کرنے سے اس کا نتیجہ بھی محمود اور اچھا نکلے گا۔ بعض دفعہ اس صفت کا درست استعمال نہیں ہوتا تو نتیجہ غلط نکلتا ہے اور آدمی سمجھتا ہے کہ یہ غلط نتیجہ اس صفت کی وجہ سے نکلا ہے جیسے حیاء ہے بعض دفعہ آدمی طلب علم میں حیاء کی وجہ سے سوال نہیں کر سکتا۔ حالانکہ یہ حیاء نہیں بلکہ فطری بزدلی ہے تو جب محروم رہ جاتا ہے تو سمجھتا ہے کہ یہ حیاء کی وجہ سے ہوا ہے حالانکہ یہ فطری بزدلی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور حدیث الباب میں ام سلیم رضی اللہ عنہا نے بوجہ حیاء کے سوال ترک نہیں کیا بلکہ ایسی تمہید باندھی جو حیاء کے منافی نہیں تھی۔

قال منحاہد..... لا يتعلم العلم مستحی ولا مستکبر..... بکسیر تو صفت مذموم ہے اس کا نتیجہ بھی مذموم نکلتا ہے اور اس کا حامل محروم ہوگا۔ لیکن مستحی کے بارے میں ہم کہیں گے کہ بعض دفعہ فطری بزدلی کی وجہ سے محروم ہو جاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ حیاء کی وجہ سے محروم رہ گیا حالانکہ یہ حیاء نہیں بزدلی تھی۔

قالت عائشة نعم النساء النساء الانصار..... یہ اثر اور حدیث ام سلمہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مقصد کے مطابق ہیں کہ حیاء سے خیر ہی آتا ہے جیسے مذکور ہے کہ حیاء بھی باقی رہی اور علم بھی حاصل ہوا۔

فهل علی المرأة غسل الخ..... یہ بات متفق علیہ ہے کہ عورت پر غسل تب واجب ہے جب منی فرج خارج کی طرف نکل آئے۔

حدیث ثانی: یہ حدیث گنڈ رہی ہے یہاں صرف اتنی زیادت ہے فحدثت ابغی بما وقع فی نفسی الخ فقال لان تکون قلتها احب الی کذا کذا: اس نے معلوم ہوتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کو یہ حیاء پسند نہیں آئی بظاہر یہ حدیث شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ مقصد کے خلاف ہے۔ حالانکہ یہ حیاء سوال کے متعلق نہیں تھا بلکہ جواب کے متعلق تھا اور اس حیاء کی وجہ سے ابن عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم علم سے محروم نہیں ہوئے بلکہ سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بات بتادی زیادہ سے زیادہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے

افہم ہونے اور فضیلت کا اظہار نہ ہو سکا۔

باب من استخمر فامر غیرہ بالسؤال

حدثنا مسدد..... عن علي رضي الله عنه قال كنت رجلا مذآء فامرت

المقداد ان يسال النبي صلى الله عليه وسلم فساله فقال فيه الرضوء.

بعض روایات میں ہے کہ چونکہ فاطمہ بنت نبی میرے نکاح میں تھی اور خروج مذی

ملا عبت الرجل اہلہ سے ہوتا ہے لہذا میرا اس طرح کا سوال مناسب نہیں تھا۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

اگر کسی کو سوال کرنے سے حیا مانع ہو تو دو صورتیں ہیں: (۱) حیا کی وجہ سے کبھی نہ

پوچھے یہ محرومی کا سبب ہے۔ (۲) دوسرے کو سوال کرنے کا کہے اس طرح اس کو بھی علم

حاصل ہوگا تو دوسری صورت اختیار کرنی چاہئے تاکہ حیا بھی باقی رہے اور علم بھی حاصل ہو۔

مسئلہ خروج مذی:

(۱) یہ سب کے ہاں اسباب حدث سے ہے۔ (۲) موجب غسل نہیں۔ (۳) سبب

حدث اصغر ہے۔

اضطراب: حدیث الباب کی روایات میں اضطراب ہے بعض میں نسبت سوال

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف ہے بعض میں مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ اور بعض میں عمار

بن یاسر رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت ہے۔ اصل صورت یہ ہے کہ (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ

کی طرف نسبت مجاز ہے بحیثیت امر جیسے بنی الامیر المدینہ۔ (۲) یا حضرت علی رضی اللہ عنہ

کی طرف نسبت حقیقی بھی ہو سکتی ہے وہ اس طرح کہ جب مقداد نے سوال کیا تو اب حیا

مانع نہ رہی کیونکہ بات چل پڑی لہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی سوال کر لیا اور جہاں

تک مقداد رضی اللہ عنہ اور عمار رضی اللہ عنہ کی طرف الگ الگ نسبت کا اضطراب ہے تو ممکن

ہے دونوں نے الگ الگ مجلس میں سوال کیا ہو۔

باب ذکر العلم والفتيا في المسجد

حدثنه قتيبة بن سعيد..... عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما ان رجلا

قام فی المسجد فقال یرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من این تأمرونا ان نھل
فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یھل اھل المدینہ من ذی الحلیفہ
ترجمہ: ایک مرتبہ ایک آدمی نے مسجد میں کھڑے ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ صلی اللہ
علیہ وسلم ہمیں کسی جگہ سے احرام باندھنے کا حکم دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
مدینہ والے ذوالحلیفہ سے احرام باندھے۔ اور اہل شام حجفہ سے اور نجد والے قرن سے،
ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
یمن والے یتلمم سے احرام باندھیں۔

ترجمہ الباب کا مقصد:

پڑھنے پڑھانے میں کبھی رفع الصوت ہو جاتا ہے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
مساجد میں رفع الصوت سے منع کیا ہے تو وہم پیدا ہو سکتا تھا کہ مساجد میں درس تدریس
نا جائز ہوگا۔ امام بخاری نے باب قائم کر کے اس اشکال کو ختم کیا۔

(۲) ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مساجد
ذکر، صلوة اور تلاوت کے لئے ہیں تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے مقاصد میں
ذکر، تلاوة، صلوة کو شمار کیا لیکن درس تدریس کو شمار نہیں کیا۔ تو وہم ہو سکتا تھا کہ شاید مسجد میں
درس جائز نہ ہو تو امام بخاری نے بتایا کہ مسجد میں درس جائز ہے۔

میقات: وہ مقام کہ جہاں سے حاجی اور معتمر کا بغیر احرام کے گذرنا جائز نہ ہو۔

یھل اھل المدینہ من ذی الحلیفہ یہ میقات صرف اہل مدینہ کے لئے
نہیں بلکہ اس سمت میں واقع تمام علاقوں کے لئے ہے۔ اسی طرح یتلمم صرف یمن کے
لئے نہیں بلکہ اس سمت میں تمام لوگوں کے لئے ہے اور ہمارے لئے یہی یتلمم میقات ہے۔

باب من اجاب السائل باكثر مما سألہ

حدثنا ادم عن ابن عمر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
ان رجلاً سألہ ما یلبس المحرم فقال لا یلبس القمیص ولا العمامة ولا البرنس او یلبس
ولا البرنس ولا ثوباً ممسہ الورد او الزعفران فان لم یجد النعلین فلیبس الخفین

وليقطعهما حتى يكوونا تحت الكعبين.

ترجمہ: ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ احرام باندھنے والے کو کیا پہننا چاہئے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ قمیص پہنے نہ صافہ باندھے اور نہ پاجامہ اور نہ کوئی سرپوش اوڑھے اور نہ کوئی زعفران اور ورس (ایک قسم کی خوشبودار گھاس) سے رنگا ہوا نچڑا کپڑا پہنے اور اگر جوتے نہ ہیں تو موزے پہن لے اور انہیں اسی طرح کاٹ دے کہ وہ ٹخنوں سے نیچے ہو جائیں۔

ترجمہ الباب کا مقصد:

حافظ نے ابن منیر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ مقصد یہ ہے کہ ہر مقام پر جواب کا سوال کے مطابق ہونا ضروری نہیں دراصل اس بارے سے اصولیین کے ایک قاعدہ کو غلط ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ جواب تب جواب ہوگا جبکہ سوال کے مطابق ہو یعنی سوال خاص ہو تو جواب بھی خاص ہو۔ اگر سوال اور جواب میں عموم خصوص میں مطابقت نہیں تو وہاں جواب بننے کے صالح نہیں۔

استنباط مسئلہ: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے مسئلہ نکالا ہے کہ اگر سائل مفتی سے کوئی خاص سوال کرے اور مفتی سمجھتا ہے کہ اگر میں خاص جواب دوں تو اس سے غلط فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے تو اس کیلئے جائز ہے کہ تفصیلی جواب دے اور ناجائز فائدے کا راستہ بند کر دے۔

(۲) علامہ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث ہے کہ ترک لایعنی دیندار ہونے کی علامت ہے تو وہم ہو سکتا تھا کہ اگر مفتی سوال سے زائد جواب دے تو یہ کیا لایعنی تو نہیں تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے سے اس اشکال کو ختم کیا کہ یہ صورت لایعنی میں داخل نہیں بلکہ یہ صورت بارہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ شفقت علی السائل سوال سے زائد جواب دے دیتے تھے۔ اس حدیث الباب میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حلت اضطراری کا حکم بیان کیا۔ فان لم یجد النعلین۔ الخ

حتی یکوونا تحت الكعبین..... باب الوضوء میں کعب سے مراد ٹخنے ہوتے ہیں

لیکن باب الحج میں اس سے مراد ظہرِ جُل پر ابھری ہوئی ہڈی ہے۔

فائدہ: ابن رشد کا قول۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خاتمہ کتاب اس باب پر کیا ہے اور کچھ پہلے تراش بعض الاختیار کا باب قائم کیا تو اشارہ کیا ہے کہ میں نے کتاب العلم میں طالب علم کی رغبت سے زیادہ احادیث لائی ہیں البتہ جن احادیث سے غلط فہمی یا شبہ پیدا ہو سکتا تھا ان کو ترک کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

ولیقطعہما..... حافظ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حسب عادت ایسا لفظ ذکر کیا ہے جس سے خاتمہ کتاب کی طرف اشارہ ہے۔ (۱) جیسے قطع (۲) سوال و جواب کے بعد بات ختم ہو جاتی ہے تو خاتمہ کتاب کی طرف اس سے بھی اشارہ ہو سکتا ہے اور شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے ساتھ ساتھ امام بخاری خاتمہ انسان کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں جیسے یہاں سوال و جواب کا ذکر ہے تو انسان کی زندگی ختم ہونے کے بعد منکر نکیر کے سوال و جواب کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم۔

کتاب الوضو باب فی الوضو

ما جاء في قول الله تعالى اذا قمتم الى الصلوة الخ
قال ابو عبد الله بين النبي صلى الله عليه وسلم ان فرض الوضو مرة
وتوضاً ايضاً مرتين وثلاثاً ولم يزد على ثلاث وكره اهل العلم الاسراف فيه وان
لم يحاوز فعل النبي صلى الله عليه وسلم
اندازا ابتداء:

امام بخاریؒ حسب عادت بسم اللہ کو کبھی کتاب سے مقدم لاتے ہیں اور کبھی مؤخر،
یہاں پر کتاب سے مؤخر لائے ہیں یہ امام بخاریؒ کا تفسیر فی الابداء ہے۔
ثبوت وضو:

وضو کے ثبوت میں اصل آیت قرآنی یا ایہا الذین امنوا اذا قمتم الى الصلوة
فاغسلوا وجوهکم الآية ہے امام بخاریؒ نے اس آیت کو لا کر اشارہ کیا کہ وضو کا ثبوت
قرآن سے ہے اور یہ اشارہ کیا کہ مابعد کی احادیث اس آیت کی تفسیر اور تشریح ہیں۔
فرضیت وضو:

(۱) بعض حضرات کے ہاں فرضیت وضو مدینہ میں ہوئی کیونکہ اصل الوضو آیت مدنی

ہے۔

(۲) لیکن حافظؒ اور دیگر عام شارحین نے اس کو غلط کہا ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ غسل
جنابت اور وضو کی فرضیت مکہ میں ہوئی تھی چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ میں وضو
ثابت ہے۔

(۳) بعض حضرات تطبیق کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں وضو کرتے
تھے استجاباً اور بعد از ہجرت مدینہ میں وضو کرتے تھے وجوباً لیکن صحیح تر قول حافظؒ کا ہے کہ
فرضیت وضو فرضیت صلوة کے ساتھ ہوئی ہے۔

اذا قمتم الى الصلوة فاغسلوا وجوهکم.....

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ابتداء میں وضو کیلئے قیام الی الصلوٰۃ شرط تھا محدث ہونا شرط نہیں تھا یعنی ہر نماز کیلئے وضو کرنا فرض تھا چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ کان يتوضا لكل صلوٰۃ..... ونحن نصلی الصلوٰت بوضوء..... بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر نماز کیلئے وضو کرنا ثابت ہے لیکن یہ ثابت نہیں کہ یہ وضو جو با تھا یا استحباباً، اور فتح مکہ کے واقعہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ففعلت امرأ لم تکن تفعله قط فقال عمداً فعلته تو معلوم ہوا کہ اگر وجوب تھا تو منسوخ ہوا ہے۔

جمہور کے ہاں اذا قمتم الی الصلوٰۃ کے بعد وانتم محدثون کی قید ملحوظ ہے اور اس قید کیلئے روایات اور آثار قرینہ ہیں جن میں ثابت ہے کہ وضو کیلئے محدث ہونا شرط ہے۔
حافظ ابن حجر کا قول:

آیت وضو میں تقدیر نکالنے کی ضرورت نہیں بلکہ جب حکم یہی ہے کہ جب آدمی نماز کیلئے کھڑا ہو تو وضو کرے البتہ اتنی بات ہے کہ اگر آدمی محدث ہو تو حکم وجوبی ہوگا اور اگر با وضو ہو تو حکم استحبابی ہوگا اور اس طرح جمع بین الحقیقۃ والمجاز کا اشکال نہیں ہوگا کیونکہ وجوب اور استحباب امور خارجیہ ہیں۔

فاغسلوا وجوهکم.....

غسل الاعضاء مرة فرض ہے، مرتین اولیٰ ہے اور ثلاث مرات استحباب کامل ہے اور اس سے زائد کو اسراف کہتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ من زاد او نقص فقد اساء وظلم
حدود وجہ:

لبائی میں پیشانی کے بالوں سے لے کر اسفل الذقن تک اور ایک کان کی نو سے دوسرے کان کی نو تک۔

وایدیکم الی البرافق.....

یہ امام زفر کے خلاف مستدل اور حجت ہے وہ فرماتے ہیں کہ غایہ مغیا میں داخل نہیں

و امسحوا براء و مسکم.....

جمہور کے ہاں بالاتفاق مسح الرأس فرض ہے البتہ مقدار میں اختلاف ہے:
امام شافعیؒ کے ہاں ادنیٰ ما یطلق علیہ اسم المسح اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے
ہاں مقدار ناصیہ اور امام مالکؒ کے ہاں استیعاب رأس فرض ہے۔
فائدہ:

وضو میں ان چار اعضاء کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ آدمی عموماً گناہ کیلئے ان چار اعضاء کو
بروئے کار لاتا ہے سب سے پہلے مواجہت ہوتی ہے پھر اس چیز کو حاصل کرنے کیلئے ہاتھ
استعمال کرتا ہے پھر اگر حاصل نہ ہو تو دوسرے طریقے سوچتا ہے یعنی سر کو استعمال کرتا ہے پھر
چل کر اسے حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے اور چونکہ وضو کا مقصد طہارت باطنی ہے اور اس
طہارت کیلئے یہ چار راستے ہیں تو جب ظاہری طہارت حاصل ہو جائے تو باطنی طہارت بھی
انشاء اللہ حاصل ہو جائے گی۔

و کرہ اهل العلم الاسراف فیہ.....

امام بخاریؒ کے ہاں چونکہ اسراف والی روایت ثابت نہیں ہے لہذا انہوں نے اسراف
کی کراہت کا قول اہل علم کی طرف منسوب کیا ہے۔
اسراف کی صورتیں:

اسراف کی دو صورتیں ہیں (۱) اسراف فی الماء (۲) محل میں اسراف یہ کہ تین کے
بجائے چار مرتبہ دھوئے۔

باب لا تقبل صلوة بغير طهور

عن ابی ہریرۃ لا تقبل صلوة من احدث حتی يتوضا فقال رجل من حضر

موت ما لحدث یا اباهریرۃ ا فقال فساء او ضراط. الحدیث

یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ بغیر وضو کے نماز نہیں ہوتی البتہ نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت میں
اختلاف ہے بعض حضرات کے ہاں یہ دونوں بغیر وضو کے جائز ہیں کیونکہ یہ ان کے ہاں
صلوة میں داخل نہیں ہیں لیکن جمہور کے ہاں جنازہ اور سجدہ تلاوت بھی بغیر وضو کے جائز

نہیں ہیں۔

فقال فسأء او ضراط.....

(۱) یہاں پر صرف ان دونوں کو ذکر کیا ہے لیکن یہ تخصیص محل کے اعتبار سے ہے کیونکہ مسجد میں صرف فسأء اور ضراط ہی متصور ہیں کوئی مسجد میں پیشاب وغیرہ نہیں کرتا۔
(۲) ان دونوں کو بطور اکثر و اغلب کے ذکر کیا ہے کہ اکثر طور پر ان دونوں سے حدث لاحق ہوتا ہے۔

باب فضل الوضوء والغر المحجلون من آثار الوضوء

ترجمہ الباب کے الفاظ:

یہ دو طرح سے منقول ہیں:

(۱) الغر المحجلین اس صورت میں یہ عطف ہے فضل الوضوء پر، عبارت ہوگی

باب فضل الوضوء وفضل الغر المحجلین من آثار الوضوء

(۲) الغر المحجلون بالرفع جیسے ہمارے نسخے میں ہے حافظ نے لکھا ہے کہ یہ

اعراب دکائی ہے حدیث میں آیا ہے کہ ”انتم الغر المحجلون“ تو ترجمہ الباب میں ان الفاظ کو ایسے ہی نقل کیا ہے۔ الغر المحجلون مبتدا ہے اور من آثار الوضوء اس کی خبر ہے۔

الغر المحجلون کا مطلب:

غُر گھوڑے کی پیشانی پر سفید داغ کو کہتے ہیں اور تحجیل قوائم الفرس پر سفید داغ

کو کہتے ہیں اس مقام پر جمال اور نور مراد ہے۔ یعنی انتم المحجلون کہ تمہاری پیشانیاں اور اعضاء الوضوء چمکتے ہونگے۔

تحجیل کا مطلب:

کہ اعضاء کو دھوئے تو حد مقرر پر اکتفاء نہ کرے بلکہ اس سے زیادہ دھوئے یہی عمل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

زیادتی کتنی ہو؟

(۱) ہاتھ نصف العصد اور پاؤں نصف الساق تک۔

(۲) ہاتھ الی المناکب والاباط اور پاؤں گھٹنوں تک۔

تحجیل کا حکم:

جمہور کے ہاں تحجیل اور اطالة الغره یہی ہے کہ اعضاء کو اپنی مقدار سے زیادہ دھوئے جبکہ امام مالک کے ہاں یہ ہے کہ عضو کو خوب دلك کے ساتھ دھوئے۔

باب لا يتوضأ من الشك حتى يتيقن

لا يفتل حتى يسمع صوتاً او يحد ريحاً

(۱) سماع الصوت اور ریح کا آنا یہ کنا یہ ہے خوب یقین ہو جائے کہ وضو ٹوٹ گیا ہے ظاہری معنی پر حمل نہیں ورنہ ممکن ہے کہ کوئی آدمی بہرہ ہو اور آواز نہ سنے یا قوۃ الشامة کا مریض ہو تو کیا اس پر وضو نہیں ہوگا؟ لہذا یقین کو سماع الصوت اور وجود الریح سے تعبیر کیا۔
(۲) فقہاء نے یہ قاعدہ کہ ”الیقین لا يزول بالشك“ اس حدیث سے مستنبط کیا

ہے۔

اختلاف اور جمہور کا مذہب:

حدیث الباب کا حکم خارج الصلوٰۃ اور داخل الصلوٰۃ دونوں کیلئے ہے کہ یقین حاصل ہونے سے پہلے نیا وضو نہ کرے۔

امام مالک سے اس سلسلے میں چند اقوال منقول ہیں:

(۱) جمہور کی طرح کا قول (۲) خارج الصلوٰۃ اور داخل الصلوٰۃ میں فرق ہے داخل الصلوٰۃ کا حکم تو حدیث الباب کا ہے لیکن خارج الصلوٰۃ احتیاطاً وضو کر لے شک کی وجہ سے۔
(۳) مطلقاً دونوں کو شک کی وجہ سے وضو کرنا چاہئے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

اس باب سے امام بخاری کا مقصد امام مالک پر رد اور جمہور کی تائید ہے۔

باب التخفيف في الوضوء وباب الاسباغ في الوضوء

وقد قال ابن عمر رضي الله عنهما اسباغ الوضوء الانقاء

ترجمۃ الیابین کا مقصد:

(۱) حافظ نے لکھا ہے کہ ان دونوں ابواب کا مقصد طرفین الوضو کا بیان ہے یعنی وضو کے طرف اعلیٰ اور طرف ادنیٰ کا بیان ہے کہ طرف ادنیٰ غسل الاعضاء مرة مرة ہے اور طرف اعلیٰ غسل الاعضاء ثلاثاً ثلاثاً ہے۔

(۲) بعض کے ہاں مالکیہ پر رد ہے کہ ان کے ہاں دلک فی الوضو شرط ہے۔

اسبغ الوضو:

ادنی مرتبہ غسل الاعضاء مرة مرة ہے اور اعلیٰ مرتبہ غسل الاعضاء ثلاثاً ثلاثاً ہے۔ ثلاث مرات میں اضافہ مقصود نہیں ہے یہ جمہور کا مذہب ہے صرف عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ پیروں کو سات دفعہ دھوتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت لوگ عموماً ننگے پیر چلتے تھے تو نجاست کا شبہ ختم کرنے کیلئے سات دفعہ دھوتے تھے۔ محل میں اضافہ بغرض اطالة الغرہ اور کجیل کیلئے جائز ہے ورنہ بصورت دیگر اسراف ہے۔

يخففه ويقلله.....

تخفيف مقابل ہے تمثيل کا اور تقليل مقابل ہے تكثير کا مطلب یہ ہے کہ وضو بھی خفيف کیا اور پانی بھی کم استعمال کیا۔

فقال الصلوة.....

یہ منصوب ہے تقدیر "اتصلی الصلوة یا ترید الصلوة"

باب غسل الوجه باليدين من غرفة واحدة

حدثنا محمد بن عبد الرحيم..... عن ابن عباس رضي الله عنهما انه

توضأ فغسل وجهه..... ثم اخذ غرفة فغسل بها وجهه..... هكذا رأيت رسول

الله صلى الله عليه وسلم. الحديث

ترجمة الباب کا مقصد:

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مقصد یہ ہے کہ چہرے میں دونوں ہاتھوں کو استعمال کرنا

چاہئے یہ مضمضہ اور استنشاق کے قبیل سے نہیں ہے۔

(۲) اس ترجمہ الباب کا مقصد ایک حدیث "كان يغسل وجهه بيمينه" کے

ضعف کی طرف اشارہ ہے اور یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں ہاتھوں کا استعمال ثابت ہے۔

من غرفة واحدة.....

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک چلو سے ہر عضو کو ایک ایک دفعہ دھویا ہے دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی طرح وضو منقول ہے۔ (۱) غسل الاعضاء مرة مرة (۲) بعض الاعضاء مرة وبعض الاخرى ثلاثا (۳) بعض الاعضاء مرة اور بعض الاعضاء ثلاثا، ان میں ایک طریقہ مرة مرة کا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس کو یہاں نقل کیا ہے۔

ثم مسح بهارأسه.....

اس سے بظاہر ثابت ہوتا ہے کہ مسح کیلئے ماء جدید نہیں لیا تھا بلکہ بقیہ بلبل سے مسح کیا تھا اور یہ مفہوم احناف کے موافق ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہی حدیث ابوداؤد میں بھی ہے اس میں ماء جدید کا ذکر ہے۔ یہ بھی احناف کے خلاف نہیں کیونکہ احناف کہتے ہیں کہ اگر ہاتھ میں بلبل ہو تو اس سے مسح جائز ہے اور اگر بلبل نہ ہو تو ماء جدید لینا ضروری ہے۔

باب التسمية على كل حال وعند الوقاع

حدثنا علي بن عبد الله..... عن ابن عباس رضي الله عنه يبلغ به النبي صلى الله عليه وسلم قال لو ان احدكم اذا اثنى اهله قال بسم الله اللهم جنبنا الشيطان.....

ترجمہ الباب کا مقصد:

دراصل امام بخاریؒ کا مقصد تسمیہ عند الوضو کا ثبوت ہے لیکن تسمیہ عند الوضو کی روایات نہ صرف امام بخاریؒ کی شرط پر پوری نہیں اترتیں بلکہ ان میں سے اکثر میں ضعف ہے چنانچہ امام احمد فرماتے ہیں "لا اعلم فی هذا الباب حدیثاً له اسناد جيد" لیکن تعدد طرق کی بناء پر کم از کم استحباب ثابت ہوتا ہے تو امام بخاریؒ نے اس کو ثابت کرنے کیلئے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ عند کل حال اور عند الوقاع کے الفاظ سے ترجمہ الباب قائم کیا۔

عندالوقاع کا اضافہ کیوں کیا؟

(۱) اس لئے کہ حدیث الباب وقاع سے متعلق ہے۔

(۲) یا اس لئے کہ انسان کیلئے اشعء الحالات دو ہیں جماع اور قضاء حاجت، جب ان

اوقات میں تسمیہ جائز اور ثابت ہے تو وضو میں بطریق اولی ثابت ہوگی۔ یعنی امام بخاریؒ

نے تسمیہ عندالوضو کو قیاساً علی التسمیہ عندالوقاع ثابت کیا ہے۔

تسمیہ عند وضو:

یہ جمہور کے ہاں مستحب ہے۔

فقہی بینہما ولد لم یضرہ.....

(۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کو اس بچہ پر تسلط حاصل نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس

کو ان عبادی لیس لك علیہم من سلطان میں شامل کر لیں گے۔

(۲) شیطان اس کو جسمانی ضرر نہیں پہنچا سکے گا یعنی ”یتخبطہ الشیطان من

المس“ الآیة میں سے نہیں ہوگا۔

شیطان اس بچہ کو دینی نقصان نہیں پہنچا سکے گا کیونکہ علی العموم شیطان دینی نقصان ہی

پہنچاتا ہے۔

إذا اتى اہلہ.....

ای اذا اراد الاتیان لان التسمیة بعد الاتیان لاتحوز۔

باب ما یقول اذا دخل الخلاء

حدثنا ادم..... کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل

الخلاء.....

امام بخاریؒ نے جب تسمیہ فی الوضو کو ثابت کیا تو ان کا ذہن ابواب الخلاء اور آداب

الخلاء کی طرف منتقل ہوا۔

و عا کب پڑھے؟

اگر بنا بوا بیت الخلاء ہو تو داخل ہونے سے پہلے پڑھے اور اگر داخل ہوتے وقت

بھول جائے تو پیر باہر نکال کر دعا پڑھ کر دوبارہ داخل ہو اور اگر بھول کر قضاء حاجت کیلئے بیٹھ گیا ہے تو دل میں پڑھ لے، امام مالکؒ کے ہاں اس صورت میں لسانا پڑھنا بھی جائز ہے اور اگر صحراء میں چلا جائے تو کپڑا ہٹانے سے پہلے دعا پڑھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود شیطان کے اثر سے محفوظ تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم اللامۃ یہ دعا پڑھی ہے۔ ورنہ بصورت دیگر شیطان سے ضرر پہنچنے کا خدشہ ہے، جیسے حدیث میں ہے کہ شیطان بنی آدم کے مقاعد کے ساتھ کھیلتا ہے۔ یعنی لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کرتا ہے اور بعض دفعہ جسمانی ضرر کا خطرہ ہوتا ہے جیسے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ دوران پیشاب انتقال فرمائے تھے اور ساتھ ہی یہ آواز آئی تھی

قتلنا میند الخرزج سعد بن عبادہ

رمینناہ بسہم فلم نخطی فوادہ

کیونکہ بیت الخلاء اور اندھیری جگہوں پر شیاطین کا اجتماع ہوتا ہے جیسے کہ نظیف مقامات پر فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے۔

تعلیقات کا مقصد:

مقصد یہ ہے کہ اذا انسی سے مراد اذا اراد ہے۔ ادب المفرد میں اذا اراد کے الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

باب وضع الماء عند الخلاء

حدثنا عبد الله بن محمد عن ابن عباس ان النبي صلى الله عليه

وسلم دخل الخلاء ووضعت له الوضوء. الحديث

ترجمہ الباب کا مقصد:

معاملات وضو میں غیر سے استمداد جائز ہے۔

(۲) یا یہ مقصد ہے کہ آدمی قضاے حاجت کے بعد پہلے استنجاء بالاجار کرے پھر

استنجاء بالماء کرے۔

حدیث کی تفصیل:

یہ حدیث کتاب العلم میں تفصیلاً گزر چکی ہے۔ حضرت عباس نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات جاننے کیلئے بھیجا تھا چنانچہ اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنا چاہی۔

علامہ ابن منیر کا قول ہے کہ خدمت کی تین صورتیں بنتی تھیں (۱) پانی اندر لے جائیں، لیکن یہ ادب کے خلاف تھا۔ (۲) جہاں پانی ہو وہیں رکھ دیں تو یہ ترک خدمت تھی۔ (۳) بیت الخلا کے ساتھ رکھ دیں یہ خدمت تھی اس وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے یہ دعا کی اللہم فقہہ فی الدین۔

باب لا تستقبل القبلة بغائط او بول

الا عند البناء او جدار او نحوہ

عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ اذا اثنی احدکم

الغائط.....

مسئلۃ الباب:

اس باب میں استقبال القبلة اور استدبار القبلة عند قضاء الحاجة کا بیان ہے۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

(۱) امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے ہاں مطلقاً استقبال و استدبار منع ہے فی البناء کان او فی الصحراء

(۲) فی البناء استدبار جائز ہے یہ قول ایک روایت میں امام ابو حنیفہ اور امام احمد سے منقول ہے۔ بوجہ حدیث ابن عمر۔

(۳) امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے ہاں بنیان میں استقبال اور استدبار دونوں جائز اور صحراء میں دونوں ناجائز ہیں۔

(۴) اور بعض کہتے ہیں کہ دونوں مطلقاً جائز ہیں بنیان میں ہو یا صحراء میں۔ یہ چار مشہور اقوال ہیں۔ ویسے مجموعی طور پر کل آٹھ اقوال ہیں۔

حدیث الباب احناف کی دلیل ہے اور چونکہ شوافع کے خلاف ہے لہذا امام بخاریؒ اس روایت کو ترجمۃ الباب کے الفاظ الا عند البناء کے ساتھ مقید کر کے اپنے مسلک کیلئے تائید پیش کرنا چاہتے ہیں، اور اس قید کیلئے قرینہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جس میں ذکر ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی چھت پر چڑھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ قضاء حاجت کیلئے مستدبر المقبلہ اور مستقبل الشام بیٹھے تھے۔ لیکن حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت جو بلا قید ہے اصح مافی الباب ہے اور احناف کی دلیل ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں تاویل ہوگی۔

(۱) جب حلت اور حرمت میں تعارض ہو تو احتیاطاً حرمت کو ترجیح ہوتی ہے اور ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ممانعت ہے۔

(۲) ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی روایت قولی ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت فعلی ہے اور قولی حدیث کو فعلی پر ترجیح ہوتی ہے۔

(۳) ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں جزئی واقعہ کا بیان ہے اور ابو ایوب کی روایت میں قاعدہ کا ہے۔

(۴) ابن عمر کی حدیث خصوصیت پر محمول ہو سکتی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کا مرتبہ کعبہ کے مرتبے سے افضل ہے۔

باب من تبرز علی لبنتین

ترجمۃ الباب کا مقصد:

(۱) ابو ایوب انصاریؒ کی مطلق حدیث کو مقید کرنا مقصد ہے کہ بنیان میں استقبال اور استدبار جائز ہے اور ابو ایوبؒ کی روایت مقید ہے اس حدیث الباب کی وجہ سے۔

(۲) مقصد یہ ہے کہ جب پردے کا لحاظ ہو تو اونچی جگہ بیٹھ کر پیشاب کرنا جائز ہے۔

(۳) بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ بیت اللہ اور بیت المقدس کا حکم ایک ہے جیسے کہ حسن

بصریؒ اور ابراہیم نخعیؒ کا قول ہے۔ تو اس باب میں ان پر رد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کا استقبال کیا ہے۔

رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم مستقبل بيت المقدس

یہ حدیث شوافع کی متدل ہے لیکن احناف اس میں تاویلات کرتے ہیں اور اس کے جوابات گزر چکے انفاً

لعلك من الذين يصلون على اوراكهم
یعنی تم بھی عورتوں کی طرح نماز پڑھتے ہو اور مسائل سے ناواقف ہو۔

باب خروج النساء الى البراز

حدثنا يحيى بن بكير عن عائشة رضی اللہ عنہا ان ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کن ینخرجن باللیل اذا تبرزن الی المناصع
ترجمہ الباب کا مقصد:

یہ ثبوت مقصود ہے کہ قضاء حاجت کیلئے عورتوں کا باہر جانا جائز ہے بشرطیکہ فتنہ نہ ہو اور پردے کے مقتضیات کو پورا کیا جائے (ویسے بیت الخلاء کا گھر میں بنانا جائز ہے)
الا قد عرفناك یا مسوده

سوڈہ نے واپس آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں نکلنے کی اجازت دی ہے۔
تعارض بین الروایات:

اس مسئلہ میں روایات میں تعارض ہے، بعض میں ہے کہ اسی موقع پر آیت حجاب نازل ہوئی تھی اور بعض میں ہے جیسے کہ بخاری کتاب التفسیر میں ہے کہ حجاب کا حکم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر نازل ہوا ہے جبکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے گھر میں داخل ہونے لگے "فارخی الحجاب فقال انزل اللہ الحجاب" اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ احجب نسانک اور بعض میں ہے کہ حجاب اس سے پہلے نازل ہو چکا تھا اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت سوڈہ رضی اللہ عنہا نے جب واپس آ کر حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کو شکایت کی کہ حضرت عمرؓ نے مجھے دیکھ کر فرمایا الا قد عرفناک یا سودہ تو اس موقع پر وحی نازل ہوئی کہ قد اذن لکن ان تخرجن فی حاجتک اور بعض میں ہے کہ اس موقع پر حجاب کا حکم نازل ہوا اور اسی لئے حکم حجاب کو موافقاتِ عمرؓ میں شمار کیا گیا ہے۔
تطبیق:

حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تطبیق یوں دی ہے کہ حجاب کے دو معنی ہیں (۱) ستر الوجوه (۲) ستر شخصیت۔ ابتداء میں ستر الوجوه بھی نہیں تھا تو عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یدخل علیک البار والفاجر۔ لہذا ازواج کو پردہ کرنا چاہئے اور موقع اس پر حکم حجاب نازل ہوا اور یہی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی کا واقعہ ہے اور یہی موافقاتِ عمرؓ میں سے ہے تو اس کے بعد ازواج مطہرات رات کو حاجت کیلئے باپردہ نکلتی تھیں تو حضرت عمرؓ کی خواہش تھی کہ ایسا بھی نہیں ہونا چاہئے بلکہ ستر شخصیت بھی ہونی چاہئے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قد اذن لکن ان تخرجن فی حاجتک بعض نے کہا ہے کہ آیت حجاب دو مرتبہ اتری ایک زینب رضی اللہ عنہا کی شادی کے وقت اور ایک اسی واقعہ میں۔
علامہ سیوطیؒ نے "الاتقان" میں جہاں دو دو مرتبہ نازل ہونے والی آیات کو ایک فصل میں جمع کیا ہے وہاں اس آیت حجاب کو بھی لکھا ہے۔

الی المناصع.....

بقیع کی طرف ایک میدان تھا جس کا نام مناصع تھا۔

باب التبز فی البيوت

حدثنا ابراهيم بن منذر..... عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال ارتقت

علی ظہر بیت حفصہ..... فرأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقضی حاجتہ مستدبر القبلة ومستقبل الشام.

ترجمہ الباب کا مقصد:

یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ گھر میں بیت الخلاء بنانا جائز ہے جیسے واقعہ اٹک میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے امرنا امر العرب کہ ہم گھروں میں بیت الخلاء کو

ناپسند کرتے تھے لیکن بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دیدی۔

مستدبر القبلة ومستقبل الشام.....

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ استقبال شام سے استدبار قبلہ لازم نہیں آتا کیونکہ یہ بات خط مستقیم کے ذریعے ثابت ہوتی ہے لیکن محدثین چونکہ عم جغرافیہ سے واقف نہیں اس لئے یہ بات کرتے ہیں کہ استقبال شام سے استدبار قبلہ لازم آتا ہے۔

باب الاستنجاء بالماء

عن انس رضی اللہ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا خرج

لحاجتہ اجینئ انا و غلام معنا الخ

ترجمہ الباب کا مقصد:

استنجاء بالماء کے جواز کا ثبوت ہے اور اس مسئلہ کے جواز کے ثبوت کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعض حضرات اس کے عدم جواز کے قائل ہیں جیسے حذیفہ بن الیمان کا قول ہے کہ استجمرت بالماء اذا لایزال فی یدی نتن (۲) ابن عمرؓ کان لایفعله (۳) ابن زبیرؓ یمنع عنہ (۴) امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ استنجاء لیس بثابت (۵) ابن حبیب مالکیؒ فرماتے ہیں کہ الماء من المطعومات فلا یجوز بہ الاستنجاء تو ان اقوال کو رد کرنے کیلئے اور استنجاء بالماء کو ثابت کرنے کیلئے یہ باب باندھا ہے۔

و غلام معنا.....

غلام سے مراد کیا ہے؟

(۱) ابن مسعود رضی اللہ عنہ بعض روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بعض روایات سے یہ بھی ثابت ہے۔

(۳) جابر بن عبد اللہ یہ قول صحیح تر ہے کیونکہ غلام کا اطلاق تو نوعمر پر ہوتا ہے اور جابر

نوعمر تھے اور بعض روایات میں غلام منای من الانصار آیا ہے اور جابر انصاری تھے اور

ابن مسعود اور ابو ہریرہ انصاری نہیں تھے۔

باب من حمل معہ الماء لطہورہ

قال ابو قتاده: اليس فيكم صاحب النعلين والطهور والوساده۔

ترجمہ الباب کا مقصد:

معاملات وضو میں سے دوسرے سے مدد لینا جائز ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت ابن مسعود، حضرت انس، حضرت ابن عمر، جابر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم نے کی ہے۔

صاحب النعلين والطهور والوساده.....

صاحب النعلين حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نعلین اتارتے تو ابن مسعود بغل میں لے لیتے۔

والوساده.....

حافظ فرماتے ہیں کہ یہ بات تو روایات سے تو ثابت نہیں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس میں قلب ہو، ہوا ہو ای صاحب السواد بمعنی السر اور یہ بھی ممکن ہے کہ وساد اور سواد ہم معنی ہوں قلب کے باب سے ہوں۔

باب حمل العنزۃ مع الماء فی الاستنجاء

عنزہ وہ لاشی جس کے کنارے پردھاری دار لوہا لگا ہوا ہو، یہ باب سابق باب کا ہم مضمون ہے۔ الا یہ کہ اس میں حمل العنزہ کا ذکر ہے۔
حمل عنزہ کی حکمت:

(۱) اس کے ذریعے سے ڈھیلے توڑتے تھے یہی اولیٰ ہے۔

(۲) سانپ وغیرہ سے حفاظت کیلئے لے جاتے تھے۔

(۳) حفاظت عن الاعداء کیلئے لے جاتے تھے۔

(۴) اس پر ٹیک لگاتے تھے۔

(۵) اس کو گاڑ کر اس پر پردہ لگاتے تھے۔

(۶) استنجاء کے بعد وضو کرتے اور نماز کیلئے اس عصاء کو سترہ بناتے تھے۔

باب النهی عن الاستنجاء باليمين

مسئلہ باب:

دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے کا کیا حکم ہے؟ تو جمہور کے ہاں ممانعت کا حکم ہے البتہ امام احمد اور اہل ظواہر کے ہاں یہ حکم تحریم کیلئے ہے کہ اگر دائیں ہاتھ سے استنجاء کیا تو نہیں ہوگا، جبکہ جمہور کے ہاں استنجاء ہو جائے گا البتہ خلاف ادب ہے۔ حافظ فرماتے ہیں کہ بعض شوافع کے ہاں بھی تحریم کا حکم ہے لیکن دائیں ہاتھ سے ہو جاتا ہے البتہ جواز کسی کے ہاں بھی نہیں۔

باب لايمس ذكره بيمينه اذا بال

ترجمہ الباب کا مقصد:

اس باب کا مقصد گزشتہ حدیث کی تشریح ہے کہ مس عام ہے استنجاء میں ہو یا غیر استنجاء میں تو تشریح یہ ہے کہ ممانعت صرف استنجاء کی حالت میں ہے۔

باب الاستنجاء بالحجارة

ترجمہ الباب کا مقصد:

اس باب سے استنجاء بالاحجار کا ثبوت مقصود ہے اور بعض لوگ چونکہ استنجاء بالاحجار کے منکر تھے کیونکہ پتھر سے ازالہ نجاست بالکلیہ نہیں ہوتا تو اس باب سے ان لوگوں پر رد مقصود ہے۔

باب لا يستنجى بروث

حدثنا ابو نعيم قال حدثنا زهير..... عن ابن اسحاق قال ليس ابو عبيده ذكره ولكن عبد الرحمن عن ابيه انه سمع عبد الله. الخ
اس عبارت کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ یہی حدیث زہیر عن ابی اسحاق عن ابی عبیدہ عن ابیہ کی سند سے منقول ہے جس پر اشکال تھا کہ ابو عبیدہ کا سماع اپنے والد ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت نہیں ہے تو اس کا جواب دینے کیلئے ابوالخلق نے کہا کہ صرف ابو عبیدہ سے منقول نہیں ہے بلکہ عبد الرحمن بن اسود عن ابیہ عن ابن مسعود کی سند سے بھی منقول ہے۔

مسئلہ الباب:

احناف کے ہاں نفاقت واجب ہے عدد اور وتر واجب نہیں ہے حدیث الباب احناف کا متدل ہے۔ حافظ نے مسند احمد کا حوالہ دیا ہے کہ وہاں پر روایت میں تیسرا پتھر لانے کا حکم دیا ہے۔ لیکن علامہ بدرالدین عینی نے اس استدلال کو غلط قرار دیا ہے کیونکہ یہ کسی طرح ثابت نہیں کہ حضرت ابن مسعود تیسرا پتھر لائے بھی تھے کیونکہ وہاں آسانی سے پتھر نہیں ملتے تھے ورنہ ابن مسعود روٹ کیوں لاتے۔

باب الوضوء مرة مرة

باب الوضوء مرتین مرتین

باب الوضوء ثلاثاً ثلاثاً

حدثنا عبدالعزیز بن عبد اللہ الاویسی انه رأى عثمان بن عفان
رضی اللہ عنہ دعا بآباء فأفرغ علی کفیه ثلاث مرات ثم مسح برأسه ثم
غسل رجليه ثم صلى ركعتين لا يحدث فيهما نفسه غفر له ما تقدم من ذنبه.
ترجمہ الابواب کا مقصد:

ان تین ابواب کا مقصد مراتب وضو کا بیان ہے کہ وضو کا اعلیٰ مرتبہ ثلاثاً ثلاثاً ہے پھر
مرتین مرتین اور پھر مرة مرة، یعنی مرة مرة فرض ہے، مرتین مرتین اولیٰ ہے اور ثلاثاً ثلاثاً
کامل درجہ ہے۔

ثم مسح برأسه

تمام اعضاء کے ساتھ ثلاثاً کی قید ہے لیکن مسح الرأس میں ثلاثاً کی قید نہیں ہے۔ جس
سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک دفعہ مسح کیا تھا اس سے احناف کی تائید ہوتی ہے۔

ثم صلى ركعتين لا يحدث فيهما نفسه غفر له ما تقدم من ذنبه

اشکال:

دل میں خیالات اور وسوس کا آنا تو غیر اختیاری چیز ہے پھر اس حدیث کا کیا مطلب

ہے؟

جواب:

مطلب یہ ہے کہ خیالات کا آنا تو غیر اختیاری ہے اس کا مکلف نہیں ہے لیکن ایسے اسباب اختیار نہ کرے کہ جن سے وساوس پیدا ہوتے ہیں اور امور دنیا پر نماز میں غور و فکر نہ کرے۔

غفرلہ ماتقدم من ذنبہ.....

اس سے صغائر مراد ہیں کیونکہ عبادت سے حقوق العباد اور کبائر معاف نہیں ہوتے حقوق العباد کیلئے عباد کی معافی اور کبائر کیلئے تو یہ ضروری ہے۔

باب الاستنثار فی الوضوء

استنثار کا معنی ہے کہ ناک میں ڈالا ہوا پانی نکالنا۔

سبب تقدیم:

استنثار کو مضمضہ پر مقدم کیا حالانکہ مضمضہ وضو میں پہلے ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ استنثار امام اہل حق کے ہاں واجب ہے اور یہی امام بخاریؒ کے ہاں مختار ہے جمہور کے ہاں استنثار فی الوضوء سنت ہے البتہ احناف کے ہاں غسل میں فرض ہے۔

باب الاستجمار وترأ

احناف کے ہاں سقیہ واجب ہے اور وتر اور عدد مستحب ہے جبکہ ائمہ ثلاثہ کے ہاں وتر واجب ہے۔ لقولہ علیہ السلام "من استجمر فلیوتر" احناف کی دلیل ابوداؤد کی روایت ہے جس میں ہے "من استجمر فلیوتر من فعل فقد احسن ومن لافلا حرج"

باب غسل الرجلین ولا یمسح علی قدمین

عن ابن عمرؓ تخلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم عنا..... وقد ارہقنا الصلوۃ فجعلنا نمسح علی ارجلنا..... ویل للاعقاب من النار الخ
ترجمۃ الباب کا مقصد:

رد ہے روائض وغیرہ پر جن کے ہاں پیر کا وظیفہ مسح ہے۔

جمہور کا مسلک:

پیر کے دو حالات ہیں: (۱) خفین پہنے ہوئے (۲) بغیر خفین کے۔ اگر خفین پہنے ہوئے ہوں تو اس کو حکم اہل سنت کے ہاں جواز مسح کا ہے مقیم اور مسافر کیلئے اپنی اپنی مدت کے اندر۔

بغیر خفین کے ہوں تو جمہور کے ہاں پیر کا وظیفہ غسل کا ہے الا الروافض اور روافض اپنے لئے جر کی قرأت سے استدلال کرتے ہیں و امسحوا برفوسکم و ارجلکم۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا استدلال اس طرح ہے کہ اگر جر کی قرأت بھی موجود ہے لیکن ظاہر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم شارع اور مفسر ہیں تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت متواترہ میں غسل الرجلین ثابت ہے تو معلوم ہوا کہ غسل ہی پیر کا وظیفہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم عدم غسل پر ویل للاعقاب من النار کی وعید بیان فرماتے ہیں جو غسل پر دلیل ہے۔

فجعلنا نمسح علی ارجلنا.....

اگر مسح سے اپنا معنی مراد لیا جائے تو بھی مسح الرجلین پر رد ہے اور اگر مسح سے غسل خفیف مراد ہو تو پھر بھی رد ہے کہ پیر کا وظیفہ غسل کامل ہے۔

باب المضمنة فی الوضوء

استثاق اور استنثار کو مضمنہ سے مقدم کیا حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری کے استاد احنق بن راہویہ وجوب استنثار کے قائل ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری اپنے استاد کے تابع ہیں۔

مضمنة: ہی ادخال الماء فی الفم وتحریکہ فیہ۔ لیکن تعجب ہے کہ شافع ادخال الماء کا ذکر کرتے کرتے ہیں لیکن تحریک کا تذکرہ نہیں کرتے۔
مضمنة کا حکم:

وضو میں مضمنہ جمہور کے ہاں سنت ہے البتہ غسل میں احناف کے ہاں فرض ہے لقولہ تعالیٰ: وان کنتم جنباً فاطہروا کیونکہ غسل میں مبالغہ فی الطہارۃ کا حکم ہے اور

مبالغہ پر اسی صورت میں عمل ہو سکتا ہے کہ غسل میں اس کو فرض قرار دیا جائے کیونکہ مراہن میں اضافہ کسی سے منقول نہیں۔

باب غسل الاعقاب

و كان ابن سيرين يغسل موضع الخاتم اذا توضأ.....

حدثنا ادم..... فقال اسبغوا الوضوء فان ابا القاسم قال ويل للاعقاب الخ

ترجمۃ الباب کا مقصد:

اس سے مقصد استیعاب الاعضاء کا حکم ہے اور حکم بھی یہی ہے کہ اگر اعضاء مغسولہ میں سے ایک بال کے برابر بھی جگہ خشک رہ جائے تو جمہور کے ہاں وضو نہیں ہوگا۔

و كان ابن سيرين..... اس سے مقصد بھی یہی ہے کہ اعضاء کو خوب دھویا جائے۔

من المطهرة..... وہ برتن یا ٹنکی جس سے وضو کیا جائے۔

اسبغوا..... استیعاب کو کہتے ہیں یعنی پورے اعضاء کو دھو تا۔

باب غسل الرجلين في النعلين ولا يمسح على النعلين

ترجمۃ الباب کا مقصد:

غسل الرجلين کا مسئلہ دوسرے عنوان سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر نعلین پہنے ہوئے ہوں تو مسح جائز ہے لیکن نعلین میں غسل ہی ہوگا اور نعلین کے اندر امام طحاوی کے قول کے مطابق اگر چوتھائی پھٹ جائے تو نعلین کے حکم میں ہے۔

حدثنا عبد الله بن يوسف..... عن عبيد بن جريح انه قال لابن عمر رأيتك

تصنع اربعاً لم ار احداً من اصحابك تصنعها.....

بیت اللہ کے چار رکن ہیں: (۱) حجر اسود (۲) رکن یمانی (۳) رکن شامی (۴) رکن

عراقی۔ رکن یمانی اور حجر اسود کو یمانین کہتے ہیں تو سائل نے اعتراض کیا کہ اے ابن عمر!

آپ تو صرف یمانین کو مس کرتے ہیں جبکہ دیگر صحابہ کرام تمام ارکان کا استلام کرتے ہیں تو

ابن عمر نے جواب دیا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یمانین کا استلام کرتے دیکھا ہے۔

در اصل پہلے یہ اختلاف تھا کہ ارکان ارپو کا استلام کیا جائے یا رکنین یمانین کا تو ابن

عمر ان لوگوں میں تھے جو صرف یمنین کے اسلام کے قائل تھے کیونکہ درحقیقت یہی دونوں رکن واقعہ ارکان ہیں اور باقی تھیں رکن نہیں ہیں بلکہ وہ تو حطیم کے اندر ہیں اور بظاہر یہی ارکان لگتے ہیں۔

یہ مسئلہ سلف میں اختلافی تھا، اب جمہور کا اتفاق ہے کہ صرف یمنین کا اسلام کیا جائے۔

تلبس نعال السبئية.....

یہ دوسرا اعتراض ہے کہ آپ سستی جوتے پہنتے ہیں۔ سستی وہ جو تا جو رنگا نہ گیا ہو جس سے بال اترے ہوئے ہوں۔

فقال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يلبس نعال السبئية ويتوضأ فيها۔

رأيتك تصبغ بالصفرة.....

مراد اس سے زرد رنگ کا خضاب ہے۔

اشكال:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بال تو سفید نہیں ہونے تھے تو پھر خضاب کی کیا ضرورت تھی؟

جواب:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑوں کو رنگ دیا تھا اسی کی طرف اشارہ ہے۔

إذا كنت بمكة أهل الناس ولم تهل حتى كان يوم التروية.....

مفرد ہذا احرام میقات سے ہوتا ہے اور یہ حج کے اختتام تک احرام میں رہتا ہے اور قارن کا بھی یہی حکم ہے کہ آخر تک احرام رہتا ہے۔ جبکہ متمتع میقات سے احرام باندھے اور عمرہ کے بعد حلال ہو جائے اور پھر حج کا احرام ۸ ذی الحجہ کو باندھے۔ تو سائل نے سوال کیا کہ باقی صحابہؓ تو یکم ذی الحجہ کو احرام باندھتے ہیں جبکہ آپ ۸ ذی الحجہ کو احرام باندھتے ہیں تو حضرت ابن عمرؓ نے جواب دیا کہ ”انی لم ار رسول الله صلى الله عليه وسلم

بہل حتیٰ تبعث بہ راحلتہ اور یہ سفر الیٰ منیٰ آٹھ ذی الحجہ کو ہوتا ہے۔
اشکال:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم توجتہ الوداع میں قارن تھے (عند الاحناف) تو پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جواب کیسے درست ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ ذی الحجہ کو احرام باندھا تھا؟
جواب:

صحابہ رضی اللہ عنہم چونکہ متمتع تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے بعد ان کا احرام کھلوا یا اور پھر ۸ ذی الحجہ کو دوبارہ احرام باندھنے کا حکم دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت مجازی ہے باعتبار آمر ہونے کے۔

باب التیمن فی الوضو والغسل

حدثنا مسدد..... عن ام عطية قال النبي صلى الله عليه وسلم لهن
فی غسل ابنتہ بد أن بمیا منها ومواضع الوضو منها.....
اشکال:

تیمن فی الوضو کتاب الوضو کے مناسب ہے لیکن الغسل کا اضافہ درست نہیں۔

جواب:

حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں کہ امام بخاری کی عادت ہے کہ جب کسی مسئلہ باب باندھتے ہیں اور وہ مسئلہ صراحتاً احادیث سے ثابت نہ ہو تو ترجمۃ الباب میں ایک اور جزء بڑھا دیتے ہیں جو احادیث سے ثابت ہوتا ہے اور پھر جزء اول کو التزائم ثابت کرتے ہیں اسی طرح یہاں بھی وضو میں تیمن احادیث سے ثابت نہیں ہے لیکن جب تیمن فی الغسل ثابت تھا تو امام بخاری نے یہاں پر یہ بروش اپنائی ہے۔

مسئلہ الباب کا حکم:

باب کا مسئلہ تیمن فی الوضو والغسل کا استحباب متفق علیہ ہے۔

باب التماس والوضو اذا حانت الصلوة

وقالت عائشة: حضرت الصلوة فالتمس الماء فلم يوجد فنزل التيمم.....

ترجمہ الباب کا مقصد:

(۱) مقصد یہ ہے کہ نماز کیلئے وضو کا پانی تلاش کرنا چاہئے۔

(۲) ابن المنیر فرماتے ہیں کہ مقصد یہ ہے کہ وضو کا پانی تلاش کرنا تب واجب ہے جب نماز کا وقت داخل ہو جائے قبل از وقت تلاش کرنا واجب نہیں ہے۔

(۳) بعض فرماتے ہیں کہ یہ روئے امام شافعی پر کے ان کے ہاں وضو ایک مستقل عبادت ہے اور اس کیلئے پانی تلاش کرنا ایک مستقل واجب عمل ہے اب وضو تو وقت کے اندر واجب ہے لیکن پانی تلاش کرنا وقت کے ساتھ خاص نہیں پہلے بھی واجب ہے۔
واقعہ کی تفصیل:

یہ سفر کا واقعہ ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا تھا (ہار دو دفعہ گم ہوا، ایک دفعہ واقعہ فک میں اور ایک یہ واقعہ ہے) لوگ ہار کی تلاش میں گئے نماز میں دیر ہو گئی اور پانی نہیں مل رہا تھا، لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ سے حضرت عائشہؓ کی شکایت کی، حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ڈانٹا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو تیمم کا حکم نازل ہوا۔

عن انس ، حان صلوة العصر فالتمس الناس الوضوء فلم يجدوا فأتى
بوضوء الى النبي صلى الله عليه وسلم فوضع رسول الله صلى الله عليه وسلم
يده وامر الناس ان يتوضوا منه.....

اشکال اس حدیث کی مناسبت کتاب الوضوء سے نہیں بلکہ یہ معجزات کے مناسب ہے۔

جواب از شیخ الہند: اس حدیث کے لانے کا مقصد یہ ہے کہ وقت نماز میں پانی تلاش کرنا چاہئے اور اس کا ایک تو معقود طریقہ ہے اور ایک غیر معقود طریقہ تو پانی کی تلاش دونوں طریقوں سے کرنی چاہئے غیر معقود طریقہ یہ ہے کہ کسی بزرگ یا نیک آدمی سے دعا کرائیں۔

باب الماء الذي يغسل به شعر الانسان وسور الكلاب

ترجمہ الباب کا مقصد:

ترجمہ الباب کے تین اجزاء ہیں (۱) حکم الماء الذی یغسل یہ شعر الانسان (۲) سور الکلاب (۳) مراکلاب فی المسجد اور چلنے سے ان کتوں کے بال اور لعاب زمین پر گرتے ہیں تو کیا یہ زمین پاک ہوگی یا ناپاک؟

جزء اول: اس جز کا سمجھنا بالوں کا حکم سمجھنے پر موقوف ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور جمہور کے ہاں انسان بلکہ تمام جانوروں کے بال پاک ہیں متصلًا کان او منفصلًا امام بخاریؒ کے نقل کردہ حضرت عطاءؒ کے اثر سے جمہور کی تائید ہوتی ہے اور حدیث الباب بھی جمہور کے موافق ہے، امام شافعیؒ کا ایک قول جمہور کی طرح کا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ متصل ہونے کی صورت میں شعر الانسان پاک ہیں جبکہ منفصل ہونے کی صورت میں ناپاک ہیں، پانی میں گرنے سے پانی ناپاک ہوگا جز اول سے گویا امام شافعیؒ پر رد مقصود ہے۔

جب انسان کے بال پاک ہیں تو وہ پانی جس سے شعر الانسان دھوئے جائیں وہ پانی پاک ہوگا۔

جزء ثانی سور الکلاب:

علامہ عینی رحمہ اللہ کے ہاں اس سے امام بخاریؒ کا مقصد جمہور کی تائید اور امام مالکؒ پر رد ہے کہ سور الکلب نجس ہے جبکہ امام مالکؒ کے ہاں سور الکلب پاک ہے۔ حافظؒ اور دیگر کے ہاں مقصد جمہور پر رد اور امام مالکؒ کی تائید ہے چنانچہ زہریؒ کا اثر نقل کیا ہے کہ سور الکلب اگرچہ پاک پانی ہے لیکن فی نفسہ منہ شیء لہذا یتوضوء ویتیمم اور سفیان کا قول نقل کیا ہے کہ ہذا الفقہ بعینہ کیونکہ قرآن میں ہے فان لم تجدوا ماء اور سور الکلب پانی ہے لیکن دل میں چونکہ شک سا ہوتا ہے لہذا یتوضوء ویتیمم جمہور کی دلیل اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیہرقہ ولیغسلہ سبع مرات یہاں اہراق مانی الاناء کا حکم ہے جو نجاست مانی الاناء کی دلیل ہے اور غسل سبع مرات کا حکم ہے جو نجاست برتن کی دلیل ہے۔

جزء ثالث: و مرہا فی المسجد..... اس جز کا مقصد اس کا مقصد یہ ہے کہ کتوں

کے بال اور لعاب پاک ہیں کیونکہ کتے جب مسجد میں چلتے ہیں تو ان کے بال نیچے گرتے ہیں اور اسی طرح گرمیوں عموماً کتوں کی زبان نکلی ہوتی ہے اور لعاب نیچے گرتا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ہر نماز کے لئے مسجد کو دھونے اور جھاڑو لگانے کا حکم نہیں دیا ہے جس سے بالوں اور لعاب کا پاک ہونا ثابت ہوتا ہے جب شعر الکلاب پاک ہیں تو شعر الانسان بطریق اولیٰ پاک ہوں گے۔

جواب: جہاں تک لعاب سے استدلال کا تعلق ہے تو جمہور کے ہاں کتے کا لعاب ناپاک ہے لہذا جھوٹا بھی ناپاک ہوگا کیونکہ جھوٹا لعاب کے تابع ہے اور جہاں تک مر الکلاب فی المسجد کی دلیل ہے تو مر الکلاب عموماً رات کو ہوتا تھا اور رات کو گرمی نہیں ہوتی تو لعاب نہیں گرتا تھا اگر بالفرض گرمی بھی جاتا تو رات بھر میں خشک ہو جاتا و طہلرة الارض یسہا اور یہی یہ بات کہ شعر الکلاب مسجد میں گرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد صاف کرنے کا حکم نہیں فرماتے تھے تو احناف کے ہاں ویسے بھی شعر الکلاب پاک ہیں کیونکہ ان کے اندر خون نہیں ہوتا۔

شعر الانسان کے پاک ہونے کے دعویٰ پر امام بخاری نے دو حدیثیں پیش کی ہیں۔

حدیث اول: حدثنا مالك ابن اسماعيل عن ابن سيرين قال قلت

لعبدة عندنا من شعر النبي صلى الله عليه وسلم قال لا مان تكون عندي شعرة منه احب الي من الدنيا وما فيها.

(۲) حدثنا محمد بن اسماعيل عن نس رضی اللہ عنہ وان رسول

اللہ صلعم لما خلق كان ابو طلحة اول من اخذ من شعره

اشكال:

امام بخاری کا دعویٰ عام باتوں کے پاک ہونے کا ہے اور بطور دلیل حضور کے بالوں کو پیش کیا حالانکہ حضور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال تو کیا فضلات بھی بالاتفاق پاک ہیں لہذا ان احادیث سے استدلال درست نہیں بلکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر محمول ہیں۔

جواب:

حضور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں (۱) نبوت کی حیثیت (۲) انسان کی حیثیت، تو اس حیثیت سے عام انسانوں کے احکام آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جاری ہوں گے تو جو حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں سے تبرک لینا جائز ہے تو اس کو خصوصیت پر حمل کرتے ہیں۔ یہاں چونکہ دلیل خصوص نہیں لہذا حکم عام ہوگا۔

وكان عطاء لا يرئى به بأساً ان يتخذ منها الحبال والخيوط.....

احناف عطاء کے ساتھ ایک جزء (طہارۃ الشعر) میں تو متفق ہیں لیکن رسی بنانے کو جائز نہیں کہتے کیونکہ یہ ولقد کرمتنا بنی آدم کے خلاف ہے عطاء کے قول سے امام بخاری کا استدلال اس طرح ہے کہ بالوں سے رسی بنانے کے لئے پہلے بالوں کو اپنی بھگویا جاتا ہے لیکن پانی اس سے نجس نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ انسان کے بال پاک ہیں۔ واللہ اعلم۔

باب اذا شرب الكلب في الاناء

حدیث اول: حدثنا عبد الله بن يوسف..... عن ابي هريرة رضى الله

عنه اذا شرب الكلب في اناء احدكم فليغسله سبعاً

حدیث ثانی: حدثنا اسحاق..... عن ابي هريرة ان رجلاً رأى كلباً ياكل

الثرى من العطش فاخذ الرجل خفه فجعل يغرف له فادخله الحنة۔ الحدیث

ترجمہ الباب کا مقصد:

علامہ عینی کے ہاں جمہور کی تائید اور امام مالک پر رد ہے جبکہ حافظ وغیرہ کے ہاں امام

مالک کی تائید اور جمہور پر رد ہے۔

امام طحاوی کا قول ہے کہ سور الشینی لعاب کے تابع ہے اور لعاب کا حکم گوشت کے

حکم پر موقوف ہے لہذا مشولدمنہ تو امام بخاری اور امام مالک کے ہاں کتے کا لعاب

اور گوشت پاک ہے لہذا سور الکلب بھی پاک ہوگا امام مالک کے ہاں لحم الکلب کا کھانا

بلا کراہت جائز ہے بعض مالکیہ سے کراہت تنزیہی کا قول منقول ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ

حدیث اذا ولغ الكلب فاعسله سبعاً سے یہ مطلب نہیں کہ سور الکلب نجس ہے بلکہ یہ

ایک علیحدہ مسئلہ ہے اور غسل الاءاء سبعا علیحدہ مسئلہ ہے۔

اشکال:

جب کتے کا لعاب اور جھوٹا پاک ہے تو پھر غسل الاءاء کا حکم کیسے ہے؟

جواب:

(۱) یہ امر تعبدی ہے، ہم ظاہر حکم پر عمل کرنے کے مکلف ہیں اور علت کا علم ہمیں

نہیں۔

(۲) یہ حکم کلب کلب (باؤلاکتا) پر محمول ہے یہ حکم علا جا ہے چنانچہ جدید تحقیق سے

ثابت ہے کہ دلوغ کلب سے برتن میں جراثیم داخل ہو جاتے ہیں جو غسل سبعا اور پھر

تزیب کے بغیر نہیں صاف ہوتے۔ احناف کے ہاں غسل ثلاثاً واجب ہے اور سات دفعہ

دھونا مستحب ہے۔

كانت الكلاب تقبل وتدبر.....

اس کی تفصیل مرالکلاب فی المسجد میں گزر چکی ہے۔

اذارسلت کلبک المعلم فقتل فکل..... اس سے استدلال اس طرح کیا

ہے کہ کتا جب شکار کو پکڑتا ہے تو ضرور لعاب اس نے ساتھ خلط ہوتا ہے اور جب اس شکار کا

کھانا جائز ہے تو معلوم ہوا کہ کتے کا لعاب جائز ہے۔

جواب: یہ استدلال غلط ہے، کیونکہ کھانے کی اجازت ہے یہ کہاں ثابت ہے کہ

اسے دھویا ہی نہ جائے اگر ظاہر سے ہی استدلال کرنا ہے تو پھر شکار کے اندر خون اور نجاست

کو بھی بغیر صاف کئے کھایا جائے کیونکہ حدیث میں تو خون اور نجاست کا استثناء نہیں ہے۔

لیکن جس طرح مالکیہ خون اور نجاست کو دھونے کا حکم دیتے ہیں اسی طرح لعاب کے

دھونے کا بھی حکم دیا جائے گا۔

رای کلباً یا کل الثری فاخذ خفه فحعل یغرف له.....

اس سے استدلال اس طرح ہے کہ جب اس آدمی نے اپنے موزے سے کتے کو پانی

پلایا تو ضرور موزے کے ساتھ کتے کا لعاب خلط ہوا ہوگا اور اس موزے سے اس آدمی نے

نماز پڑھی ہوگی تو ثابت ہوا کہ کتے کا لعاب پاک ہے۔

جواب: یہ استدلال غلط ہے، کیونکہ یہ ثابت نہیں کہ پانی نکال کر اس موزے سے پلایا تھا اگر موزے سے پلایا بھی تھا تو یہ ثابت نہیں کہ اسے دھویا نہیں تھا اگر یہ ثابت ہو جائے تو یہ ثابت نہیں کہ اس موزے میں نماز پڑھی ہے اگر یہ بھی ثابت ہو جائے تو یہ قصہ امم سابقہ کا ہے اور یہ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بطور دلیل پیش نہیں کیا جاسکتا۔

باب من لم یر الوضو الا من المخرجین القبلی والدبر

ترجمہ الباب کا مقصد:

مقصد سے پہلے ایک بات بطور تمہید سمجھنا ضروری ہے ابن رشد مالکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب بدایۃ المجتہد میں اختلاف الائمہ اور وجوہ اختلاف کو ذکر کیا ہے وہاں حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ انسان کے بدن سے نکلنے والی چیزوں کی تین جہات ہیں (۱) نفس خارج کا اعتبار کیا جائے (۲) ماخرج اور مخرج دونوں کا اعتبار کیا جائے (۳) ماخرج، مخرج اور صفت خروج تینوں کا اعتبار کیا جائے تو ائمہ کرام کے درمیان اختلاف اس لئے ہوا ہے کہ بعض نے صرف ماخرج کا اعتبار کیا ہے کہ اگر خارج ہونے والی چیز نجس ہے تو ناقض الوضو ہے ورنہ نہیں۔ یہی مسلک امام ابوحنیفہ، امام احمد اور سفیان ثوری نے اختیار کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں پیشاب، پاخانہ، ریح، نکسیر، خون مع السیلان، ودی، ندی اور منی یہ سب ناقض الوضو و اسباب حدیث ہیں کیونکہ یہ اشیاء نجس ہیں۔ امام شافعی، خارج اور مخرج دونوں کا اعتبار کرتے ہیں کہ خارج والی شے نجس ہوا و واحد السبیلین سے نکلے تو ناقض ہے ورنہ نہیں، اس لئے ان کے ہاں نکسیر، دم سائل، قے ناقض نہیں۔ امام مالک نے خارج اور مخرج اور صفت خروج تینوں کا اعتبار کیا ہے کہ شے نجس کا خروج بھی خاص اور خروج بھی معتاد طریقہ سے ہو تو ناقض ہے ورنہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں دم استحاضہ خروج الدودہ وغیرہ ناقض الوضو نہیں ہے۔ مقصد امام بخاری نے اسی مسئلہ کے لئے باب باندھا ہے کہ اسباب حدیث کو بیان کرنا مقصود ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری اس مسئلہ میں پوری طرح کسی کے بھی موافق نہیں کیونکہ مس المرأة اور

مس الذکر ان کے ہاں ناقض نہیں خلافاً للشافعی لہذا اس باب کے دو پہلو ہیں۔
 (۱) ایجابی (۲) سلبی ایجابی وہ کہ جو چیزیں احداً لسبیلین سے نکلیں وہ ناقض الوضو ہیں
 اور جو احداً لسبیلین کے علاوہ نکلیں وہ ناقض نہیں۔

قال عطاء من يخرج من دبره الدود او من ذكره نحو القملة يعيد الوضوء
 یہی مسلک امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا ہے البتہ امام مالک کا قول اس کے خلاف ہے
 کیونکہ یہ خروج معتاد نہیں ہے۔

قال جابر رضى الله عنه من ضحك في الصلوة اعاد الصلوة ولم

يعاد الوضوء

امام بخاری اس سے امام ابوحنیفہ پر رد کرنا چاہتے ہیں کیونکہ احناف کے ہاں قہقہہ
 سے وضو اور نماز دونوں ٹوٹ جاتے ہیں لیکن احناف کہتے ہیں کہ
 (۱) یہ اثر امام ابوحنیفہ کے بالکل موافق ہے کیونکہ ضحك في الصلوة کی تین صورتیں
 ہیں:

(۱) تبسم، اس سے نہ وضو ٹوٹتا ہے اور نہ نماز۔

(۲) ضحك، اس سے نماز فاسد ہوتی ہے وضو نہیں ٹوٹتا اور جابر بن عبد اللہ کا قول بھی

یہی ہے۔

(۳) قہقہہ اس سے نماز اور وضو دونوں ٹوٹ جاتے ہیں یہ حضرت جابر کی مراد نہیں

ہے بلکہ ان کا قول ضحك کے بارے میں ہے۔

(۲) احناف کے ہاں نقض الوضو کا حکم زجراً تو بیخنا ہے کیونکہ قہقہہ لگانا نماز کی توہین

ہے اور یہ بات ابن ماجہ کی حدیث عائشہ سے ثابت ہے۔

(۳) قہقہہ کا ناقض الوضو ہونا فقط نماز کی حالت میں ہے خارج الصلوة قہقہہ ناقض

نہیں بخلاف دیگر ناقض کے کہ وہ ہر حال میں ناقض ہیں۔

(۴) قہقہہ کا ناقض الوضو فقط بحق الصلوة ہے باقی مس مصحف اور صلوة جنازہ اس سے

پڑھ سکتے ہیں۔

قال حسن ان اخذ من شعره اخذ خفيه فلا وضو عليه

البتہ اگر وضو کرتے وقت مسح علی الخفین کیا تھا تو اب پاؤں دھوئے گا۔

قال ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ لا وضو الا من حدث.....

اس سے مقصد امام ابوحنیفہؒ پر رد ہے کہ خروج الدم ناقض الوضو نہیں اور دلیل میں غزوہ

ذات الرقاع میں پیش آنے والا انصاری اور مہاجر صحابی کا واقعہ نقل کیا ہے۔

جواب: احناف فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے استدلال درست نہیں ہے کیونکہ اس

واقعہ میں تو یہ بھی ہے کہ انصاری صحابی کے کپڑوں اور بدن پر بھی خون لگا ہوا تھا لیکن وہ نماز

پڑھتے رہے حالانکہ ایسی حالت میں تو ائمہ ثلاثہ کے ہاں بھی نماز پڑھنا جائز نہیں کیونکہ خون

تو ان کے ہاں بھی نجس ہے یہ واقعہ ایک غلبہ حال پر مبنی ہے کیونکہ اس میں ہے فلما رأی

المہاجر مابہ الانصاری من الدماء تو مہاجر نے کہا مجھے پہلے کیوں نہیں جگایا بقیال

کنت فی سورۃ لا احب ان اقطعہا بہر حال یہ صحابی کا فعل ہے اور اس پر حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی تقریر بھی ثابت نہیں۔

قال حسن مزال المسلمون یصلون فی جراحاتهم..... اس اثر کا خون

کے ناقض ہونے یا عدم ناقض سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ زخمی ہونے کی حالت میں نماز معاف

تو نہیں ہو جاتی ویسے بھی نماز پڑھنی تو ہوگی البتہ خون اگر جاری ہے تو اس کے بند ہونے کا

انتظار کرے اور اگر خون بند نہیں ہوتا تو پھر آدمی معذور ہے لہذا خون کے ساتھ نماز پڑھ سکتا

ہے تو اس اثر سے احناف کے خلاف احتجاج کرنا درست نہیں ہے۔

قال طاؤس و محمد بن علی و عطاء و اهل الحجاز لیس فی الدم وضوء.....

عطاء طاؤس اور محمد بن علی رحمہم اللہ کا قول امام ابوحنیفہؒ کے خلاف حجت نہیں ہو سکتا

کیونکہ یہ تابعین ہیں اور امام صاحب بھی تابعی ہیں اور تابعی کا قول تابعی کے خلاف حجت

نہیں بن سکتا۔

وعصر ابن عمر بشرہ فخرج دم فلم يتوضأ..... طاؤس اور ابن عمر رضی اللہ

عنہ سے خون کا ناقض الوضو ہونا صراحت سے منقول ہے اور اس عمل کا جواب یہ ہے کہ (۱) یہ

دم سائل نہ تھا اور دم غیر سائل احناف کے ہاں بھی ناقض نہیں (۲) یہ دم خارج نہیں تھا

مُخْرَجٌ تھا اور مخرج خون ناقض نہیں ہوتا۔

وبزق ابن اوفی دمًا فمضیٰ فی صلواتہ..... تھوک میں خون آنے کی تین صورتیں ہیں (۱) خون تھوک پر غالب ہو تو یہ صورت ناقض الوضو ہے۔

ابن عمر والحسن من احتمت لیس علیہ الاغسل محاجمہ.....
جواب: حجامت میں خروج الدم نہیں ہوتا اخراج الدم ہوتا ہے اور اخراج الدم ناقض نہیں ہوتا۔

حدیث اول: حدثنا آدم بن ابی ایاس..... عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ..... قال ما للحدث یا ابا ہریرۃ قال الصوت یعنی الفرطۃ.
یہ مطلب نہیں کہ فقط صوت سبب حدث ہے بلکہ یہ تخصیص محل کے اعتبار سے ہے کہ مسجد میں فقط صوت ہی متصور ہو سکتی ہے اس سے امام بخاریؒ کا مسلک واضح ہوا کہ اخراج من السبیلین ناقض الوضو ہے۔

حدیث رابع: حدثنا سعید بن حفص..... انہ سأل عثمان بن عفان قلت ارأیت اذا جامع ولم یمن یتوضأ.....
یہ حکم ابتداء میں تھا اب منسوخ ہے بحديث عائشہ اذالتقا الختانان و جب الغسل۔

باب الرجل یوضیٰ صاحبہ

اعانت فی الصلوٰۃ کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) خادم خود پانی لائے جیسے ابن عباسؓ کا واقعہ ہے، یہ صورت بالاتفاق جائز ہے (۲) کوئی پانی لائے اور ڈالے لیکن وضو آدمی خود کر رہا ہے یہ ناپسندیدہ ہے لیکن یہ صورت بھی بلا کراہت جائز ہے (۳) پانی بھی کوئی اور لائے اور وضو بھی وہ کرائے یہ صورت عام حالت میں ناجائز ہے اور ضرورۃً جائز ہے ترجمۃ الباب دوسری صورت کے بارے میں ہے۔ واللہ اعلم

باب قرأۃ القرآن بعد الحدث وغیرہ

وقال عن ابرہیم لاباس بالقرآۃ فی الحمام ویکتب المرسلۃ علی غیر الوضو.....
مسئلہ کی تفصیل:

حدیث کی دو قسمیں ہیں (۱) حدیث اصغر (۲) حدیث اکبر

حدیث اصغر میں قرأ القرآن بلا مصحف بالاتفاق جائز ہے البتہ مس مصحف میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے ہاں حدیث اصغر میں مس مصحف ناجائز ہے جبکہ امام مالکؒ، امام بخاریؒ، ابن جریر طبریؒ، ابن المنذر اور بعض اہل نطاہر کے ہاں مس مصحف جائز ہے۔

عدم جواز کے قائلین کا استدلال لا یمسہ الا المظہرون سے ہے جبکہ مالکیہ وغیرہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ آیت انشاء نہیں بلکہ خبر عن العلاء کے ہے کہ آسمان میں ملائکہ مس مصحف بلا طہارت نہیں کرتے وہ مطہرین ہیں۔ روض الانف میں علامہ سیوطی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ مطہر وہ کہلاتا ہے جو خلقہ طاہر ہو اور یہ فرشتے ہیں اور انسان تو بعد میں طہارت حاصل کرتا ہے یہ حطہ کہلاتا ہے مطہر نہیں کہلاتا، لہذا یہ آیت ملائکہ کے بارے میں ہے احناف کہتے ہیں کہ اگر آیت ملائکہ کے بارے میں بھی ہو تو یہ معلوم ہوا کہ ملائکہ قرآن کو عالم بالا میں بلا طہارت مس نہیں کرتے تو قیاساً علیٰ ہذا دنیا میں بھی مس مصحف کے لئے طہارت شرط ہوگی۔

حدیث اکبر: حدیث اکبر میں احناف اور جمہور کے ہاں مس مصحف اور قرآء القرآن دونوں ناجائز ہے البتہ ایسی آیت جو دعا اور ذکر پر مشتمل ہو تو بقصد دعا اور ذکر پڑھنا جائز ہے یا پڑھانے والی عورت حائضہ ہے تو سچے کر کے پڑھنا جائز ہے البتہ بقصد قرأت پڑھنا جائز نہیں، امام مالکؒ اور امام بخاریؒ حدیث اکبر میں جواز قرأت کے قائل ہیں۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

اس ترجمۃ الباب کا مقصد امام مالکؒ کی تائید اور جمہور پر رد ہے۔

باب قراءة القرآن بعد الحدث وغیرہ میں وغیرہ کا اعراب:

(۱) وغیرہ مرفوع ہو اور عطف ہو قرآن پر تو اس صورت میں باب کو منون پڑھیں

گے۔ تو معنی ہوگا قرآء القرآن بعد الحدث وغیرہ القراءۃ مثلاً کتابت، یا مس مصحف۔

(۲) وغیرہ مجرور ہو تو اس صورت میں تین احتمال ہیں (۱) باب کو مضاف بغیر تنوین

پڑھیں اور غیرہ کا عطف قرآءة پر ہوگا وہی پہلا معنی ہوگا (۲) عطف قرآن پر ہو تو معنی ہوگا
قرآءة القرآن بعد الحدیث وغیر القرآن مثلاً ذکر دعا وغیرہ

حدثنا اسماعیل..... ثم قرأ عشر الآيات الخواتيم من سورة آل عمران.....

فصنعت مثل ما صنع الخ

(۳) عطف ہوگا حدیث پر تو معنی ہوگا قرآءة القرآن بعد الحدیث وغیرہ الحدیث اور غیر

الحدیث سے مراد حدیث اکبر ہوگا۔

قال ابراهيم لاباس بالقرآءة فى الحمام.....

امام ابو حنیفہ اور حسن بصری کے نزدیک قرآءة القرآن حمام میں ناجائز ہے اور یہ تعظیم

قرآن کے خلاف ہے۔

ويكتب الرسالة على غير وضوء..... جمہور کے مال کتابت قرآن

بلا وضوء جائز نہیں، خلافاً لما لك والبخاری اور امام ابو یوسف کے ہاں بلا وضوء کتابت قرآن جائز

ہے بشرطیکہ کاغذ کو ہاتھ نہ لگیں بعض کے ہاں پر مقام ترجمہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے نیند سے اٹھنے کے بعد بغیر وضوء کئے دس آیات پڑھیں۔

اشکال:

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ نوم الانبیاء تو ناقض نہیں ہوتی لہذا یہ مقام مقام ترجمہ نہیں ہے

اس سے استدلال درست نہیں۔

جواب:

بعد میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا ارادہ کیا تو وضوء کر لیا جس سے یہ احتمال

پیدا ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث سے وضوء کیا لیکن قرأت بلا وضوء فرمائی۔

فصنعت مثل ما صنع..... بعض حضرات کے ہاں ابن عباس کا یہ عمل مستدل اور

مقام ترجمہ ہے کہ ابن عباس نے بھی عشر آیات بلا وضوء تلاوت فرمائیں

اشکال: ابن عباس تو اس وقت نابالغ اور غیر مکلف تھے تو ان کے عمل سے کیسے

استدلال کیا جاسکتا ہے۔

جواب: علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر شامل ہے تو صرف ابن عباسؓ کے عمل سے استدلال نہیں بلکہ اصل استدلال تقریر النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔

باب من لم يتوضا الا من الغشى المثقل

غش کی دو صورتیں ہیں (۱) غشی مثقل کہ آدمی کے حواس معطل ہو جائیں (۲) خفیف، کہ حواس تو ٹھیک ہوں لیکن غشی کا کچھ اثر ہو تو بعض لوگوں کے ہاں مطلقاً غشی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ترجمۃ الباب۔ سے امام بخاری کا مقصد ان لوگوں پر رد ہے جو مطلقاً غشی کو ناقض کہتے ہیں اور امام بخاری غشی مثقل اور خفیف میں فرق کرنا چاہتے ہیں کہ صرف غشی مثقل ناقض الوضو ہے۔

انکم تفتنون فی القبور ای (۱) تعذبون فی قبورکم (۲) تحشرون وتسألون.

باب مسح الرأس كله

مسئلۃ الباب: احناف اور امام احمدؒ کے ہاں ربع الرأس کا مسح فرض ہے امام شافعیؒ کے ہاں ادنیٰ ما یطلق علیہ اسم المسح فرض ہے اور امام مالکؒ کے ہاں استیعاب فرض ہے اور یہی مختار ہے امام بخاریؒ کا۔

فاقبل بهما وادبر..... اس سے فرضیت استیعاب کے لئے استدلال کرتے

ہیں۔

باب غسل الرجلین الی الکعبین

غسل الرجلین کے لئے پہلے مستقل باب قائم کر چکے ہیں یہ باب فقط غایہ بتانے کے لئے ہے کہ کہاں تک رجليں کو دھویا جائے۔

باب استعمال فضل وضو الناس

وامر جریر ان يتوضوء بفضل سواکھ

فضل کا معنی کیا ہے؟

اس میں دو احتمال ہیں (۱) وہ پانی جو برتن کے اندر باقی رہے اس صورت میں فضل

بالا اتفاق طاہر، مطہر ہے (۲) دوسرا معنی ماء مستعمل کا ہے اس صورت میں امام ابو حنیفہ کا قول قدیم نجاست غلیظہ کا ہے دوسرا قول نجاست خفیفہ کا ہے اور تیسرا مفتی بہ قول طاہر غیر مطہر ہونے کا ہے لہذا اس سے وضو اور غسل جنابت جائز نہیں ہے۔ البتہ پینے کے لئے اور دیگر ضروریات کے لئے استعمال کرنا جائز ہے۔ حافظ کے ہاں اس باب کا مقصد احناف پر رد ہے لیکن یہ قول غلط ہے کیونکہ اس مسئلہ میں احناف کا جو مسلک ہے بعینہ یہی مسلک شوافع وغیرہ کا ہے۔

امران یوضا بفضل سوا کہ سوا کہ چونکہ منہ میں استعمال ہو چکا تھا تو جب وہ پانی میں رکھا تو پانی مستعمل کے حکم میں ہوا لیکن جریر بن عبداللہ نے اپنے اہل خانہ کو اس پانی سے وضو کرنے کا حکم دیا۔

یاخذون من فضل ماء ہ یہاں یہ بھی وہی دونوں احتمال ہیں لیکن قوی احتمال ماء مستعمل کا ہے کیونکہ انہوں نے یہ پانی تبریک کے لئے لیا تھا اور تبریک ماء مستعمل میں ہوتی ہے۔

باب (بلا ترجمہ)

بعض نسخوں میں باب کا لفظ نہیں ہے لیکن جہاں باب کا لفظ ہے تو وہاں تکرار سابق ہے کیونکہ گذشتہ میں فضل الوضو وضو کا حکم تو بیان کیا لیکن وضو کامل کا ذکر نہیں تھا اور یہاں وضو کامل کا ذکر ہے کہ وضو کامل کا جھوٹا طاہر ہے۔

رز السحلة رز کا معنی کھنڈی ہے اور مجلہ چھپر کھٹ اور مسہری کو کہتے ہیں اور اگر یہ لفظ زر ہے تو معنی ہوگا چکور کا انڈہ۔

باب مسح الرأس مرة

یہ جمہورت کی تائید ہے کہ مسح الرأس مرة اور اس میں شلیٹ نہیں ہے۔

باب الوضوء مع امراته وفضل وضوء المرأة

وتوضا عمر رضی اللہ عنہ بلحیم ومن بنت نصرانیة

اس ترجمہ الباب میں چار مسئلے بیان ہو رہے ہیں (۱) مرد کے لئے عورت کا باقی ماندہ

پانی کا استعمال (۲) عورت کے لئے مرد کے باقی ماندہ پانی کا استعمال (۳) مامستہ النار کا مسئلہ (۴) سورانصرانی کا مسئلہ

تفصیل ابتدا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو عورت کے باقی ماندہ کے استعمال سے منع کیا تھا کیونکہ عورتیں عموماً بے احتیاط ہوتی ہیں اور عورت کو مرد کے باقی ماندہ کے استعمال سے منع کیا تھا عورت کی تہلیب خاطر کے لئے لیکن بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جانبین کو اجازت دے دی، چنانچہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان الماء لای نجس، لہذا یہ ابتدا پر محمول ہے اور اب مسئلہ یہ ہے کہ مرد اور عورت کیلئے ایک دوسرے کا باقی ماندہ استعمال کرنا جائز ہے۔ (۳) امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں ثابت کیا کہ ماست النار کا استعمال ناقض الوضو نہیں (۳) سورانصرانی پاک ہے احناف کا مسلک ہے کہ سورالآدی ظاہر ہے خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم ہو۔

باب الوضوء بالمد

حدثنا ابو نعیم..... کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یغسل او کان یغتسل

بالصاع الی خمسة امداد ویتوضو بالمد

ترجمۃ الباب کا مقصد:

وضو اور غسل کے لئے پانی کی مستحب مقدار بیان کرنا مقصود ہے امام نووی فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اتفاق ہے کہ شریعت نے وضو اور غسل کے لئے پانی کی وجوہی مقدار کو بیان نہیں کیا ہے اور حدیث الباب میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کے لئے مد اور غسل کے لئے صاع کی مقدار بیان ہے کہ یہ مقدار کفایت ہے۔

مسئلہ الباب: یہ بات تو متفق علیہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو سے اور غسل صاع سے فرماتے تھے اور یہ بھی متفق علیہ بات ہے کہ صاع چار مد کا ہوتا ہے لیکن چونکہ مد کی مقدار میں اختلاف ہے لہذا صاع میں بھی اختلاف ہوگا۔

مقدار مد و صاع: اہل حجاز کے ہاں مد ایک رطل اور ثلث رطل کا ہوتا ہے جبکہ احناف

کے ہاں مدد و رطل کا ہوتا ہے لہذا اہل حجاز کا صاع سو پانچ رطل ہوگا اور احناف کا صاع آٹھ رطل ہوگا۔

باب المسح علی الخفین

اہلسنت کا اجماعی مذہب ہے کہ مسح علی الخفین جائز ہے اور جمہور کے ہاں مقیم کے لئے ایک دن، رات اور مسافر کے لئے تین دن اور تین رات مسح جائز ہے۔ البتہ امام مالک کے ہاں مقیم کے لئے مسح جائز نہیں ہے اور اسی طرح ان کے ہاں مسافر کے لئے توفیق مقرر نہیں ہے۔ روافض وغیرہ مسح علی الخفین کو ابتداء اسلام پر حمل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ آیت وضو سے منسوخ ہو چکا ہے لیکن اہلسنت مغیرہ بن شعبہ کی روایت یہ استدلال کرتے ہیں کیونکہ یہ حدیث آیت الوضو سے بعد کی ہے اور اسی طرح جریر بن عبد اللہ بجلي سے پوچھا گیا کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسح علی الخفین نقل کرتے ہو لیکن یہ قبل آیت الوضو ہے یا آیت الوضو کے بعد کی بات ہے تو حضرت جریر نے فرمایا میں تو آیت المائدہ کے بعد اسلام لایا ہوں۔ اور محدثون کان یعجبہم حدیث جریر کیونکہ اس میں صراحت ہے کہ مسح منسوخ نہیں ہے امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ماقلت بالمسح علی الخفین حتی جاءنی مثل ضوء النهار اور امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ مسح علی الخفین روایات متواترہ سے ثابت ہے اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ مسح علی الخفین ستر صحابہ سے منقول ہے اگر بالفرض مسح علی الخفین نص قرآن کے خلاف بھی ہوتا تو اتنی کثیر روایات سے نص قرآن کا نسخ لازم آتا اور امام ابو حنیفہ نے علامات اہلسنت کے بارے میں فرمایا ہے نحن نفضل الشیخین و نحب الختین و نرى المسح علی الخفین۔

بمسح علی عملتہ..... یہ الفاظ من خطاء الاوزاعی ہیں کسی اور نے نقل نہیں کیے۔

باب اذا دخل رجلین و هما طاهرتان

ترجمہ الباب کا مقصد:

یہ ہے کہ مسح علی الخفین تب جائز ہوگا جب خفین کے اندر پیروں کو پاک حالت میں داخل کرے اور پیر طاہر نہ ہوں اور داخل کرے تو مسح علی الخفین جائز نہ ہوگا۔

باب من لم یوضأ من لحم الشاة والسويق

واكل ابوبکر و عمر و عثمان ولم يتوضؤ.....

مسئلہ الباب: ماست النار کا مسئلہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ماست النار اسباب حدیث میں سے ہے کہ نہیں یہ مختلف فیہا مسئلہ ہے بعض صحابہؓ اور نبی رولیتہ امام احمد بن حنبل ماست النار کو ناقض الوضو کہتے ہیں جبکہ جمہور کے ہاں ماست النار اسباب حدیث میں سے نہیں ہے امام بخاریؒ کا مقصد جمہور کی تائید ہے نقض الوضو کا حکم منسوخ ہے حضرت جابر سے منقول ہے کہ حضورؐ کا آخر الامرین ترک الوضو ماست النار ہے۔

باب من مضض من السويق ولم يتوضأ

مضض اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیونکہ ستوکھانے سے اس کے ذرات دانتوں میں پھنس جاتے ہیں اگر نماز کی حالت میں اندر داخل ہو گئے اور مقدار پنے سے زیادہ ہوں تو نماز فاسد ہو جائے گی اس مضض کو وضو ناقص پر بھی حمل کیا جاسکتا ہے کہ اس سے وضو ناقص مراد ہے۔

باب هل يمضض من اللبن

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مضض من اللبن ثابت ہے اور فرمایا کہ دودھ میں دسومت ہوتی ہے لہذا دودھ پینے کے بعد مضض مستحب ہے۔

باب الوضوء من النوم

ومن لم ير من النعسة والنحو الخفقة وضوءاً
نعسة کا معنی ہے فتور فی الحواس اور خفیف نیند کی وجہ سے سر کا جھلکنا۔

ترجمہ الباب کا مقصد:

مقصد یہ بتلانا ہے کہ مطلقاً نیند ناقض الوضو نہیں ان لوگوں پر رد ہے جو مطلقاً نیند کو ناقض الوضو کہتے ہیں۔

مسئلہ الباب: نیند کے ناقض الوضو ہونے میں اختلاف ہے۔

(۱) بعض حضرات کے ہاں نیند مطلقاً ناقض نہیں۔ (۲) بعض کے ہاں مطلقاً ناقض

ہے (۳) بعض کے ہاں کثیر نوم ناقض ہے اور قلیل ناقض نہیں ہے۔

قلیل و کثیر کا مطلب (۱) بیٹھے بیٹھے سو جانا نوم قلیل ہے (۲) بیت صلوٰۃ میں کسی بیت پر سو جانا قلیل نوم ہے البتہ اگر کسی چیز کو ٹیک لگا کر سوئے کہ سو ازیل لسقط تو یہ نوم کثیر کے حکم میں ہے اور ناقض ہے وضو کے ناقض ہونے کی علت نوم ذاتا ناقض الوضو نہیں بلکہ یہ سبب ہے استرخاء مناصل کی وجہ سے رگیں ست ہو جاتیں ہیں تو خروج ریح کا مظان ہوتا ہے لیکن خروج ریح ایک سبب مخفی ہے لہذا شریعت نے احکام کا مدار علت ظاہر یہ پر رکھا کہ نیند سے وضو ٹوٹ جائے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اذانعس احدکم وهو بصلی فلیرقد..... لعلہ یتستغفر فی سب نفسہ" مناسبت اس کی ترجمہ الباب کے ساتھ اس طرح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز توڑنے کی علت یہ نہیں بتائی کہ اونگھ سے وضو ٹوٹ گیا بلکہ علت یہ بتائی کہ چونکہ حواس قابو میں نہیں تو دعا کی بجائے خود کو برا بھلا کہہ دے گا اس سے معلوم ہوا کہ نعاس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

باب الوضو من غیر حدث

یعنی وضو علی الوضو کا بیان ہے یہ مستحب ہے بشرطیکہ وضو سابق سے ایسا عمل کیا ہو جو بغیر وضو کے جائز نہ ہو مثلاً اس مصحف یا نوافل وغیرہ پڑھے ہوں۔

باب من الكبائر ان لا یستر من بولہ

عدم ستر من البول پر چونکہ وعید آئی ہے لہذا یہ کبیرہ ہے۔
وما یعذب ان فی کبیر..... اشکال ہوتا ہے کہ پہلے کبیرہ ہونے کی نفی کی پھر بلی سے کبیرہ ہونے کو ثابت کیا۔

جواب امام نووی: (۱) لیس بکبیرۃ فی زعمہما وعند اللہ کبیرۃ (۲) التوقی والاحتساب عنہما یس بشاق۔ کیونکہ پیشاب کے قطرات سے بچنا اور خود کو چغل خوری سے بچانا مشکل کام نہیں ہے (۳) انہما لیس من الموبقات السبع حالانکہ حقیقتہ اور فی نفسہ یہ کبیرہ ہے۔

ثم دعا بحریدۃ..... لعلہ ان یخفف عنہما.....

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع عذاب کے لئے یہ مدت مقرر فرمائی کہ ان شاخوں کے خشک ہونے تک ان پر سے عذاب اٹھالیا جائے گا یہ شاخ کے سبز ہونے کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت تھی علامہ خطابی لکھتے ہیں کہ یہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاصیت تھی لہذا دوسروں کے لئے قبور پر شاخیں لگانا جائز نہیں۔

باب ماجاء فی غسل البول

وقال النبی صلعم لا یستر من بولہ

ترجمہ الباب مقصد:

مقصد یہ ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف بول انسان پر عذاب کے وعید سنائی ہے لہذا یہ حکم تمام حیوانات کے ساتھ متعلق نہیں ہوگا بلکہ صرف بول انسان کے ساتھ خاص ہوگا اس سے امام بخاریؒ بول مایوکل لحمہ کے جواز کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

باب ترک النبی صلی اللہ علیہ وسلم والناس لاعرابی

حتی یفرغ من بولہ

بول انسان سب کے ہاں نجس ہے اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کو پیشاب کرنے سے نہیں روکا اس کی وجہ (۱) روکنے کی صورت میں اس کو ضرر اور تکلیف ہوتی (۲) زیادہ مسجد گندی ہو جاتی۔

طریقہ طہارت: (۱) زمین کو دھویا جائے (۲) زمین کھود کر ٹپلی مٹی اوپر کر دی

جائے۔

باب بول الصبیان

حدثنا عبد اللہ بن یوسف عن ام قیس بنت محصن انها اتت

باین لہالم یا کل الطعام الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجلسہ رسول فی

حجرہ فبال علی ثوبہ فدعا بماء فنضحہ ولم یغسلہ۔

ترجمہ الباب کا مقصد:

بول الصبیان کی نجاست کو بیان کرنا مقصد ہے۔

مسئلۃ الباب: جمہور کے ہاں بول المصبيان نجس ہے البتہ قاضی عیاضؒ مالکی ادا بن بطلان نے امام شافعیؒ کی طرف طہارت کا قول منسوب کیا ہے لیکن امام نوویؒ نے اس بات کو رد کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کا قول جمہور کی طرح ہے شارحین کہتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ امام شافعیؒ کے ہاں بول المصبيان نجس ہے لیکن ان کے اقوال سے طہارۃ البول کا شبہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے قاضی عیاضؒ وغیرہ نے طہارت کی نسبت کی ہے۔ مثلاً امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بول المصبي پر نضح الماء ہوگا یعنی پانی چھڑکنے کا حکم ہے اگرچہ پانی نہ ٹپکے لیکن نضح سے بول المصبي پاک ہو جائے گا (۲) بول المصبيان میں تخفیف کی طرف بھی اس باب میں اشارہ ہے۔

مسئلہ: اگر صبی کپڑے پر بول کرے تو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں اس کے دھونے کا حکم ہے جبکہ امام شافعیؒ و امام احمدؒ کے ہاں نضح کا حکم ہے اس سے تخفیف بول المصبي ثابت ہوتی ہے اور امام محمدؒ کے بقول احناف بھی بول المصبي میں تخفیف کے قائل ہیں۔

سبب تخفیف کیا ہے؟ (۱) بول المصبي میں تخفیف عموم بلوئی کی وجہ سے ہے کیونکہ لڑکوں کو لوگ عموماً اٹھاتے پھرتے ہیں بخلاف الجاریہ (۲) صبی کے بول میں بدبو اور لذو جت کم ہوتی ہے اور پیشاب ایک ہی جگہ پر گرتا ہے لہذا تھوڑے سے پانی سے صاف ہو جاتا ہے بخلاف الجاریہ کہ اس کا پیشاب پھیلتا ہے اور بدبودار ہوتا ہے۔ یہ تخفیف ہونا اس وقت تک ہے جب تک بچہ دودھ پیتا ہو اور کھانا شروع نہیں کیا ہو۔ جب کھانا شروع کرے تو پھر دونوں کا بول ایک جیسا ہے پھر طریقہ تطہیر میں فرق نہیں ہے۔

باب البول قائماً وقاعداً

ترجمۃ الباب کا مقصد:

اس باب کا مقصد بول قائماً اور قاعداً کا جواز ثابت کرنا ہے۔ لیکن حدیث الباب فقط بول قائماً کے بارے میں ہے اور بول قاعداً کے لئے حدیث نہیں لائے کیونکہ (۱) بول قاعداً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت تھی اور اس پر امت کا تعامل جاری ہے لہذا اس کے ثبوت کی ضرورت نہ تھی (۲) بول قائماً تو فطرت کے مطابق ہے تو اس کے ثبوت کی

ضرورت نہیں تھی، ثبوت کی ضرورت تو خلاف فطرت عمل کے لئے ہوتی ہے۔

اسی مسابطة قوم فبال قائماً..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بول قائماً ثابت ہے لیکن یہ جواز ضرورہ ہے بلا ضرورت جائز نہیں ہے اہل ظواہر کے ہاں بول قائماً مطلقاً جائز ہے جمہور کے ہاں کراہت ہے لیکن کراہت کچھ ایسی ہے علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ متقدمین کے ہاں کراہت تزیہی کا حکم تھا لیکن اب چونکہ یہ کفار کا شعار بن چکا ہے لہذا اب یہ مکروہ تحریمی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بول قائماً کیوں کیا؟ (۱) بیان جواز کے لئے (۲) وہاں بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی (۳) جگہ ایسی تھی کہ بیٹھنے کی صورت میں پیشاب واپس کا آنے کا خدشہ تھا (۴) چھیننے لگنے کا خدشہ تھا (۵) لجرح کان بفخذہ (۶) دستور عرب کے مطابق درو کمر کے لئے کھڑے ہو کر پیشاب کیا تھا۔

باب البول عند صاحبه والتستر بعائط

ترجمہ الباب کا مقصد:

مقصد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو منقول ہے کہ اذا ذهب ابعدا فی المذہب تو وہ غائط کے بارے میں ہے اور بول حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب میں ثابت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے دور اس لئے جاتے تھے کیونکہ غائط میں زیادہ تستر کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ بول میں زیادہ تستر کی ضرورت نہیں ہوتی لہذا قریب میں کرنا جائز ہے بشرطیکہ تستر ہو۔

باب البول عند سباطة قوم

ترجمہ الباب کا مقصد:

مقصد فقط یہ ہے کہ کسی قوم کے کوڑا دان میں پیشاب کرنا جائز ہے چونکہ یہاں اشکال ہوتا تھا کہ شاید کوڑا دان کسی کے ملک میں ہو اور اس میں بلا اجازت پیشاب کرنا جائز نہیں ہے تو اس کا جواب دیا کہ جب کوڑا دان میں کچرا ڈالا جاتا ہے تو عرفاً اجازت حاصل ہے لہذا اس میں پیشاب کرنا جائز ہے۔

باب غسل الدم

حدثنا محمد بن مثنى جاء امرء الى النبي فقالت ارأيت احدنا انا
تحيض فى الثوب فكيف تصنع قال تحتيه ثم تفرصيه بالماء وتصلى
فيه.....

ترجمہ الباب کا مقصد:

اس کا مقصد نجاست الدم کا ثبوت ہے کہ اگر بدن یا کپڑے پر خون لگے تو دھوئے بغیر
کپڑا پاک نہیں ہوگا۔

تَحْتِيهِ هو القطع بالظفر والاصابع، تنضحيه بالماء..... نضح سے
بالا اتفاق غسل مراد ہے تو احناف کہتے ہیں کہ جیسے یہاں نضح سے غسل مراد ہے اسی طرح بول
الصمى کی روایت میں بھی نضح سے غسل مراد ہوگا۔

فاذا اقلبت حيضة جو لوگ تمیز بالا وان کا اعتبار کرتے ہیں وہ اقبال باللون مراد
لیتے ہیں اور احناف اقبال بالا یام والعاہہ کا معنی کرتے ہیں۔

توضئى لكل الصلوة احناف وضو وقت كل الصلوة کے قائل ہیں جبکہ ائمہ ثلاثہ
کے ہاں لكل الصلوة کا حکم ہے۔

باب غسل المنى وفرکه

وغسل ما يصيب من المرأة

ترجمہ الباب کا مقصد:

اس باب میں امام بخاری منی کی نجاست کو بیان کرنا چاہتے ہیں امام ابو حنیفہ اور جمہور
کے ہاں منی نجس ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کے ہاں طاہر ہے۔ دلیل طہارت ان کے ہاں
فرک کی حدیث ہے کہ منی کریدنے سے پاک ہوتی ہے تو یہ حضرات کہتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ
کریدنے سے نجاست کا مکمل ازالہ تو نہیں ہوتا ضرور کچھ اجزاء باقی رہتے ہیں لیکن حضور صلی
اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی فرک کے بعد نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے تو ثابت ہوا کہ منی پاک ہے
ورنہ کچھ اجزاء کے باقی رہتے ہوئے نماز کا حکم کیوں دیا ہے۔

جواب میں احناف کہتے ہیں کہ یہ دلیل غلط ہے کیونکہ طہارت جیسے غسل سے حاصل ہوتی ہے ایسے ہی تقلیل سے بھی طہارت حاصل ہوتی ہے لہذا اگر نجاست غلیظہ قدر الدرہم سے کم ہو اور نجاست خفیفہ ربع المعضو سے کم ہو تو یہ اس سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے دوسری دلیل ہے کہ امام شافعیؒ نے کتاب الام میں لکھا ہے کہ منی سے انبیاء کی تخلیق ہوتی ہے اگر منی ناپاک ہے تو پھر اس انبیاء کی تخلیق کیسے ہو سکتی ہے۔

جواب جب شنیسی ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہو جائے تو حکم بدل جاتا ہے تو منی جب اندر ہو تو پاک ہے اور خارج میں آ کر نجس ہو جاتی ہے اگر بالفرض ہم اس کو طہرمان لیں تو پھر بھی یہی اشکال ہے کہ منی خون سے بنتی ہے تو پھر بھی انبیاء کی تخلیق نجس سے ہوئی ہے۔

دوسرا مسئلہ امام بخاریؒ نے بتا دیا کہ خشک منی کریدنے سے پاک ہو جاتی ہے یہی احناف کا مسلک ہے۔ تیسرا مسئلہ عورت کے ساتھ بوقت اختلاط جو رطوبت بدن سے نکلتی ہے وہ نجس ہے اس کا دھونا ضروری ہے۔

باب اذا غسل الجنابة ولم يذهب اثره

ترجمہ الباب کا مقصد:

ترجمہ الباب کا مقصد یہ ہے کہ اگر نجاست کو دھویا جائے اور نجاست کا اثر باقی رہے تو کپڑا پاک ہوگا لیکن اثر سے کیا مراد ہے؟ مثلاً نجاست ذی لون ہو اور اس کو شرعی طریقہ سے دھویا جائے اور اثر باقی رہے مثلاً تین بار دھویا جائے تو کپڑا پاک ہو جائے گا البتہ اگر اثر سے نجاست کے اجزاء مراد ہوں تو اس صورت میں کپڑا ناپاک رہے گا اور اس مذکورہ صورت میں یہ امام بخاریؒ کا اپنا مسلک ہوگا۔

باب ابوال ابل والنعم ومرابضها

ترجمہ الباب کا مقصد:

یہاں امام بخاریؒ کا مقصد ما کول اللحم جانوروں کے بول کا حکم بیان کرنا ہے یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے ہاں ما کول اللحم کا بول ناپاک ہے اور امام احمد

رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے ہاں ما کول اللحم جانوروں کا بول پاک ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سب جانوروں کا بول پاک ہے البتہ بعض مالکیہ نے انسان، خنزیر اور کتے کو مستثنیٰ کیا ہے بظاہر امام بخاری مالکیہ کی تائید کر رہے ہیں اور حدیث الباب سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بول الابل کے پینے کا حکم دیا ہے جس سے ابوال ابل کا پاک ہونا معلوم ہوتا ہے۔

جواب یہ استدلال درست نہیں کیونکہ: (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم نسا و یا دیا تھا وحی سے آپ کو معلوم ہو چکا تھا کہ اس میں قطعی شفا ہے اور اگر کسی حرام چیز سے شفا یقینی ہو تو اس کا استعمال جائز ہے (۲) یہ حکم علفتها تبناً و ماءً بارداً کے قبیل سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ البان پیو اور ابوال کو سونگھو۔ مسلک مالکیہ میں میٹنیاں بھی پاک ہیں۔

قصاص کا حکم احناف کے ہاں لا قود الا بالسیف یعنی مماثلت فی القصاص ناجائز ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مماثلت فی القصاص اختیار کی ہے (۱) یہ عبرۃ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا ہے (۲) اس وقت تک مثلہ سے ممانعت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

باب ما یقع من النجاسات فی السمن و الماء

قال الزهری لاباس بلماء مالم یتغیر طعمه الخ قال لاباس بریش المیة الخ عن میمونہ ان رسول اللہ صلہم مثل عن فارة سقطت فی سمن قال القوا ما حولہا و کلو اسمنکم۔

ترجمۃ الباب کا مقصد:

اس باب میں مقصد طہارۃ الماء و نجاستہ کا مسئلہ بیان کرنا مقصد ہے کہ کس صورت میں پانی نجس ہو جائے گا اور کب پانی پاک رہے گا دراصل مسئلہ پانی کا بیان کرنا ہے لیکن چونکہ حدیث میں سمن کر ذکر تھا لہذا سمن کا لفظ ترجمۃ الباب میں بڑھا دیا اور ضمناً پانی کا مسئلہ ثابت کیا۔

مسئلۃ الباب: امام مالک کے نزدیک جب تک پانی کے احد الاوصاف متغیر نہ ہوں

تب تک پانی پاک رہے گا امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے ہاں قلیل پانی وقوع النجاست سے نجس ہوگا اور کثیر پانی وقوع النجاست سے نجس نہیں ہوگا لیکن قلت اور کثرت کا مدار کیا ہے؟ تو احناف کے ہاں قلت و کثرت کا مدار مبتلا بہ کی رائے پر ہے اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے ہاں مدار قلت و کثرت قلتین پر ہے قلتین سے کم ماء قلیل کے حکم میں ہوگا۔ تو گویا اس باب سے امام بخاریؒ امام مالک کی تائید کر رہے ہیں کہ طہارت و نجاست کا مدار تغیر حسی پر ہے۔

قال حماد لاباس بریش المعیة..... کیونکہ اس سے پانی کے اندر کوئی تغیر نہیں آتا لہذا پانی پاک رہے گا احناف اور جمہور کے ہاں پر بال اور ہڈی میں نجاست اثر نہیں کرتی لہذا ان کے گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

القوہا و ما حولہا و کلوا سمنکم..... چونکہ چوہا نجس ہے لہذا اسے اٹھا کر پھینک دیا جائے اور ماحول جس کے ساتھ چوہے کا بدن مس ہوا ہے اسے اٹھا کر پھینک دیا جائے باقی گھی پاک ہے۔ احناف اور جمہور کے ہاں یہ حکم جیسے ہوئے گھی کا ہے کیونکہ ماحول جامد کا ہوتا ہے اور مانع گھی کے لئے ماحول نہیں ہوتا لان الكل حولہ اور بعض روایات میں وان كان جامدا کی تصریح بھی موجود ہے۔

قال معن عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن میمونہ رضی اللہ عنہا یعنی یہ حدیث مسانید میمونہ میں سے ہے۔

کل کلم یکلمہ المسلم فی سبیل اللہ الخ اس حدیث کے لانے کا مقصد یہ ہے کہ طہارت و نجاست کا مدار تغیر حسی پر ہے کیونکہ مشک بالاتفاق پاک ہے لیکن اصل المسک خون ہے اور خون نجس ہے لیکن جب اس میں تغیر آیا اور مسک بن گیا تو پاک ہو گیا۔

باب البول فی الماء الدائم

ترجمہ الباب کا مقصد:

(۱) ایک تو ممانعت عن البول فی الماء الدائم کا ثبوت مقصود ہے کیونکہ اگر پانی قلیل ہوگا تو نجس ہو جائے گا اور بعد میں اس کا پینا اور وضو کے لئے استعمال کرنا جائز نہ ہوگا اور ماء کثیر ہو تب بھی پیشاب کرنا جائز ہے کیونکہ فی الحال تو پانی نجس نہیں ہوگا لیکن جب

لوگ ایک دوسرے کو دیکھ کر پیشاب کریں گے تو بالآخر بدبو پیدا ہو جائے گی اور احد الاوصاف متغیر ہو جائیگا اور پانی نجس ہو جائے گا۔

(۲) دوسرا مقصد سابقہ مسلک کی تائید کہ بعد میں احد الاوصاف تغیر ہوگا تو تغیر حسی کی وجہ سے پانی ناپاک ہو جائے گا۔

عن ابی ہریرۃ نحن الآخرون السابقون..... اصلی حدیث آگے لایسولن احد کم ہے لیکن بات یہ ہے کہ امام بخاریؒ کے پاس روایات ابی ہریرہؓ کا ایک صحیفہ عبد الرحمن بن ہرمز الاعرج کی ایک ہی سند سے منقول ہے جس کی ابتداء میں نحن الآخرون السابقون کے ساتھ سند موجود ہے اور الگ الگ حدیث کے ساتھ نہیں تو امام بخاری کا طریقہ ہے کہ جب اس صحیفہ سے حدیث نقل کرتے ہیں تو پہلے سند کے ساتھ نحن الآخرون ذکر کرتے ہیں پھر اصلی مقصود حدیث نقل کرتے ہیں جیسے امام مسلم کا طریقہ ہے کہ ہمام بن منبہ سے جب نقل کرتے ہیں تو سند کے بعد ذکر احادیث اور پھر منہا کے ساتھ موجود مقصود حدیث ہے اس کو نقل کرتے ہیں۔

باب اذا التقى على ظهر المصلى قدرا وحيفة

لم تفسد عليه صلوته

مسئلہ الباب امام مالک کا مسلک ہے کہ اگر ابتداء نماز میں بدن یا کپڑے پر نجاست نہ ہو اور اثناء صلوة میں کوئی نجاست گر جائے تو اس نجاست طاری سے نماز فاسد نہیں ہوگی البتہ ابتداء نجاست کے ساتھ نماز پڑھنا جائز نہیں ہوگا۔

ترجمة الباب کا مقصد:

امام بخاریؒ کا اس باب سے مقصد امام مالکؒ کی تائید ہے کہ نجاست طاری اور نجاست ابتداء کا حکم الگ الگ ہے اور اس کے لئے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر نقل کیا ہے کہ جب کپڑے پر خون کا دھبہ دیکھتے تو کپڑا اتارتے اور نماز جاری رکھتے اور ابن المسیبؒ اور امام شعبیؒ سے نقل کیا ہے کہ دوران نماز مانع آنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

احناف اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ نجاست طاری اور نجاست ابتدائی دونوں سے نماز

فاسد ہو جاتی ہے اور ان آثار کا جواب یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر میں یہ بھی ہے کہ اگر کپڑا نہ اترتا تو جا کر کپڑا دھوئے اور پھر آ کر بنا کرے تو معلوم ہوا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مسئلے سے امام بخاری کی تائید نہیں ہوتی اور ابن المسیب اور شعبی چونکہ تابعین ہیں اور امام ابو حنیفہ بھی تابعی ہیں تو تابعی کا قول دوسرے تابعی پر حجت نہیں بن سکتا۔

حدیث الباب: کفار قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دوران نماز سلا جزور (اوٹنی کی بچہ دانی) ڈالی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جاری رکھی تو معلوم ہوا کہ نجاست طاری سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

جواب (۱) یہ ایک جزئی واقعہ ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ نماز نفل تھی یا فرض اگر بالفرض فرض تھی تو یہ معلوم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں قضاء کی ہے یا نہیں (۲) یہ ابتدائی دور کا واقعہ اس وقت تک احکام و مسائل نازل نہیں ہوئے تھے۔

باب البزاق والمخاط ونحوہ فی الثوب

ترجمہ الباب کا مقصد:

مقصد یہ ہے کہ قدر دو قسم پر ہے (۱) جو قدر بھی ہو اور نجس بھی ہو جیسے بول، براز اور منی وغیرہ (۲) وہ قدر جو قدر تو ہے لیکن نجس نہیں جیسے تھوک وغیرہ تو مقصد یہ ہے کہ پہلے قدر نجس کا بیان تھا اور اب قدر غیر نجس کا بیان ہے۔

باب لایجوز وضوء بالنبیذ ولا بالمسکر

کل شراب مسکر فهو حرام.....

ترجمہ الباب کا مقصد:

اس باب میں وضو یا نیند کا مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے اس مسئلہ میں تفصیل ہے (۱) نبیذ اتمر کے علاوہ باقی ائدہ کے ساتھ بالاتفاق وضو جائز نہیں (۲) نبیذ اتمر میں اگر جھاگ آجائے تو وضو کرنا بالاتفاق ناجائز ہے (۳) نبیذ اتمر جب مطبوخ ہو تو بالاتفاق وضو ناجائز ہے۔ (۴) نبیذ اتمر حد سکر تک پہنچے تو بالاتفاق وضو ناجائز ہے (۵) پانی کے اندر کھجور کی وجہ سے مٹھاس پیدا ہو جائے لیکن سیلان باقی ہو اس صورت میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ کا

قول قدیم تھا کہ نبیذ تمر سے وضو جائز ہے جبکہ امام شافعیؒ، مالکؒ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ نبیذ تمر سے وضو ناجائز ہے۔

دلیل جواز:

امام صاحبؒ کی دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا لیلۃ الجن کا واقعہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا ”ما فی ادواتک قال ماء التمر فقال لى نمرۃ طيبة و ماء طهور فتوضا به“ اس حدیث پر طویل قیل قلنا ہے لیکن علامہ عینیؒ اور زیلعیؒ نے اس حدیث کے مختلف طرق اور اسانید جمع کر کے اس حدیث کو قابل استدلال ثابت کیا ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ سے وفات سے چند یوم قبل اپنے قول سے رجوع ثابت ہے لہذا اب نبیذ تمر سے وضو کے عدم جواز کا مسئلہ اتفاقی ہے۔

بالنبیذ ولا بالمسکر..... مسکر چیز سے وضو جائز نہیں کیونکہ مسکر حرام ہے اور وضو طاعت ہے اور طاعت حرام چیز کے ساتھ جائز نہیں ہے اصل مقصد تو نبیذ تمر کا حکم بیان کرنا تھا لیکن چونکہ حدیث میں مسکر کا ذکر تھا تو امام بخاریؒ نے حسب عادت مسکر کا لفظ ترجمۃ الباب میں بڑھا دیا اور اس سے نبیذ تمر کا حکم ضمناً ثابت کیا کیونکہ بعض اوقات نبیذ بھی مسکر ہوتی ہے تو فی الجملہ نبیذ سے وضو کا عدم جواز ثابت ہوتا ہے۔

باب غسل المرأة اباها الدم عن جہہ

وقال ابو العالیۃ امسحوا علی رجلی فاتھا مریضۃ.....

ترجمۃ الباب کا مقصد:

اس میں تین قول ہیں (۱) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ مقصد یہ ہے کہ ازالۃ النحاسة عن البدن صلوٰۃ سے پہلے ضروری ہے تب نماز پڑھنا جائز ہوگا جیسے حدیث الباب میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر غزوہ احد میں خون بہہ رہا تھا اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خون نجس نہیں ہے لیکن تعلیم امت کے لئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اپنا خون دھلوا یا (۲) استعانت فی الوضو کا مسئلہ دوبارہ ذکر فرما رہے ہیں تاکید کے لئے جیسے حدیث الباب سے ثابت ہے (۳) شیخ الہند رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس

باب سے اشارہ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مس المرأة ناقض الوضوء نہیں چنانچہ دوران وضو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھ سے خون صاف فرما رہی تھیں۔

باب السواک

قال ابن عباس بت عند النبي صلى الله عليه وسلم فاستن.....

ترجمہ الباب کا مقصد:

سواک فی الوضوء کے استحباب کا ثبوت مقصود ہے۔

باب دفع السواک الی الاکبر

حدیث الباب میں مذکورہ باب صم استحبابی ہے۔

باب فضل من بات علی الوضوء

سونے وقت با وضو ہونا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہے اور مستحب عمل ہے ایک تو پوری رات طہارت پر رہنے کا ثواب ملے گا اور دوسرا اللہ تعالیٰ شیاطین اور اور جنات کے اثر سے محفوظ رکھیں گے۔

اذ انت مضجعك فتوضا وقل اللهم اسلمت وجهي اليك..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تکبیر فرمائی ہے وہ اس لئے نہیں فرمائی کہ نبی اور رسول میں کوئی فرق ہے جبکہ یہ ممکن ہے کہ دعا وحی خفی سے ذریعہ سے نازل ہوئی ہو اور اب اگر نبی کی جگہ رسول کہے تو وحی میں تبدیلی ہوتی لہذا اس سے منع فرمایا اسی لئے فقہاء لکھتے ہیں کہ ادعیہ ماثورہ تو قیضی ہوتی ہیں لہذا جس طرح منقول ہیں اسی طرح پڑھنی چاہئیں۔

واجعلهن آخر..... بقول حافظ ابن حجر خاتمہ کتاب اور بقول شیخ الحدیث صاحب خاتمہ انسان کی طرف اشارہ ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

کتاب الغسل

وقول الله تعالى وان كنتم جنباً فاطهروا الی قوله لعلکم تشكرون . وقوله

ياايهاالذين امنوا..... الی..... عفو اغفورا

اس سے پہلے حدیث اصغر کا بیان تھا اور اب حدیث اکبر کا بیان شروع کیا ہے حدیث اصغر کثیر الوقوع تھا تو اسے مقدم کیا اور حدیث اکبر بے نسبت اس کے قلیل الوقوع ہے تو اسے مؤخر ذکر کیا حسب عادت امام بخاری نے کتاب کی ابتداء میں قرآن آیات کو ذکر کیا ہے۔ اشارہ ہے اس طرف کے مابعد کی روایت ان آیات کی تشریح ہے۔

باب الوضوء قبل الغسل

اس سے مقصد غسل کا مسنون طریقہ بتلانا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ۔
 غسل سے پہلے ہاتھ دھوتے، بدن سے گندگی ہٹاتے پھر وضو کر کے غسل فرماتے۔
 تو ضاء غیر و جلیۃ..... جہاں منفذ موجود ہو یا پاؤں ملوث ہونے کا خدشہ نہ ہو تو
 غسل کر کے آخر میں دھویا جائے۔

باب غسل الرجل مع امرأته

ترجمہ الباب کا مقصد:

غسل الرجل مع المرأة کا ثبوت ہے اور ظاہر ہے اس صورت میں ایک دوسرے پر نظر پڑے گی تو اس صورت میں اشکال ہو سکتا تھا کہ کیا اس صورت میں غسل جائز ہوگا یا نہیں تو اس باب سے اشکال کو دفع کہ غسل الرجل مع المرأة جائز ہے (۲) اشارۃً مس المرأة کے عدم ناقص ہونے کو بیان کر رہے ہیں کیونکہ غسل میں ایک دوسرے کو مس کرنا ممکن ہے (۳) فضل المرأة اور فضل الرجل کے استعمال کا جواز کا ثبوت مقصود ہے۔

بقال له الفرق..... فرق سولہ رطل کا ہوتا ہے تو یہ حدیث احناف کی مستدل بن سکتی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ وسلم کے ہاتے میں منقول ہے کہ آپ صلی اللہ وسلم ایک صاع سے غسل فرماتے تھے اور ادھر فرق کا ذکر ہے سولہ رطل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے وضو کیا تو آٹھ رطل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوئے اور آٹھ رطل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہوئے اور احناف کے ہاں بھی صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے۔

☆☆☆.....☆☆☆

باب الغسل بالصاع ونحوہ

ترجمہ الباب کا مقصد:

مقصد یہ ہے کہ حدیث میں جو ایک صاع کی مقدار تحدیدی نہیں بلکہ قدر مائیکفی کا بیان ہے اور نحوہ سے اسی کی طرح اشارہ کیا ہے۔

باب من بدأ بالحلاب او الطيب عند الغسل

یہ ترجمہ الباب بہت مشکل ہے اور اس پر محدثین کی جانب سے بہت قیل قلنا ہوا ہے

مثلاً:

(۱) اسما عیسیٰ رحمہ اللہ نے یہ لکھا کہ من یسلم عن الغلط تو اس باب کے قیام میں امام بخاریؒ سے غلطی ہوئی ہے حدیث میں حلاب کا لفظ تھا جس کا معنی ہے اناء، یسع فیہ حلبۃ الناقة کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقدار حلاب سے غسل فرماتے تھے لیکن امام بخاریؒ نے حلاب کو خوشبو سمجھا اور باب قائم کیا من بدأ بالحلاب او الطیب یہی بات خطابی، ابن بطل، زرکشی، ابن الجوزی، الغرض اکثر محدثین نے اختیار کیا ہے۔

(۲) ازہریؒ امام لغت کے حوالے سے بعض نے لکھا ہے کہ امام بخاریؒ کی یہ غلطی تصحیف کے قبیل سے ہے کہ اصل لفظ حلاب تھا جو گلاب کا معرب ہے تو حدیث کا مطلب تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غسل سے قبل گلاب کا پانی استعمال فرماتے تھے لیکن امام بخاریؒ نے حلاب کو حلاب سمجھا لیکن ابن الاثیرؒ نے اس کو رد کیا ہے کہ عام صحیح روایات میں حلاب ہی لفظ آیا ہے۔

(۳) حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ حلاب بمعنی مخلوب ہے اور مخلوب سے مراد مخلوب البذر ہے کہ عرب حسب دستور مختلف بیج کوٹ کر اس سے عصارہ سا بناتے پھر صابن کی جگہ استعمال کرتے تھے اس عصارہ میں تھوڑی خوشبو بھی ہوتی ہے تو اس صورت میں ترجمہ الباب کا مقصد یہ ہوا (۱) مخلوب البذر کے استعمال کا جواز اور ثبوت مقصود ہے (۲) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مقصد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غسل میں دو طریقے ثابت ہیں ان کا بیان ہے ایک طریقہ یہ ہے کہ کبھی غسل سے پہلے خوشبو استعمال فرماتے جیسے

حدیث عائشہ ہے کہ اطیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیطوف علی نساہ
 روسرا طریقہ یہ کہ پہلے عام پانی سے غسل فرماتے پھر خوشبو لگاتے۔ (۳) شیخ الحدیث
 فرماتے ہیں کہ ملاب میں چونکہ چکناہٹ ہوتی ہے اور برتن میں پانی ڈالنے سے چکناہٹ
 اوپر آ جاتی ہے اور یہ میل کچیل کو نرم کرتی ہے اور صفائی میں آسانی ہوتی ہے تو مقصد یہ ہے
 کہ میل کچیل کو صاف کرنے کے لئے حلاب یا طیب کا استعمال جائز ہے۔

باب المضمضة والاستنشاق فی الجنابة

ترجمہ الباب کا مقصد:

غسل جنابت میں مضمضہ اور استنشاق کا حکم بیان کرنا مقصود ہے۔

مسئلہ الباب: امام ابوحنیفہ اور فقہاء عراق کے ہاں غسل جنابت میں دونوں واجب
 پہلی اور وضو میں دونوں سنت ہیں۔ امام شافعی، امام مالک کے ہاں وضو اور غسل جنابت
 دونوں میں مضمضہ اور استنشاق سنت ہیں۔ امام احمد سے تین قول ہیں (۱) دونوں میں دونوں
 واجب ہیں (۲) دونوں میں دونوں سنت ہیں (۳) مضمضہ وضو اور غسل دونوں میں سنت اور
 استنشاق دونوں میں واجب ہے۔ اب امام بخاری اس باب سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں تو
 صحیح بات یہ ہے کہ اس میں وجوب اور عدم وجوب کا کوئی ذکر نہیں ہے صرف مضمضہ اور
 استنشاق کا ثبوت مقصود ہے اب جو چاہے اس کو وجوب پر حمل کرے اور جو چاہے سنت پر
 حمل کرے۔

قال بیدہ علی الارض ای دلک بیدہ

قال افعال عامہ میں سے ہے اس کے مختلف معنی آتے ہیں۔

دلک کے اسباب: (۱) ہاتھ پر نجاست کے کچھ ذرات باقی ہوں اس کو صاف
 کرنے کے لئے یا (۲) ہاتھ پر نجاست کے ذرات تو نہیں لیکن ملامت نجاست کی وجہ سے
 رہو باقی تھی اسے ختم کرنے کے لئے دلک کیا۔

اُتسی بمنذیل فلم یقتض بھا..... (۱) ممکن ہے رومال گندا ہو اسی وجہ سے ترک کیا

(۲) ممکن ہے مندیوں کو مکروہ سمجھا ہو (۳) ممکن ہے گرمی کی وجہ سے پانی کا باقی رہنا

پسندیدہ جانا ہو۔

مندیل کا استعمال: اس میں پانچ قول ہیں (۱) ترک مستحب ہے (۲) استعمال مکروہ ہے (۳) استعمال مباح ہے (۴) مستحب ہے (۵) سردی میں جائز گرمی میں مکروہ ہے۔

باب مسح الید بالتراب لتکون انقی

اس کا سبب بیان ہوا کہ یا تو اثر التجارۃ کو ختم کرنے کے لئے کیا جاتا ہے یا بدبو کو ختم کرنے کے لئے تو لتکون انقی میں قول ثانی کی طرف اشارہ ہے
توضاً وضوءہ للصلوة..... اس کا تقاضہ ہے کہ رجلین کو بھی دھویا ہو لیکن دیگر احادیث سے ثابت ہے کہ غسل الرجلین کو موخر کیا تھا۔

باب هل یدخل الجنب یدہ فی الاناء قبل ان یغسلها

یہ ترجمہ شارحہ کے قبیل سے ہے حضور سے منقول ہے کہ: (۱) اذا استیقظ احدکم من منامہ فلا یغمس یدہ فی الاناء الخ (۳) حفصۃ الغسل کی روایات میں منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے وقت پہلے برتن ٹیڑھا کر کے ہاتھ دھوتے پھر ہاتھ اندر داخل فرماتے۔

مسئلۃ الباب: برتن میں ہاتھ ڈالنے کی دو صورتیں ہیں (۱) ہاتھ پر ظاہری نجاست لگی ہو تو اس صورت میں پانی نجس ہوگا لان القلیل ینحس بوقوع النحاسة وان لم یغیر احد الا و اصاب (۲) ہاتھ پر ظاہری نجاست نہ ہو تو پانی نجس نہیں ہوگا جمہور کا مسلک تقریباً یہی ہے کہ پانی نجس نہیں ہوگا لیکن یہ فعل مکروہ ہے کیونکہ اس حکم کا مد ارتو ہم نجاست پر ہے کہ لایسری این بات یدہ یہاں بھی تو ہم نجاست ہے۔ امام بخاری نے ابن عمر اور برآء کے اثر سے استدلال کیا ہے کہ ادخل یدہ فی الطہور ولم یغسلها

جواب: اس سے استدلال درست نہیں کیونکہ ترجمہ خاص ہے غسل جنابت کے ساتھ اور اثر میں وضو کا واقعہ منقول ہے الایہ کہ کہا جائے کہ ان حضرات کی عادت یہی تھی کہ بغیر دھوئے ہاتھ کو برتن میں داخل کرتے تھے وضو اور غسل دونوں میں، اس صورت میں مناسبت پیدا ہو جائے گی۔

كنت اغتسل انا والنبي صلى الله عليه وسلم من اثناء واحد تختلف ايدينا
اذاغتسل من الحنابه غسل يده.....

ان احادیث میں کہیں غسل کا ذکر ہے ہی نہیں اور اگر کہیں غسل کا ذکر ہے تو یہ بیان نہیں کہ ہاتھ برتن میں داخل کرنے سے پہلے دھوئے یا داخل کرنے کے بعد۔ ان احادیث سے امام بخاری کا مقصد ہے کہ غسل الید مستحب ہے اور ترک پر گناہ نہیں ہے۔

باب تفریق الغسل والوضوء

يعنى ترك التوالى فى الاعضاء

ترجمة الباب کا مقصد:

اعضاء دھونے میں تسلسل اور توالی کا ترک جائز ہے لیکن مکروہ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے توالی فی الاعضاء ثابت ہے۔

باب اذا جامع ثم عاد

ومن دار على نسائه بغسل واحد.....

حضور صلی اللہ علیہ وسلم دونوں طریقے منقول ہیں (۱) کہ ہر زوجہ سے فراغت کے بعد الگ الگ غسل کیا اور ہلا جعلت غسلا واحداً کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہذا اطیب (۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بیویوں کے پاس جانے کے بعد آخر میں غسل کیا۔

ذكرته لعائشه رضی اللہ عنہا

اضمیر قول ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف راجع ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ احرام سے پہلے خوشبو لگانا جائز نہیں کہ بعد الاحرام بھی خوشبو باقی رہے تو اس بات کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رد کیا ہے۔

و من احدی عشر..... بیویاں تو تھیں دو بانڈیاں تھیں۔

باب غسل المذی والوضوء منه

مذی بالاتفاق نجس ہے اور سبب حدث اصغر ہے۔

باب تغلیل الشعر

حتى اذا ظن انه قد روى بشرته افاض عليه الماء.....

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تحت کل شعرة جنابة منقول ہے اور عموماً سر کے میل زیادہ ہوتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ صرف پانی بہانے پر اکتفا نہ فرماتے بلکہ چلو سے پانی لے کر بالوں کی جڑوں تک پہنچا دیتے پھر پانی بہاتے اور مسئلہ بھی یہی ہے کہ غسل جنابت میں احتیاط ضروری ہے کہ صرف پانی بہانے پر اکتفا نہ کرے بلکہ بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچائے۔

باب من توضأ فی الجنابة

ثم لم يعد مواضع الوضوء مرةً أُخرى..... مقصد غسل کا مسنون طریقہ کا بیان ہے کہ پہلے وضو کرے پھر غسل کرے۔ اس وضو کے متعلق دو قول ہیں (۱) یہ ایک مستقل عمل ہے تو ان کے ہاں وضو کرنے کے بعد غسل میں دوبارہ اعضاء الوضو کو دھویا جائے۔ (۲) وضو غسل کا جزء ہے تو ان کے ہاں غسل میں اعضاء الوضو کو نہیں دھویا جائیگا۔ الام بخاری اس باب سے قول ثانی کی تائید کر رہے ہیں۔

ثم تنحى ثم غسل رجليه..... یہ موضع استدلال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ پہلے پیر نہیں دھوئے تھے لہذا آخر میں دھوئے لیکن دوسرے اعضاء کا تذکرہ نہیں۔

باب اذا ذكركم في المسجد انه جنب خرج ولا يتيمم

اگر جب بھول کر مسجد میں داخل ہو جائے اور پھر یاد آئے تو کیا کرے امام احمد، امام اسحاق فرماتے ہیں کہ اگر جب وضو کر کے داخل ہو تو اس کے لئے مکث فی المسجد اور عبور فی المسجد جائز ہے۔ امام شافعی مطلقاً عبور فی المسجد کے جواز کے قائل ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے لئے مطلقاً جب کے لئے عبور جائز نہیں چاہے وضو کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اب اگر سہواً نسیاً داخل ہو گیا تو کیا کرے؟ تو امام صاحب کا قول ہے کہ اگر مسجد میں کوئی چیز قابل تیمم ہو تو تیمم کر کے مسجد سے نکلے اگر کوئی قابل تیمم چیز نہیں تو مجبوراً بغیر تیمم کے نکلے علامہ انور شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ شامی میں امام اعظم کی طرف ایک غیر مشہور قول منسوب ہے کہ جب

اگر سہواً مسجد میں داخل ہو جائے اور پھر یاد آئے تو بغیر تیمم کے نکلے اس قول کو اگر ترجیح دی جائے تو یہ اگرچہ غیر مشہور ہے لیکن اس باب سے اس قول کی تائید ہوتی ہے اور اگر قول مشہور کو ترجیح دی جائے تو پھر حدیث الباب کا احناف جو اب دیں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو بغیر تیمم کے نکلے ہیں تو ممکن ہے وہاں کوئی چیز قابل تیمم نہ ہو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم کیا ہو لیکن راوی نے بیان نہیں کیا لیکن یہ دوسری تاویل غلط ہے کیونکہ یہ مقام بیان ہے راوی شرعی احکام بیان کرنا چاہتا ہے لہذا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم کیا ہوتا تو راوی ضرور ذکر کرتا۔

باب نقص الیدین من غسل الجنابة

ترجمہ الباب کا مقصد:

نفض الیدین کے جواز کے لئے باب قائم کیا (۲) یہ اشارہ مقصود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے بعد تو یہ استعمال نہیں فرماتے تھے (۳) علامہ عینی کا قول ہے کہ ایک اور اشارہ مقصود ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ اس لئے استعمال نہیں کیا کہ بدن پر پانی کے قطرے عبادت کا اثر تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے سکھا کر زائل نہیں کرنا چاہتے تھے تو امام بخاری نے اس قول کو رد کیا ہے کہ اگر یہ مقصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوتا تو پھر نفض الیدین نہ فرماتے لہذا معلوم ہوا کہ تو یہ کے عدم استعمال کی مذکورہ وجہ نہیں تھی (۴) یہ اشارہ مقصود ہے کہ ماء مستعمل پاک ہے کیونکہ نفض الیدین سے ماء مستعمل کے چھیننے کپڑوں پر پڑتے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی پرواہ نہیں کی۔

باب من بداء بشق رأسه الايمن في الغسل

غسل کا مستحب طریقہ بیان کرنا مقصود ہے۔

باب من اغتسل عريانا في الخلوۃ وحده

و باب التستر عند الناس

ترجمہ الباب کا مقصد:

جواز الغسل عريانا کا ثبوت مقصود ہے البتہ تستر افضل ہے۔

تفصیل مسئلہ اگر غسل حاجت کے لئے نہ ہو بلکہ نظافت کے لئے ہو تو اس صورت میں بغیر تستر کے ہرگز جائز نہیں کیونکہ ستر عورت فرض ہے اور یہ فرض دوسرے فرض کے لئے تو ساقط ہو سکتا ہے لیکن بغیر دوسرے فرض کے ساقط نہیں ہوگا اور اگر غسل فرض ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں (۱) خلوت میں، اس صورت میں تستر افضل ہے چنانچہ منقول ہے واللہ احق ان یسیحی منہ لیکن عریانا بھی غسل جائز ہے چنانچہ حضرت موسیٰ کا واقعہ نقل کیا ہے یہ اگرچہ شرائع من قبلنا کا واقعہ ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر نکیر کے نقل کیا ہے تو ہمارے لئے دلیل ہے (۲) اگر خلوت نہیں ہے، اب اگر عارضی پردہ ہو سکتا ہے تو تستر فرض ہے اور اگر عارضی پردہ نہیں ہو سکتا تو لوگوں سے منہ پھیرنے کے لئے کہے اگر لوگ منہ پھر دیں تو اچھا ہے ورنہ بغیر پردہ کے غسل کرے اور گناہ گار دیکھنے والے ہوں گے۔

کانوا یغتسلون..... عریانا غسل ممکن ہے کہ بنی اسرائیل کے شریعت میں

جائز ہو۔

باب اذا احتلمت المرأة

ترجمہ الباب کا مقصد:

یہ باب رد ہے ابراہیم نخعی، امام محمد اور قدیم اطباء پر، حافظ ابن حجر نے بحوالہ مصنف ابی بکر ابن ابی شیبہ لکھا ہے کہ ابراہیم نخعی کے ہاں عورت کو احتلام نہیں ہوتا لہذا اگر عورت خواب میں احتلام کی کیفیت دیکھ لے تو اس پر غسل نہیں ہوگا اور امام محمد کے ہاں عورت کی منی ہی نہیں ہوتی تو خروج منی متحقق نہیں ہوگا لہذا عورت پر غسل نہیں ہوگا۔ اور یہی قول قدیم اطباء کا ہے تو اس باب سے ان لوگوں پر رد مقصد ہے۔

باب عرق الجنب وان المومن لا ینجس

اشکال:

ہم دیکھتے ہیں کہ جب کو نجس کہا جاتا ہے تو لاینجس کا کیا معنی ہے؟ مطلب یہ ہے کہ حالت جنابت میں نجاست حکمی ہوتی ہے ہاتھ ملانے سے متعدی نہیں ہوتی یا یہ کہ مجلس میں بھی بیٹھ سکتا ہے۔

باب الجنب یخرج ویمشی فی السوق

قال عطاء یحتجم الجنب ویقصر اظفاره ویحلق رأسه اور ظاہر ہے کہ اس کے لئے بسا اوقات گھر سے خروج ہوتا ہے۔ یہ باب ان لوگوں پر رو ہے جن کے ہاں حالت جنابت میں حلق، قصر اظفار جائز نہیں کہ وہ ناخن اور بال ہمیشہ کے لئے حب رہیں گے اور آدمی کے لئے بد دعا کریں گے۔

کان بطوف علی نساتہ ظاہر ہے اس کے لئے ایک گھر سے دوسرے گھر تک جانا پڑتا تھا تو حالت جنابت میں خروج اور مشی ثابت ہوتی ہے۔

باب کینونة الجنب فی البیت اذا توضأ

ترجمہ الباب کا مقصد:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت منقول ہے لا تدخل الملائكة بیتاً فیہ کلب او جنب تو یہ بات اس روایت کے جواب کے لئے قائم کیا کہ جب حب وضو کر لیتا ہے تو قبل الغسل اس کے لئے گھر میں لیٹنا، بیٹھنا سب جائز ہے اور دخول الملائكة سے مانع نہیں ہے اور فرشتے اس صورت میں داخل نہ ہوں گے جب حب وضو بھی نہ کرے اور گھر میں رہے ورنہ فی نفسہ بغیر وضو کے بھی کینونة فی البیت جائز ہے تو گویا حضرت علیؑ کی روایت کا جواب یہ ہوگا (۱) یہ حدیث ضعیف ہے بہ نسبت حدیث بخاری شریف کے (۲) ٹھیک ہے عدم وضو کی صورت میں فرشتے تو داخل نہ ہوں گے لیکن یہ صورت فی نفسہ جائز ہے اور دخول ملائکہ کی رعایت رکھنا اولیٰ تو ہے لیکن ضروری نہیں لہذا دخول الملائکہ الگ بات ہے اور جواز کینونة فی البیت الگ بات ہے۔

باب نوم الجنب یہ وہی گذشتہ مضمون ہے فرق یہ ہے کہ گذشتہ باب عام تھا، لیٹنے، بیٹھنے اور ہر صورت کو شامل تھا اور یہ خاص ہے صرف نوم کو شامل ہے۔

باب الجنب یتوضا ثم ینام

مسئلہ الباب: امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد کے ہاں جب کے لئے وضو قبل النوم مستحب ہے اور اس کا فائدہ تخفیف جنابت ہے اور یہ صورت دخول ملائکہ سے مانع نہیں ہوتی

جبکہ حسن بن حی، سعید بن مسیب اور سفیان ثوری کے ہاں وضو قبل النوم ضروری نہیں ہے ولیل عقلی یہ ہے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ نہ تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے اور نہ مس مصحف جائز ہے تو پھر کیا فائدہ ہے اور دلیل نقلی حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنام وهو جنب ولا یمس الماء

جواب: فائدہ تو تخفیف جنابت کی صورت میں نکلنا ہے اور رہ گئی حدیث عائشہ تو یہ ضعیف ہے بایں معنی کہ راوی نے تعبیر میں غلطی کی ہے حضرت عائشہ کا مقصد تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبل النوم وضو کرتے اور غسل نہ فرماتے تو راوی نے اس عدم غسل کو لا یمس ماء سے تعبیر کیا اور نہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دیگر روایات میں صراحتاً وضو قبل النوم منقول ہے۔

باب اذا التقى الختانان

مسئلہ الباب کی تفصیل:

اس مسئلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو طرح کی روایات منقول ہیں (۱) الماء من الختان اور (۲) اذا التقى الختانان وجب الغسل۔ عقبان بن مالک کا واقعہ امام طحاوی نے نقلی کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر گئے دروازہ کھٹکھٹایا وہ ڈر ادیر سے نکلے اور سر سے پانی ٹپک رہا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا لعننا عجلناک پھر فرمایا آئینہ اگر ایسی صورت ہو تو جب تک انزال نہ ہو غسل مت کیا کرو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف رہا اکثر انصار اور کچھ مہاجرین الماء من الماء کے قائل تھے اور اکثر مہاجرین اتقاء الختانین اور غیوبت حشفہ سے وجوب غسل کے قائل تھے حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں صحابہ کو جمع کیا اور فرمایا کہ جب تم اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہو تو بعد کے لوگ تو اشد اختلاف ہوں گے پھر ازواج مطہرات سے مسئلہ پوچھنے کا مشورہ ہوا تو پہلے حضرت حشفہ کے پس لوگ گئے انہوں نے لائلی کا اظہار کیا پھر حضرت عائشہ کے پاس گئے انہوں نے اتقاء الختانین کا فتویٰ دیا تو اس کے بعد صحابہ کا اجماع ہوا اور اب حضرت عمرؓ نے فرمایا جو اس کے خلاف کرے گا جعلتہ نکالاً اب ائمہ

مجتہدین کا اسی پر اتفاق ہے اصل سبب وجوب میں غسل کے لئے انزال ہے لیکن انزال سبب مخفی ہے لہذا شریعت نے حکم کا مدار سبب المسبب پر رکھا۔

اذا جلس بین شعبہا.....

شعب اربعہ سے مراد (۱) الیدان والرجلان

(۲) الرجلان والفتخذان

انما یسنا الحدیث الآخر..... اس سے ما بعد کی حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ وہ تو منسوخ ہے لیکن فقط اختلاف مذاہب کے ظاہر کرنے کے لئے نقل کیا ہے۔

والغسل احوط..... اس پر اشکال ہے کہ غسل تو اتفاقاً واجب ہے جبکہ امام بخاری نے اس کو احوط کہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر فقط اتقاء الختلاف کی صورت میں غسل نہ کیا تو امام بخاری کے ہاں جائز ہے؟

جواب: احوط کا اطلاق صرف مستحب پر نہیں ہوتا بلکہ واجب پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔

باب غسل ما یصیب من فرج المرأة

فرج المرأة سے (۱) یا تو منی نکلتی ہے یا (۲) مذی یہ دونوں عند الاحناف نجس ہیں (۳) یا وہ رطوبت ہوتی ہے جو وہاں ہوتی ہے یہ احناف کے ہاں پاک ہے۔ اسی وجہ سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ باب احناف کے اس قول کے رد کے لئے ہے لیکن یہ بات غلط ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ اس سے مراد وہ رطوبت نہیں ہے بلکہ امام بخاری کا مقصد اس باب سے منی اور مذی کا حکم بیان کرنا ہے۔

ولم یمن قال یتوضأ..... یہ حدیث منسوخ ہے اور اس کی طرف پچھلی حدیث میں امام بخاری نے اشارہ کیا ہے اور اس کو فقط اس لئے ذکر کیا کہ اختلاف مذاہب ظاہر ہو جائے۔

وذلك الآخر..... والماء انقی..... اس سے بقول حافظ ابن حجر خاتمہ کتاب اور بقول حضرت شیخ الحدیث خاتمہ انسان کی طرف اشارہ ہے۔

کتاب الحيض

يسئلونك عن المحيض الخ

باب كيف كان بدأ الحيض

حيض، حاض تحيض سے ہے اس کا معنی سال۔ سبیل کسی چیز کا بہہ جانا يقال حاض الوادی اذا سال اور اصطلاح شریعت میں دم ینفض رحم امرأة سليمة من داء۔ امام بخاری نے حسب عادت شروع میں آیت کو لا کر اشارہ کیا کہ مابعد کی ایواب اور احادیث اس آیت کی شرح ہیں۔

آیت کا پس منظر:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے حائضہ کے متعلق لوگوں کے مختلف دستور تھے یہود اور مجوس کا دستور تھا کہ حالت میں حیض میں عورت سے مکمل بائیکاٹ کر کے گھر سے نکال دیتے تھے اور نصاریٰ ان کے برعکس حائضہ اور طاہرہ میں کوئی امتیاز نہیں کرتے تھے اور حائضہ کے ساتھ مکمل تعلقات قائم رکھتے تھے اور مشرکین مکہ کا دستور نصاریٰ کے قریب تھا البتہ جماع فی الفرج کی بجائے اتیان فی الدبر کرتے تھے ان سب کو رد کرنے کے لئے یہ آیت اتری یسئلونک عن المحيض۔ اس میں فقط جماع فی حالت الحيض سے منع کیا گیا باقی تمام تعلقات کو جائز قرار دیا ہے۔

باب كيف كان بدأ الحيض وقول النبي صلعم هذا شي كتب

الله على بنات آدم عليه السلام

یہ باب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کو رد کرنے کے لئے قائم کیا ہے ان کا قول تھا کہ حیض کا سلسلہ بنی اسرائیل کی عورتوں سے شروع ہوا ہے پہلے یہ نہیں تھا تو اس بات کو رد کیا کہ یہ سلسلہ شروع سے یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے شروع تھا۔ چنانچہ امام بخاری نے دونوں قول ذکر کر کے وحدیث رسول اللہ اکثر سے حدیث کو ترجیح دی ہے۔

وضحی رسول الله عن نسائه البقرة ظاہر ہے کہ تمام بیویوں کی

طرف سے ایک ہی گائے ذبح نہیں کی ہے بلکہ سات سے گائے ذبح کی اور باقی سے دنبے وغیرہ ذبح کئے اور اسی طرح اگر قربانی واجب تھی تو ازواج کی اذن ضروری تھی اور اگر نفل تھی تو اذن ضروری نہیں۔

باب غسل الحائض رأس زوجها و ترجمیلہ

ترجمۃ الباب کا مقصد:

مقصد یہود پر رد ہے کہ حیض کی نجاست حکمی ہے اور یہ متعدی نہیں ہوتی اور اس میں جماع کے علاوہ تمام امور جائز ہے۔

باب قراءة الرجل في حجر امرأته وهي حائض

یہ جمہور کے ہاں جائز ہے۔

کان ابو وائل ارسل خادمه متمسك بعلاقته..... یہ بھی امام ابو حنیفہ کے ہاں جائز ہے البتہ ائمہ ثلاثہ کے ہاں نفل بالتعظیم ہونے کے سبب ناجائز ہے۔
اشکال: امام بخاری کا مقصد تو قرآۃ کا حکم ہے لیکن اس اثر کی کیا مناسبت ہے؟
جواب: اس اثر کی مناسبت حاصل ہے کہ اس میں حمل قرآن کا ذکر ہے اور حجر المرأة میں سر رکھ قرأت بھی صورتہ حمل قرآن ہے۔

باب من سمي النفاس حيضاً

مقصد یہ ہے کہ یہ اطلاق جائنین سے ہے کیونکہ حدیث میں حیض کے لئے نفاس کہا گیا ہے جبکہ ترجمۃ الباب اس کا عکس ہے کہ یہ توسع جائنین سے ہے۔

باب مباشرة الحائض

مسئلۃ الباب: امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام ابو یوسف کے ہاں حائضہ کے ساتھ مباشرت تحت الازار ناجائز ہے اور مانوق الازار جائز ہے اور امام محمد اور دیگر کے ہاں مباشرت تحت الازار بھی جائز ہے البتہ وطی سے اجتناب لازمی ہے جمہور کا استدلال حضرت عائشہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما کی روایات ہیں جن میں منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حالت حیض میں ازواج مطہرات کو لیتزار کا حکم فرماتے اور پھر ان

سے مباشرت فرماتے اور ایک روایت میں تصریح ہے کہ لك مافوق الازار، ايكم املك
اربه ارب بفتح الهمزة بمعنى حاجت اور ارب بالکسر عضو الذی بسمت مع

باب ترک العائض الصوم

حائضہ صوم کو چھوڑ کر پھر قضا کرے گی جبکہ نماز کا ترک محض ہے اس کی قضا نہیں۔

باب تقضى العائض المناسك كلها الا الطواف

حائضہ کے لئے حج کے موقع پر سوائے طواف کے تمام اعمال کا ادا کرنے کا جواز ہے
طواف جائز نہیں کیونکہ طواف ایک تو مسجد میں ہوتا ہے اور حائضہ کے لئے دخول فی المسجد
جائز نہیں اور دوم یہ کہ طواف کے لئے طہارت ضروری ہے جبکہ حائضہ طاہرہ نہیں ہے۔

كان النبي صلعم يذکر الله على كل احياته..... جمہور کے ہاں حائضہ کے
لئے قرأت جائز نہیں ہے الا یہ کہ کوئی آیت بطور دعا پڑھے یا سچے کر کے پڑھے تو جائز ہے۔

باب الاستحاضة

حسب عادت خون کا آنا حیض ہے اور بسبب مرض استحاضہ ہے نماز اور روزہ کے
احکام میں مستحاضہ طاہرہ کے حکم میں ہے۔

باب اعتكاف المستحاضة

مستحاضہ چونکہ طاہرہ کے حکم میں ہے لہذا اس کے لئے اعتکاف جائز ہے بشرطیکہ خون
کو محفوظ کرنے کا اہتمام کیا ہوا

اعتکاف مع بعض نساء..... اس سے کون مراد ہے (۱) سودہ رضی اللہ عنہا بنت
زمرہ (۲) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا (۳) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا (۴) حضرت
زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا۔

باب تصلى المرأة في الثوب حاضت فيه

حیض کے کپڑوں میں نماز جائز ہے بشرطیکہ کپڑوں پر خون نہ لگا ہو یا خون لگا ہو لیکن
اس کے بعد کپڑوں کو دھویا ہو۔

باب الطيب للمرأة عند غسلها من الحيض

حيض کے بعد حائضہ کے بدن پر جہاں جہاں خون لگا ہے تو وہاں پر بدبو کو ختم کرنے کے لئے کپڑے سے خوشبو لگائے جیسے امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے و تاخذ فرصة ممسكة فتبع بها اثر الدم

باب قول الله مخلقة وغير مخلقة

اس باب میں مخلقتہ و غیرہ مخلقتہ کی تفسیر مقصود ہے۔

اشکال: یہ باب اس مقام کے مناسب نہیں ہے بلکہ کتاب التفسیر کے مناسب ہے؟
جواب: اس باب کی مناسبت کتاب الحيض سے یہ ہے کہ جس عورت کو حیض آتا ہے وہ خلقیت کے قابل ہوتی ہے اور جس کو حیض نہیں آتا وہ خلقیت کے قابل نہیں ہوتی۔

باب اقبال الحيض و ادبارها

احناف کے ہاں تمیز بالالوان کا اعتبار نہیں ہے بلکہ اقبال و ادبار سے اقبال عادت اور ادبار عادت مراد ہے۔

متدل یہ ہے: كانت النساء يبعثن الى عائشه رضى الله عنها بالدرجة فيها الصفرة فتقول لانهن حتى ترين القصة البيضاء

باب اذا حاضت في شهر ثلاث حيض

یہ ترجمہ الباب بخاری شریف کے مشکل ابواب میں سے ہے کہ عورت کو ایک ماہ میں تین حیض آسکتے ہیں یا نہیں؟ قاضی شریحؒ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں عورت کو ایک ماہ میں تین حیض آسکتے ہیں مثلاً عورت کو خاوند طلاق دے دے پھر عورت ایک ماہ کے بعد عدت گزار جانے کا دعویٰ کرے تو قاضی شریحؒ اور حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ اگر عورت کے خاندان کی دیگر خواتین اس بات کی گواہی دیں کہ ہمارے خاندان کی عورتوں کو صیغے بھر میں تین حیض آتے ہیں تو اس عورت کا دعویٰ قبول ہوگا اور عورت کی عدت پوری تصور کی جائے گی۔

عورت کی اقل مدت عدت میں اقوال: (۱) امام احمدؒ کے ہاں اڑتالیس ایام اور تین

لمحات (۲) شوافع کے ہاں بتیس دن (۳) صاحبین کے ہاں کم از کم انتالیس ۳۹ ایام (۴) امام ابوحنیفہ کے ہاں ساٹھ ۶۰ دن علامہ سرحسی فرماتے ہیں کہ قاضی شریح کا قول تعلق بالمحال ہے کیونکہ عورتیں یہ گواہیں کیسے دی سکتی ہیں کیونکہ عورت کو کیسے مہینے میں تمن حیض آسکتے ہیں اگر بالفرض قاضی شریح کا مذہب احناف کے خلاف بھی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ وہ تابعی ہیں اور امام ابوحنیفہ بھی تابعی ہیں تو بقاضی شریح کا قول امام صاحب کے خلاف حجت نہیں۔ حیض وغیرہ میں عورت کا قول معتبر نہیں ہے یا نہیں؟ حیض وغیرہ کے مسائل میں عورت کا قول مع الحلف معتبر ہے لقول الله ولا یکنمن الله فی ارحامهن الآیة

کتاب التیمم

باب التیمم ائووجه و الکفین

تیمم میں اختلاف محل کے اعتبار سے ہے امام اعظم اور جمہور کے ہاں محل تیمم وجہ اور والمرفقین ہے امام احمد اور امام اسحاق کے ہاں وجہ اور تیدین کفین تک محل تیمم ہے دوسرا اختلاف تعداد ضربات میں ہے جمہور کے ہاں ضربتین ہیں اور امام احمد کے ہاں ضربہ واحدہ ہے امام بخاری کی متعلقہ باب سے امام احمد کی تائید مقصود ہے جمہور حدیث الباب کا جواب دیتے ہیں کہ اس سے مقصد فقط یہ ہے کہ سابقہ طریقہ کی طرف اشارہ مقصود ہے حدیث اصغر اور حدیث اکبر کے لئے تیمم میں کوئی فرق نہیں بلکہ جو تیمم حدیث اصغر کے لئے تھا وہی حدیث اکبر کے لئے کافی ہے۔

باب الصعیب الطیب

مقصد یہ ہے کہ تیمم موقف نہیں ہے بلکہ جب تک سبب نقص نہ پایا جائے تب تک تیمم سے نماز وغیرہ جائز ہیں اور جب تک تیمم کی شرط باقی ہے تیمم جائز ہوگا وقال الحسن یحوز التیمم ما لم یحدث، ام ابن عباس وهو مہتمم اس سے تیمم کی امامت کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

فهرست ابواب درس بخاری

صفحه	عنوانات	نمبر شمار
۱۸	باب كيف كان بدء الوحي	۱
۶۰	كتاب الايمان	۲
۷۱	باب امور الايمان	۳
۷۵	باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده	۴
۷۷	باب اي الاسلام الفضل	۵
۷۹	باب اطعام الطعام من الاسلام	۶
۸۱	باب من الايمان ان يحب لآخيه	۷
۸۳	باب حب الرسول من الايمان	۸
۸۵	باب حلالة الايمان	۹
۸۸	باب علامة الايمان حب الأنصار	۱۰
۹۰	باب (بلا عنوان)	۱۱
۹۵	باب من الدين الفرار	۱۲
۹۷	باب (بلا عنوان)	۱۳
۱۰۰	باب من كره ان يعود في الكفر	۱۴
۱۰۱	باب تفاضل اهل الايمان	۱۵
۱۰۳	باب الحياء من الايمان	۱۶
۱۰۵	باب فان تابوا واقاموا الصلوة	۱۷
۱۱۴	باب من قال ان الايمان هو العمل	۱۸
۱۱۶	باب إذا لم يكن الاسلام	۱۹
۱۲۰	باب افشاء السلام من الاسلام	۲۰
۱۲۳	باب كفران العشير	۲۱
۱۲۶	باب المعاصي من أمر الجاهلية	۲۲
۱۳۰	باب ظلم دون ظلم	۲۳
۱۳۲	باب آية المنافق	۲۴
۱۳۵	باب قيام ليلة القدر	۲۵
۱۳۷	باب الجهاد من الايمان	۲۶
۱۳۱	باب تطوع قيام رمضان	۲۷
۱۳۱	باب صوم رمضان	۲۸

١٢٢	باب الدين يسر	٢٩
١٢٥	باب الصلوة من الايمان	٣٠
١٥٢	باب حسن اسلام المرء	٣١
١٥٨	باب احب الدين	٣٢
١٦٢	باب زيادة الايمان ونقصانه	٣٣
١٦٤	باب الزكوة من الايمان	٣٣
١٤٢	باب اتباع الجنائز	٣٥
١٤٣	باب خوف المؤمن ان يحبط عمله	٣٦
١٨٠	باب سؤال جبريل النبي ا	٣٤
١٩٠	باب (بلا عنوان)	٣٨
١٩٣	باب فضل من استبرأ لدينه	٣٩
١٩٤	باب اداء الخمس من الايمان	٤٠
٢٠٢	باب ما جاء ان الاعمال بالنية	٤١
٢٠٦	باب قول النبي صلى الله عليه وسلم الدين النصيحة	٤٢
٢١٢	كتاب العلم	٤٣
٢١٦	باب من سئل علما وهو مشتغل	٤٣
٢١٩	باب من رفع صوته بالعلم	٤٥
٢٢٢	باب قول المحدث حدثنا	٤٦
٢٢٥	باب طرح الامام المسئلة	٤٤
٢٢٦	باب القراءة والعرض	٤٨
٢٣٠	باب ما يذكر في المناولة	٤٩
٢٣٥	باب من قعد حيث ينتهي به المجلس	٥٠
٢٣٦	باب قول النبي ارب مبلغ	٥١
٢٣٢	باب ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولهم بالموعظة	٥٢
٢٣٢	باب من جعل لاهل العلم	٥٣
٢٣٢	باب من يرد الله به خيرا	٥٣
٢٣٦	باب الفهم في العلم	٥٥
٢٣٨	باب الاغتباط في العلم والحكمة	٥٦
٢٥٠	باب ما ذكر في ذهاب موسى	٥٤
٢٥٢	باب قول النبي صلى الله عليه وسلم اللهم علمه الكتاب	٥٨

٢٥٥	باب متى يصح سماع الصغير	٥٩
٢٥٤	باب رفع العلم وظهور الجهل	٦٠
٢٥٩	باب فضل العلم	٦١
٢٦١	باب الفتيا وهو واقف	٦٢
٢٦٣	باب من اجاب الفتيا	٦٣
٢٦٥	باب تحريض النبي وقد عبد القيس	٦٣
٢٦٦	باب الرحلة في المسئلة النازلة	٦٥
٢٦٨	باب التناوب في العلم	٦٦
٢٦٩	باب الغضب في التعلم	٦٤
٢٤٢	باب من برک على ركبته	٦٨
٢٤٣	باب من اعاد الحديث	٦٩
٢٤٥	باب تعليم الرجل امته واهله	٤٠
٢٤٦	باب عظة الامام النساء	١٤
٢٤٨	باب الحرص على الحديث	٢٤
٢٤٩	باب كيف يقبض العلم	٤٣
٢٨٠	باب هل يجعل للنساء يوما	٤٣
٢٨١	باب من سنع شيئا فلم يفهمه	٤٥
٢٨٣	باب يبلغ العلم الشاهد الغائب	٤٦
٢٨٦	باب اثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم	٤٤
٢٩١	باب العلم والعظة بالليل	٤٨
٢٩٣	باب السمر بالعلم	٤٩
٢٩٥	باب حفظ العلم	٨٠
٢٩٤	باب الانصات للعلماء	٨١
٢٩٨	باب ما يستحب للعالم	٨٢
٢٩٩	باب من يسأل وهو قائم عالما جالسا	٨٣
٣٠١	باب السؤال والفتيا عند رمي الجمار	٨٣
٣٠٢	باب قول الله وما اوتيتم	٨٥
٣٠٢	باب من ترك بعض الاختيار	٨٦
٣٠٦	باب من خص بالعلم قوما	٨٤
٣٠٨	باب الحياء في العلم	٨٨
٣١٠	باب من استخفى فامر غيره	٨٩

٣١٠	باب ذكر العلم والفتيا في المسجد	٩٠
٣١١	باب من اجاب السائل باكثر مما سأل	٩١
٣١٢	كتاب الوضوء	٩٢
٣١٦	باب لا تقبل صلوة بغير طهور	٩٣
٣١٤	باب فضل الوضوء والغر المحجلون	٩٤
٣١٨	باب لا يتوضأ من الشك	٩٥
٣١٨	باب التخفيف في الوضوء	٩٦
٣١٩	باب غسل الوجه باليدين	٩٤
٣٢٠	باب التسمية على كل حال	٩٨
٣٢١	باب ما يقول اذا دخل الخلاء	٩٩
٣٢٢	باب وضع الماء عند الخلاء	١٠٠
٣٢٣	باب لا تستقبل القبلة بفائط	١٠١
٣٢٣	باب من تبرز على لبنتين	١٠٢
٣٢٥	باب خروج النساء الى البراز	١٠٣
٣٢٦	باب التبرز في البيوت	١٠٤
٣٢٤	باب الاستنجاء بالماء	١٠٥
٣٢٤	باب من حمل معه الماء	١٠٦
٣٢٨	باب حمل العنزة مع الماء	١٠٤
٣٢٩	باب النهي عن الاستنجاء باليمين	١٠٨
٣٢٩	باب لا يمسه ذكره بيمينه اذا بال	١٠٩
٣٢٩	باب لا يستنجى بروث	١١٠
٣٣٠	باب الوضوء مرة مرة	١١١
٣٣١	باب الاستنثار في الوضوء	١١٢
٣٣١	باب الاستجمار وتراً	١١٣
٣٣١	باب غسل الرجلين	١١٣
٣٣٢	باب المضمضة في الوضوء	١١٥
٣٣٣	باب غسل الاعقاب	١١٦
٣٣٣	باب غسل الرجلين في النعلين	١١٤
٣٣٥	باب التيمم في الوضوء والغسل	١١٨
٣٣٥	باب التماس الوضوء اذا حانت الصلوة	١١٩
٣٣٦	باب الماء الذي يغسل به شعر الانسان	١٢٠

٢٢٩	باب اذا شرب الكلب في الاناء	١٢١
٢٣١	باب من لم ير الوضوء الامن المخرجين	١٢٢
٢٣٢	باب الرجل يوضي صاحبه	١٢٣
٢٣٣	باب قراءة القرآن بعد الحدث وغيره	١٢٣
٢٣٤	باب من لم يتوضا الامن الغشي	١٢٥
٢٣٤	باب مسح الرأس كله	١٢٦
٢٣٤	باب غسل الرجلين الى الكعبين	١٢٤
٢٣٤	باب استعمال فضل وضوء الناس	١٢٨
٢٣٨	باب مسح الرأس مرة	١٢٩
٢٣٨	باب الوضوء مع امراته	١٣٠
٢٣٩	باب الوضوء بالمد	١٣٢
٢٥٠	باب المسح على الخفين	١٣٣
٢٥٠	باب اذا دخل رجلين	١٣٣
٢٥١	باب من مضمض من السويق	١٣٥
٢٥١	باب هل يمضمض من اللبن	١٣٦
٢٥١	باب الوضوء من النوم	١٣٤
٢٥٢	باب الوضوء من غير حدث	١٣٨
٢٥٢	باب ترك النبي صلى الله عليه وسلم والناس	١٣٩
٢٥٢	باب البول قائماً وقاعداً	١٤٠
٢٥٥	باب البول عند صاحبه والتستر بحائض	١٤١
٢٥٥	باب البول عند سبابة قوم	١٤٢
٢٥٦	باب غسل الدم	١٤٣
٢٦٣	باب السواك	١٤٣
٢٦٣	كتاب الغسل	١٤٥
٢٤٥	كتاب الحيض	١٤٦
٢٤٩	كتاب التيمم	٢٢٤